KitabPk.Com

KitabPk.Com

تغلق خان دوست بننے کے بجائے دشمن بن گیا تھا اور اب اس دشمن پر نگاہ رکھنا بھی ضروری تھا لیکن مجھے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ خوف نام کی ہر شے میری زندگی سے نکل گئی تھی۔ انسان پر ایک وقت ایسا بھی آ جاتا ہے جب اپنی زندگی سے اسے کوئی دلچسپی نہیں رہتی اور جب زندگی سے کوئی لگاؤ ہی نہ ہو تو پھر بھلا کون سی چیز خاطر میں لائی جا سکتی ہے۔ تغلق خان دشمن بن گیا تو کون سا فرق پڑتا ہے۔ اس سے بڑا دشمن تو سیٹھ جبار تھا۔ کتنے ہی دشمن ہوں' کام تو ایک ہی کریں گے یعنی مجھے قتل کر دیں گے کون سا فرق پڑے گا۔ چند ہنستے بولتے کردار میرے گرد ضرور تھے لیکن ان میں وہ نہ تھے جن کی مجھے طلب تھی۔ اب تو ان کا خیال بھی بھولے بسرے لوگوں کی مانند آتا تھا۔

عظمت کے سلسلے کو اب میں زیادہ طویل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس دن سے آج تک عظمت نے مجھ سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اسے مجھ پر اعتماد تھا اور میں اس اعتماد کی ناجائز قیمت نہیں وصول کرنا چاہتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ جلد از جلد اس قضیئے کو نمٹا دوں۔ ایاز کی کاوش نے میرے کام میں آسانی پیدا کر دی تھی۔ آج صبح میں نے اس سلسلے میں بہت کچھ سوچا تھا اور گیارہ بجے کارروائی کا آغاز کر دیا۔ ٹیلی فون ڈائرکٹری میں شیخ جمال کے فون نمبر مل گئے تھے۔ کئی نمبر تھے لیکن اتفاق سے پہلے ہی نمبر پر رابطہ قائم ہو گیا۔ آپریٹر نے میرا فون اس سے ملا دیا۔

"ہاں۔ کہو کیا بات ہے؟" شیخ جمال کی آواز میں بڑی رعونت تھی......

"بہت بڑی بات ہے شیخ جمال۔ دل جمعی سے سنو۔ وقت ہے تمہارے پاس اور تنہا ہو یا اور کوئی موجود ہے؟؟"

"کون ہو تم؟" شیخ جمال بگڑ کر بولا۔

"مصیبتوں کا سوداگر۔" میں نے جواب دیا۔

"تم جانتے ہو تم نے کسے فون کیا ہے؟؟"

"ہاں۔ معاشرے کے ایک بدنما انسان کو۔ ایک مجرم کو جس نے اپنے بیٹے کا جرم چھپانے کے لئے بہت سے جرائم کیے۔ جن میں ایک بے گناہ لڑکی کا قتل بھی شامل ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا بکواس ہے؟" اس بار شیخ جمال کی آواز میں کھوکھلا پن نمایاں تھا۔

"جو کچھ ہے تم اچھی طرح سمجھتے ہو۔ میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا تھا شیخ جمال کہ تمہاری لگام تھامنے والے ہاتھ بدل گئے ہیں۔ تمہاری تحریر' اعتراف نامہ اور دوسرے ثبوت سب میرے پاس ہیں اور اس سلسلے میں اب تمہارا تعلق مجھ سے ہو گا اور میں نیا سودا کروں گا........" دوسری طرف خاموشی رہی۔ میں چشم تصور سے اس کے چہرے پر بدلتے رنگ دیکھنے لگا پھر اس نے لرزتے لہجے میں پوچھا۔

"کیا فون پر یہ گفتگو مناسب ہو گی؟"

"ہاں شیخ جمال کوئی ہرج بھی نہیں ہے' تم اگر صحیح طور پر گفتگو کرنے پر آمادہ ہو تو ہم اشاروں کنایوں میں گفتگو کر لیتے ہیں۔" میں نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہوں۔ تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ہاتھ کیسے بدل گئے؟" شیخ جمال نے کہا۔

"بس یوں سمجھو شیخ جمال کہ پہلی شہنشاہیت ختم ہو گئی اور اب عنان حکومت میرے ہاتھ میں ہے۔ یعنی تخت و تاج کا وارث میں ہوں۔ خزانے کی چابیاں میرے پاس ہیں اور میرا طریقہ کار ذرا سا مختلف ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہوں۔ پھر کیا چاہتے ہو؟"

"میں نے کہا نا شیخ جمال میرا طریقہ کار ذرا سا مختلف ہے' میں طویل سودے نہیں کرتا۔ حال میں حاصل کرنے کا قائل ہوں اور جو کچھ حاصل کر لیتا ہوں اس سے متعلق چیزوں کو بھول جانا پسند کرتا ہوں۔"

"گویا تم آخری سودا کرو گے؟"

"قطعی آخری' یعنی ہمارے تمہارے درمیان جو سودا ہو گا۔ اس کے صلے میں مال تمہارے حوالے کرنے کے بعد میں ان تمام باتوں کو بھول جاؤں گا اور کبھی تم سے کوئی رابطہ نہیں کروں گا۔"

"یہ بات مجھے پسند ہے۔ بولو کیا مانگتے ہو؟"

"صرف پانچ لاکھ۔ نہ کم نہ زیادہ۔"

"بہت بڑی ڈیمانڈ کی ہے تم نے۔ پانچ لاکھ تو بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ میں کچھ زیادہ بڑی رقم نہیں ادا کرتا تھا۔ اس میں کوئی کمی....."

"نہیں۔ شیخ جمال۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں نے کہا نا' پہلی اور آخری بات۔ میں زبان کا پکا ہوں' جو کہہ دیا سو کہہ دیا اور پھر تم جانتے ہو کہ یہ رقم اس جرم کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ تم باآسانی اسے ادا کر سکتے ہو۔ مسعود اختر بہت پیارا نوجوان ہے اور یقیناً تم اس کی سلامتی کے خواہاں ہو گے۔" میں نے اپنے لہجے میں بھرپور سفاکی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

KitabPk.Com

"چوبیس گھنٹے کی مہلت۔ اس کے بعد تم مجھے کل صبح گیارہ بجے ٹیلی فون کو لینا۔ میں تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گا۔" اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے منظور ہے۔" میں نے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔ میں نے شیخ جمال کے ٹیلی فون بند کرنے کا انتظار بھی نہیں کیا تھا۔ شیخ جمال سے ہونے والی گفتگو تسلی بخش تھی۔ میں نے اسے اپنا مافی الضمیر سمجھا دیا تھا۔ دراصل شیخ جمال جیسے لوگوں کو چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ ایسے گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کرنے والے کسی رعایت کے مستحق نہیں ہوتے۔ اس نے اپنے بیٹے کے جرم کو چھپانے کے لئے ایک خاندان کو موت کی آخری سرحدوں تک لا کھڑا کیا تھا۔ اپنے اثر و رسوخ اور دولت کے بل بوتے پر اس نے اس زمین پر بسنے والے چند انسانوں کی زندگی چھیننے کی کوشش کی تھی اور انہیں ایک ایسا زخم دیا تھا جو تا زندگی نہیں بھر سکتا تھا۔ اس نے جوان بھائی کا سر جھکا دیا تھا۔ بوڑھے ماں باپ کو زندہ درگور کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کے عوض اسے مالی چوٹ بھی پہنچنی چاہئے اور وہی زخم اس کے سینے میں بھی لگنا چاہئے جو فرحت اللہ صاحب کے سینے پر لگا تھا میں کسی طور فرحت اللہ صاحب کے درد کا سودا نہیں کر سکتا تھا' ہاں شیخ جمال کے سینے میں یہ درد سوا کر دینا چاہتا تھا اور یہ سودے بازی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

ایاز حسب معمول مجھ سے اجازت لے کر آوارہ گردی کرنے نکل گیا تھا۔ سرخاب سے بھی رابطہ قائم نہیں ہو سکا تھا۔ پروفیسر شیرازی کیا کر رہے تھے اس بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم تھا اور نہ ہی میں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اب ان لوگوں کے لئے میں مزید پریشانی کا باعث نہیں بننا چاہتا تھا۔ میں ان کے احسانات کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ اب پروفیسر کے کسی بھی عمل میں میری خواہش کا دخل نہیں تھا۔ ہاں اگر انہوں نے اپنے طور پر کچھ کر کے مجھے کوئی حکم دیا تو میں اس سے گریز نہیں کروں گا۔ یہ میرا فیصلہ تھا۔ حالانکہ میں خود اپنی زندگی کے کسی راستے کا تعین نہیں کر سکا تھا لیکن شاید یہ میری فطرت ہی تھی کہ میں ان تمام لوگوں کو جنہوں نے مجھ پر احسانات کئے تھے' نظر انداز نہیں کر سکا تھا۔ ان کی محبت' ان کے احسانات کا بوجھ میرے شانوں پر تھا اور میں کسی سے بھی انحراف نہیں کر سکتا تھا۔ چمن کی پیش کش اس وقت میرے لئے بڑی الجھن آمیز تھی۔ ان سارے معاملات کو چھوڑ کر چمن کی خواہش کی تکمیل کے لئے نکل جانا بڑی عجیب سی بات تھی لیکن میں اسے بھی ٹال نہیں سکتا تھا۔ دوسرے لیڈی جہانگیر تھیں۔ کتنے چہرے تھے' اپنے نہ ہوتے ہوئے بھی میرے اپنے تھے۔ میں نجانے کتنے لوگوں کی ملکیت بن گیا تھا۔ جب کہ بذات خود میں کچھ نہ تھا۔ مجھے خود پر ہنسی آ گئی اور مجھے ہنستا دیکھ کر حسینہ چونک پڑی۔ شاید وہ کسی کام سے اندر آئی تھی' میں نے اسے چائے کا کہہ کر ٹال دیا۔

چائے پینے کے بعد میں نے لباس تبدیل کیا اور باہر نکل آیا کوئی خاص مقصد نہیں

تھا۔ بس ایسے ہی طبیعت گھبرا رہی تھی' سوچا تھوڑی سی آوارہ گردی کروں۔ اگر سرخاب سے مل لوں تو کیا ہرج ہے' لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ شکوے شکایت کرے گی اور مجھے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ چنانچہ گھر سے کافی دور نکلنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ بھی ملتوی کر دیا۔ پھر لیڈی جہانگیر سے ملنے کو دل چاہا لیکن احتیاط کے پیش نگاہ میں نے وہاں جانے کا فیصلہ بھی ترک کر دیا۔ میں اپنے ہمدردوں سے بھی کٹ گیا تھا۔ چمن کی طرف رخ کرنے کا سوچا لیکن وہاں بھی خطرہ تھا کہ کہیں تغلق خان نے اپنے آدمیوں کو میرے پیچھے نہ لگا دیا ہو۔ چمن کو بھی میری وجہ سے پریشانی ہو گی چنانچہ چمن سے ملنا بھی مناسب نہیں تھا۔ گویا اس وقت میرے لئے کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ اس لئے بے مصرف ہی کار میں گھومتا رہا۔

پھر ایک بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک ایسی شکل نظر آئی جسے دیکھ کر میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ امجد بھائی تھے۔ سیاہ رنگ کی ایک اسٹیشن ویگن کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اسٹیشن ویگن میں ان کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا اور اپنی کار لے جا کر ان کے نزدیک روک دی۔ اس طرح کار روکنے پر امجد بھائی نے چونک کر مجھے دیکھا اور میں نے مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھ کر سلام کر ڈالا۔ امجد بھائی کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا۔

وہ چند ساعت مجھے گھورتے رہے۔ سلام کا جواب بھی نہیں دیا تھا پھر آہستہ سے بولے۔

"اور کوئی ساتھ ہے؟"

"نہیں امجد بھائی کوئی نہیں ہے۔"

"تو پھر ایسا کرو کہ اس سڑک کے پیچھے ایک پارک ہے' وہاں کار پارک کر کے اندر آ جاؤ۔ تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" وہ بولے تو میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کار آگے بڑھا دی اور پارک میں پہنچ گیا۔

کچھ ہی دیر میں امجد بھائی کی اسٹیشن ویگن بھی میری کار کے نزدیک آ کر رک گئی تھی۔ وہ بھی گاڑی لاک کر کے نیچے اتر آئے اور میرے ساتھ چلتے ہوئے ایک درخت کے نیچے آ بیٹھے۔

"کیسے ہو؟ بہت دنوں کے بعد ملاقات ہوئی۔" انہوں نے کہا۔

"آپ سنائیے امجد بھائی۔ میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور پھر اس کے بعد انہوں نے سیٹھ جبار' طارق کی طاقت اور وسائل کی داستان چھیڑ دی ان کا نقطہ نظر یہی تھا کہ میں کسی طرح ان کی مخالفت سے باز آ جاؤں۔

"میں دل ہی دل میں ان کی سادگی پر ہنستا رہا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اب میں وہ سیدھا سادا مجبور و بے بس منصور نہیں رہا۔

KitabPk.Com

انھی کی زبانی مجھے پنی کی ہلاکت کا علم ہوا۔ جسے میری مدد کرنے کے شبے میں طارق نے قتل کر کے سمندر میں پھینک دیا تھا۔ پنی کے انجام پر میرا دل خون کے آنسو رو رہا۔ بیچاری لڑکی..... جو نہ معلوم کس جرم میں اپنی جوانی کے دن رات' طارق جیسے درندے کی بھینٹ چڑھاتی رہی۔ حتیٰ کہ اب اپنی متاع حیات بھی ہار بیٹھی تھی......

پنی کے قتل نے جہاں طارق کے خلاف میری نفرت میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہاں مجھے یہ سوچنے پر بھی مجبور کر دیا تھا کہ اب مجھے اندرون خانہ کا احوال کون بتائے گا؟"

میں چند لمحے خاموش بیٹھا رہا۔ پارک میں بچوں کے شور و غل کے باوجود مجھے چاروں طرف سناٹا محسوس ہوا۔ امجد بھائی کی آواز بھی مجھے نہیں سنائی دے رہی تھی۔ حالانکہ وہ میرے برابر بیٹھے ہوئے تھے۔

میں نہ جانے مزید کتنی دیر خیالات کے سمندر میں غوطے لگاتا رہتا کہ امجد بھائی کے جھنجوڑنے پر ہوش میں آ گیا۔

"کہاں کھو گئے منصور؟" وہ بولے۔

"کچھ نہیں امجد بھائی۔" میں نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ "بعض لمحے زندگی میں ایسے بھی آتے ہیں جب انسانوں کے سمندر میں رہتے ہوئے بھی تنہائی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ کل کے مقابلے میں آج میرے دوستوں' ہمدردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے امجد بھائی لیکن....." میں نے کندھے اچکا کر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"نہیں بیٹے۔ تم تنہا نہیں ہو۔ مجھے بتاؤ بیٹے میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟" وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔ دفعتاً میرے ذہن میں امجد بھائی سے کام لینے کا خیال بجلی کے کوندے کی طرح چمکا اور پھر میں نے کسی نہ کسی طرح انہیں اس خیال کے لئے راضی کر لیا اور اپنا فون نمبر بھی دے دیا۔ امجد بھائی اندر کے آدمی تھے۔ ویسے بھی پنی کے قتل کے بعد مجھے کوئی ایسا آدمی درکار تھا جو اپنے ہاتھ پیر بچا کر مجھے اندرون خانہ کی رپورٹیں دے سکے اور اب مجھے امجد بھائی کی شکل میں وہ قابل اعتماد ساتھی مل گیا تھا۔ میں نے مطمئن ہو کر ان سے رخصت چاہی۔

○

شیخ جمال کے جواب کا انتظار تھا اس سے قبل میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ یہ چند روز خاموشی سے گزر گئے۔ البتہ اس دوران میں' میں نے سیٹھ جبار کے لئے بہت کچھ تیار کر کے رکھا تھا۔ ایاز بدستور اینجل اور مسعود کے پیچھے لگا ہوا تھا لیکن اس نے بتایا تھا کہ اینجل اور مسعود اختر کے درمیان اور کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔

پھر وہ وقت بھی آ گیا جب مجھے شیخ جمال سے رابطہ قائم کرنا تھا۔ میں نے اس

KitabPk.Com

کے نمبر ڈائل کئے۔ وہ شاید میرا منتظر ہی تھا' فون ریسیو کرتے ہی اس نے میری آواز پہچان لی۔

"ہوں ٹھیک ہے دوست۔ مجھے تمہاری پیش کش منظور ہے۔ اب یہ بتاؤ۔ میں تمہیں یہ رقم کہاں پہنچاؤں؟"

"شیخ جمال' میں تمہاری فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ لیکن یہ سوچ لینا کہ اگر تم نے کوئی چالاکی کرنے کی کوشش کی تو اس کے بعد تمہیں جس خسارے سے دو چار ہونا پڑے گا اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر میں کوئی ایسی حرکت کروں تو تم اس کے لیے آزاد ہو گے۔" شیخ جمال نے کہا۔

"یہ رقم مجھے کب فراہم کر رہے ہو؟"

"اس وقت سے لے کر جب تم چاہو۔"

"تو پھر آج شام سات بجے ساحل سمندر پر اس جگہ پہنچ جانا جہاں عمارتوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ میں تمہیں وہاں تلاش کر لوں گا اور وہیں تمہیں فائل واپس کر دی جائے گی۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے پر مکمل اعتماد کرنا چاہیئے لیکن شرط یہی ہے کہ تم بھی اس اعتماد پر پورے اترو۔ ورنہ تمہیں نقصان بھی ہو سکتا ہے شیخ جمال۔"

"ٹھیک ہے۔ میں دھمکیاں سننے کا عادی نہیں ہوں۔ سودا کرو میری چیز مجھے واپس کرو اور اپنی چیز مجھ سے حاصل کرو اور بس۔ فضول باتوں کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

ان معاملات سے فارغ ہو کر میں احتیاطی تدابیر سوچنے لگا۔ کم از کم شیخ جمال جیسے شاطر آدمی سے تنہا ملنا بہتر نہیں تھا۔ فی الوقت میرے پاس دو آدمی تھے یعنی عظمت اور ایاز۔ میں نے ان دونوں کو اس معاملے میں شریک کرنے کا فیصلہ کیا۔ شام کو چار بجے جب ایاز آیا تو میں نے عظمت کو بھی بلوا لیا اور سارا پروگرام ان کے سامنے رکھ کر ان سے رائے مانگی۔ دونوں نے غور سے ساری تفصیلات سنیں اور میرے پروگرام سے اتفاق کیا لیکن میں نے دیکھا کہ عظمت کچھ کھویا کھویا سا ہے۔ شاید اسے انتقام کا یہ طریقہ پسند نہیں آیا تھا لیکن پھر بھی اس نے ہامی بھر لی تھی۔ چنانچہ میں نے اسے مزید مطمئن کرتے ہوئے کہا۔

"بات یہ ہے عظمت۔ ہم رقیہ کا سودا نہیں کریں گے۔ کسی قیمت پر اس کے خون کا سودا نہیں کریں گے لیکن شیخ جمال کو دوہری مار پڑنی چاہیئے۔ مسعود اختر نے رقیہ کو قتل کیا۔ شیخ جمال نے تمہیں پولیس کے حوالے کیا اور اپنی اس دولت سے اس نے اپنی اور اپنے بیٹے کی زندگی بچا لی اس دولت کا حصہ ہمیں بھی ملنا چاہیئے۔ عظمت ہمارے بھی

مسائل ہیں۔ صفیہ کی شادی' چھوٹے بہن بھائیوں کی پرورش۔ فرحت اللہ صاحب کا بہترین علاج ہونا چاہیئے۔ کیا ان تمام چیزوں کے لئے ہمیں رقم کی ضرورت نہیں؟ اور یہ رقم ہمیں شیخ جمال ہی فراہم کرے گا اور اس کے بعد اسے اپنی زندگی کے دوسروں خسارے سے دو چار ہونا پڑے گا۔ مسعود کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے اس کے گرد بھی ایک مضبوط جال بن دیا ہے اور اس پہلے قدم کے بعد میں دوسرا قدم اٹھاؤں گا' سمجھے...... یہ ہے میرا پروگرام۔ تمہیں اس میں کوئی جھول نظر آتا ہو یا اس کے کسی حصے پر اعتراض ہو تو مجھے بتاؤ؟"

"ٹھیک ہے بھیا! مجھے آپ کے پروگرام سے مکمل اتفاق ہے۔ شیخ جمال کو دوہری مار پڑنی ہی چاہیئے۔" عظمت نے کہا۔

عظمت کی بات پر میں نے اطمنان کا سانس لیا اور انہیں لے کر ساحل پر واقع ایک کاٹیج میں پہنچ گیا۔ جو لیڈی جہانگیر نے خرید کر دیا تھا۔ حالانکہ یہ کاٹیج لیڈی جہانگیر نے بہت پہلے میرے حوالے کر دیا تھا لیکن آج تک اسے دیکھنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ بہت ہی عمدہ کاٹیج تھا۔ زندگی کی تمام سہولتوں سے مزین۔

"ایاز! تم ساحل کی جانب چلے جاؤ اور کسی محفوظ مقام کا انتخاب کر لو۔ میں شیخ جمال سے تنہا ملوں گا۔ عظمت چھت سے قرب و جوار پر نگاہ رکھے گا۔ کیا خیال ہے۔ ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں ٹھیک تو ہے۔ بس اس میں ذرا سی تبدیلی کر لیں۔" عظمت نے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "میں اور ایاز یہیں رہیں گے اس عمارت کی چھت سے ہم دور تک نگاہ رکھ سکتے ہیں۔ ہمارے پاس ایک پستول ہے جس کی نہ جانے کسے ضرورت پیش آ جائے آپ ساحل پر جائیں گے اور اس کا انتظار کریں گے۔ اس طرح اگر کوئی خطرناک موقع آ گیا تو ہم دونوں مل کر کوئی موثر کارروائی تو کر سکیں گے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ ویسے مجھے امید تو نہیں کہ وہ کوئی گڑ بڑ کرے۔"

"جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ اب اس بارے میں کیا سوچنا۔" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے' تو پھر میں چلتا ہوں۔" میں نے کہا اور فائل کپڑوں میں چھپا کر باہر آ گیا۔

سات بجنے میں صرف دو منٹ تھے اور دور سے ایک جیپ اچھلتی کودتی اس طرف آ رہی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق اس میں شیخ جمال ہی کو ہونا چاہیئے تھا اور میرا یہ اندازہ غلط نہیں نکلا۔ اس نے جیپ کا انجن بند کر دیا اور نیچے اتر آیا۔ وہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا اور ہاتھ میں ایک بریف کیس دبا ہوا تھا۔ اس وقت دور دور تک ساحل پر میرے اور اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ چند لمحات کے بعد وہ میرے قریب پہنچ گیا۔

KitabPk.Com

"شیخ جمال؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔ ظاہر ہے۔ تم اپنا نام نہیں بتاؤ گے۔"

"بریف کیس کھول دو؟" میں نے کہا۔

"میری چیز لائے ہو؟"

"ہاں موجود ہے۔"

"تو پھر آؤ۔ جیپ میں آ جاؤ۔ خالی ہے بھروسہ کرو مجھ پر' جو کچھ میں نے کہا ہے غلط نہیں ہے۔" شیخ جمال نے کہا۔ میں نے ایک نگاہ جیپ پر ڈالی اور گردن ہلا کر اس کے ساتھ چل پڑا۔

ویسے میں اس کی طرف سے پوری طرح محتاط تھا۔ شیخ جمال نے بریف کیس جیپ کے بونٹ پر رکھا اور اس کے لاک کھول دیئے لیکن میں نے اس کے ڈھکن پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا مطلب؟" شیخ جمال اچھل پڑا۔

"شیخ جمال۔ اس بریف کیس میں سے پستول بھی برآمد ہو سکتا ہے۔ اس لئے ذرا سا پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں اسے خود کھول کر دیکھ لوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور شیخ جمال مجھے گھورتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے اس پر نگاہ جمائے ہوئے بریف کیس کا ڈھکن کھول کر دیکھا۔ اس میں نوٹوں کی گڈیاں جمی ہوئی تھیں۔ میں نے نیچے سے کچھ گڈیاں نکال کر دیکھیں۔ سب ٹھیک تھا۔ گڈیوں کی تعداد بتا رہی تھی کہ رقم پانچ لاکھ سے کم نہیں ہے۔ میں نے مطمئن انداز میں بریف کیس بند کر دیا اور پھر شیخ جمال کی فائل نکال کر اس کے سامنے کر دی۔ شیخ جمال نے بے صبری سے فائل لے لی تھی اور پھر وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ پوری فائل دیکھنے کے بعد اس نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے۔ شکریہ۔ رقم پوری ہے۔"

"او۔ کے شیخ جمال۔ تم جا سکتے ہو۔" میں نے کھردرے لہجے میں کہا اور وہ جیپ پر چڑھ گیا۔ میں پوری طرح محتاط تھا۔ یہ جیپ اسٹارٹ ہو کر مجھ پر چڑھ بھی سکتی تھی یا شیخ جمال جیپ میں رکھی برین گن سے مجھ پر گولیاں بھی برسا سکتا تھا لیکن شیخ جمال کاروباری انسان تھا۔ اس نے یہ بھی سوچ لیا ہو گا کہ کوئی بلیک میلر تنہا نہیں آئے گا۔ اس نے اپنی حفاظت کے لیے کچھ نہ کچھ بندوبست ضرور کیا ہو گا۔ اس کے علاوہ شیخ جمال کوئی گرا پڑا انسان نہیں تھا۔ ممکن ہے پانچ لاکھ دے کر اس نے ہمیشہ کے لیے اپنی جان چھڑا لی ہو..............

لیکن کچھ نہ ہوا۔ شیخ جمال کی جیپ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ میں اسی جگہ کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا پھر میں گہری سانس لے کر واپس پلٹا اور اسی وقت فضا میں موٹر سائیکل کے

انجن کا شور ابھرا۔ کوئی موٹر سائیکل اسٹارٹ ہوئی تھی۔ ایک کے بعد دوسری' تیسری اور پھر چوتھی.....اور آن کی آن میں چار موٹر سائیکلیں ایک عمارت کے عقب سے نکل کر میری سمت لپکیں۔ وہ اتنی برق رفتاری سے میری طرف آئی تھیں کہ میں حیران رہ گیا۔

چاروں موٹر سائیکلیں میرے گرد چکرانے لگیں.... ہیلمٹ میں چھپے ہوئے چہرے مجھے نظر نہیں آ رہے تھے۔ چند لمحات اسی طرح میرے دائیں بائیں سے نکل کر غالباً مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش کرتے رہے پھر ایک موٹر سائیکل سیدھی میری طرف آئی اور میں بمشکل تمام اچھل کر خود کو اس کی زد سے بچا سکا لیکن یہی عمل دوسروں نے بھی شروع کر دیا تھا۔ میں بریف کیس سنبھالے ان کی زد سے بچتا رہا۔ خدا جانے وہ جان بوجھ کر مجھے بچا رہے تھے یا ابھی تک ان میں سے کسی کی کوشش بار آور نہیں ہوئی تھی۔ بہرحال میں زخمی نہ ہو سکا۔ ایاز اور عظمت خاموش تھے۔ ان کی طرف سے کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی۔ نجانے ان پر کیا بیتی۔ بہرحال یہاں میرا پلان ایک طرح سے فیل ہو گیا تھا۔

چند لمحات کے بعد وہ رک گئے اور پھر ان میں سے ایک نے کرخت لہجے میں کہا۔ "زندگی درکار ہے تو سیدھے اس عمارت کی طرف چلو جس کی چھت پر روشنی نظر آ رہی ہے۔ دونوں ہاتھ بلند رکھو اور یہ بریف کیس نیچے رکھ دو۔"

میں نے توقف کیا تو دوسرے نے کہا۔ "چلو جلدی کرو۔ ورنہ دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔" صورت حال اس وقت میرے حق میں نہیں تھی۔ شیخ جمال کام دکھا گیا تھا۔ اس لئے میں نے ان کی ہدایت پر عمل کیا اور بریف کیس نیچے رکھ دیا۔

"ٹھیک ہے دوڑتے ہوئے آگے بڑھو۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" آواز آئی اور میں اس عمارت کی طرف چل پڑا جس کی چھت پر روشنی موجود تھی۔ یہ عمارت گرین ہاؤس نامی عمارت سے دور نہیں تھی۔ لیکن پہلے اس میں زندگی کے آثار نہیں نظر آئے تھے۔ بہرحال چوٹ ہو گئی تھی۔ اس لئے کچھ سوچنا ہی بے کار تھا۔

عمارت کے آہنی گیٹ سے گزر کر میں اندر داخل ہو گیا۔ چاروں موٹر سائیکلیں بھی اندر آ گئی تھیں۔ عمارت کا برآمدہ روشن تھا اور اس برآمدے میں طارق نظر آ رہا تھا۔ سفید پینٹ اور چیک کی ایک خوبصورت جرسی میں ملبوس جس کی ایک آستین خالی تھی۔

طارق کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے میرے قدم ٹھٹکے تھے لیکن پھر میں خود کو سنبھال کر آگے بڑھ گیا۔ "ہیلو طارق۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ طارق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ چاروں موٹر سائیکل سوار اس کے پاس پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک نے بریف کیس طارق کے پیروں کے پاس رکھ دیا تھا۔

شیخ جمال چلا گیا؟" طارق نے پوچھا۔

"ہاں ہاں۔ وہ جا چکا ہے۔"

"اس کو اندر لاؤ۔" طارق نے غرائی آواز میں کہا اور اندر کی طرف مڑ گیا۔

چاروں آدمی میرے گرد آ کھڑے ہوئے تھے پھر ان میں سے ایک نے مجھے اندر دھکیلا اور میں آگے بڑھ گیا۔ دروازے کے دوسری طرف ایک ہال تھا۔ ہال میں صرف ایک کرسی پڑی ہوئی تھی "تمہارے بارے میں' میں بار بار غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتا ہوں منصور! یہ میری آخری غلط فہمی تھی۔" وہ گالی دے کر بولا۔

"شاید تمہاری زندگی کی آخری غلط فہمی طارق۔ تم نے مجھے گالی دے کر میری ماں کو گالی دی ہے۔ اس کا حساب الگ سے دینا ہو گا تمہیں۔" میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"گندے کتے۔ ایک چھوٹی سی کامیابی حاصل کر کے تو خود کو خطرناک آدمی سمجھنے لگا تھا۔ اس دن میں نشے میں تھا اور اس فاحشہ کے فریب میں آ گیا تھا۔ بار بار ایسے مواقع نہیں ملتے منصور! لیکن تجھ جیسے گھٹیا نسل کے گدھوں کو اگر عقل آ جائے تو پھر ذہانت کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے۔" طارق نے بے پناہ نفرت و حقارت سے کہا۔

میرے تن بدن میں آگ سلگ رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ طارق پر ٹوٹ پڑوں لیکن اب میں اتنا کچا نہیں رہا تھا۔ جذباتی حماقتیں ہمیشہ نقصان پہنچاتی ہیں۔ اس لئے خود کو کنٹرول کر کے صورت حال کا جائزہ لینا تھا۔

"ممکن ہے طارق۔ اس بار تمہیں کامیابی ہو جائے لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم نے مجھے زندہ کیوں چھوڑ دیا۔ تمہارے آدمی ساحل پر بھی مجھے قتل کر سکتے تھے۔ یہاں تک لانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تجھے تیری اوقات کا احساس دلانا تھا۔ تیرے ان ساتھیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنی تھیں جو تیری پشت پناہی کر رہے ہیں۔ تاکہ تیری موت کے بعد انہیں بھی سزا دی جا سکے۔"

"بہت اونچے اڑ رہے ہو طارق۔ اپنی چند روز پہلے کی حالت بھول گئے۔ میرا خیال ہے نہیں بھولے ہو گے۔ بہرحال ٹھیک ہے اب کہو کیا چاہتے ہو؟"

"وہ تمام فائلیں کہاں ہیں جو تم نے پینی کی مدد سے حاصل کی تھیں۔"

"پینی کی مدد سے۔" میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ "پینی ہی سے پوچھ لو طارق۔ وہ تمہاری مدد کرے گی۔"

"اس فاحشہ کی لاش تو اب تک سمندر کی مچھلیوں کا نوالہ بن چکی ہو گی۔ تم اب تک اسی کے خواب دیکھ رہے ہو؟" طارق مسکرا کر بولا......

"اوہ۔" میں نے گہری سانس لی۔ "تو تم نے اسے قتل کر دیا؟"

KitabPk.Com

"فضول باتوں سے پرہیز کرو۔ اس جگہ کا پتہ بتاؤ جہاں تم رہتے ہو اور جہاں وہ سارے کاغذات موجود ہیں۔"

"بتا دوں گا۔ ایسی جلدی بھی کیا ہے طارق۔ ایک فائل تو شیخ جمال لے گیا ہے۔"

"ہاں۔ تمہیں تمہاری اوقات بتانے کے لئے یہ نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔ بلیک میلر بننے چلے تھے ہونہہ...... پانچ لاکھ روپے کے مالک بننا چاہتے تھے کبھی زندگی میں اتنی بڑی رقم کا تصور بھی کیا ہے؟"

"کوشش کی تھی لیکن تم درمیان میں ٹپک پڑے۔ مجھے یقین ہے شیخ جمال نے خود تم سے رابطہ قائم کیا ہو گا۔"

"میرے شکار کسی اور کے ہاتھوں مرنا پسند نہیں کرتے۔ انہیں موت بھی میری ہی دی ہوئی پسند ہے۔ شیخ جمال کو تیری بکواس پر یقین نہیں آیا تھا کیونکہ وہ مجھے جانتا ہے۔"

"میں نے ہمیشہ تمہاری برتری مانی ہے طارق! لیکن ماں اور بہن کا مسئلہ ایسا تھا کہ میں تمہارا دشمن بن گیا۔ آج بھی موقع ہے طارق۔ اگر تم مجھے ان دونوں کا پتہ بتا دو تو میں تمہارا غلام بن سکتا ہوں۔" جواب میں طارق نے مجھے ماں کی گندی سی گالی دی اور اسی وقت فائر کی آواز سنائی دی اور گولی طارق کے کان کو چھوتی ہوئی دیوار سے ٹکرائی تھی۔

طارق کے چاروں ساتھی اچھل پڑے۔ دروازے کی طرف متوجہ ہوئے تھے کہ میں نے طارق پر چھلانگ لگا دی۔ طارق سانپ کی طرح پلٹا تھا لیکن میں نے اسے موقع نہیں دیا اور اس کا اکلوتا ہاتھ موڑ کر پشت پر کر دیا۔ میں نے اس کی جیب کا وزن محسوس کر لیا تھا اس لئے دوسرے ہاتھ سے میں نے اس کی جیب میں رکھا ہوا پستول نکال لیا اور اسے طارق کی کنپٹی پر رکھتے ہوئے دھاڑا۔

"خبردار۔ اگر کسی نے جنبش کی تو یہ جہنم رسید ہو جائے گا۔" طارق اپنے اکلوتے ہاتھ کو چھڑانے کی جدوجہد کر رہا تھا لیکن کنپٹی پر رکھے پستول کو دیکھ کر وہ سہم گیا۔ اس کے ساتھی بھی ایک دم ساکت ہو گئے تھے۔ "ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" میں نے انہیں حکم دیا اور طارق کو کھینچتا ہوا ایک دیوار کے قریب لے آیا۔ اب میری پشت پر دیوار تھی اور میں عقب سے محفوظ ہو گیا تھا۔ طارق کے ساتھیوں کے ہاتھ بلند ہو گئے تھے۔ اسی وقت اس ہال کے ایک کھلے ہوئے روشندان سے ایک جسم برآمد ہوا اور دبلا پتلا ایاز تقریباً چودہ فٹ کی بلندی سے نیچے کود آیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول موجود تھا اور چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ دروازے سے عظمت بھی اندر گھس آیا تھا۔ عظمت نے برق رفتاری سے ان چاروں کو نہتا کر دیا جو ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے۔ ان کے پستول عظمت نے قابو میں کر لئے تھے......

"چلو۔ تم اس دیوار سے چپک کر کھڑے ہو جاؤ۔ کسی نے جنبش کی تو گولی مار دوں گا۔" عظمت کی غراہٹ ابھری لیکن پلٹتے ہوئے دفعتاً ان میں سے ایک نے عظمت کی ٹانگوں میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کی۔ عظمت تو دھوکا کھا گیا تھا لیکن ایاز کے پستول سے نکلی ہوئی گولی نے اس کے بھیجے میں سوراخ کر دیا اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ بقیہ تینوں خوف کے مارے دیوار سے چپک گئے تھے عظمت نے پستول کے دستے ان کے سروں پر مار کر ان کے سر پھاڑ دیئے اور وہ دہشت زدہ آوازیں نکالتے ہوئے ڈھیر ہو گئے۔ طارق کو بھی کپکپی چڑھ گئی تھی۔ اسے اچانک بدل جانے والی صورتحال کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔

عظمت نے گرے ہوئے لوگوں کے سروں پر مزید ضربیں لگا کر انھیں حرکت کرنے کے قابل نہ چھوڑا اور سب لمبے ہو گئے۔ تب میں نے طارق کو آگے بڑھایا اور اس کی کمر پر زور دار لات رسید کر دی۔ طارق لہراتا ہوا آگے بڑھا تو ایاز نے اسے سنبھال کر ایک زور دار گھونسہ اس کے جبڑے پر رسید کر دیا۔ وہ چاروں شانے چت گر پڑا۔

"ذلیل کتے۔ تو نے میری ماں کو گالی دی تھی۔ تو نے میری ماں کی شان میں گستاخی کی تھی۔" ایاز نے اپنا جوتا طارق کے منہ پر رکھا اور زور سے اس کا منہ رگڑ دیا۔ طارق کے ہونٹ اور ناک بری طرح زخمی ہو گئے۔ شاید اس کے سامنے کے دانت بھی ٹوٹ گئے تھے۔ وہ اوندھا ہو کر خون تھوکنے لگا۔ اس کے حلق سے کراہیں بھی نکل رہی تھیں۔

"میں اس کا قصہ پاک کر دوں چیف؟" ایاز بے حد غضب ناک ہو رہا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے روک دیا۔

"نہیں ایاز۔ ابھی نہیں۔ یہ بے حد مغرور ہے۔ خود کو بہت کچھ سمجھتا ہے۔ اسے زندہ رہنے دو تاکہ اس کے سرپرست اس کی بگڑی ہوئی شکل دیکھ سکیں اور یہ اپنی حالت پر غور کر سکے۔ سنو طارق! اگر تم زندہ رہو تو اس بات کو یاد رکھنا کہ تمہیں میری ماں اور بہن کو میرے حوالے کرنا ہے۔ اگر تم مجھے اب بھی ان کا پتہ بتا دو تو میرے اور تمہارے درمیان دشمنی ختم ہو سکتی ہے۔ دوسری صورت میں اگر تم دنیا کے آخری گوشے میں بھی جا چھپو تو ایک دن میں تمہیں تلاش کر لوں گا اور تمہیں میری ماں اور بہن کا پتہ بتانا ہوگا۔ میں نے تم سے کہا تھا طارق کہ دوسری ملاقات پر میں تمہیں آنکھوں سے محروم کر دوں گا۔ تم جانتے ہو اس وقت میرے لئے یہ کام مشکل نہیں ہے لیکن میں تمہیں ایک اور موقع دے رہا ہوں۔ بتاؤ میری ماں اور بہن کہاں ہیں؟"

طارق اب زمین پر دونوں ہاتھ ٹکائے ہوئے خون تھوک رہا تھا۔ وہ بار بار اس طرح آنکھیں پھاڑ رہا تھا جیسی اس کی بینائی چلی گئی ہو۔ دفعتاً ایاز نے جیب سے چاقو نکال لیا اور طارق کی سر پر پہنچ گیا۔

"جواب دو طارق۔ وہ دونوں کہاں ہیں۔ جواب دو۔" اس نے چاقو کی نوک

KitabPk.Com

طارق کی گدی میں چبھو کر کہا۔ "میں تمہیں بے ہوش نہیں ہونے دوں گا۔ جواب دو۔ جواب دو۔" ایاز جذباتی ہو رہا تھا۔ "تم بے ہوش نہیں ہو سکتے کتے۔ تم بے ہوش نہیں ہو سکتے۔" دفعتاً ایاز نے طارق کے کان پر چاقو پھیر دیا اور طارق کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکل گئی۔ وہ ماہئی بے آب کی طرح تڑپنے لگا اور چند ساعت کے بعد ساکت ہو گیا۔

ایاز نے اس کا گریبان پکڑ کر اسے اٹھایا لیکن وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ "یہ زندہ ہے بھیا۔ میں اسے لے جاؤں گا اور اس وقت تک اسے نہیں چھوڑوں گا جب تک یہ زبان نہیں کھولے گا۔" وہ کہنے لگا۔

"ابھی نہیں ایاز۔ ہم اسے زندہ رکھیں گے۔ یہ سیٹھ جبار کے لئے ہمارا چیلنج ہے۔ پہلے یہ ایک ہاتھ سے محروم ہوا تھا۔ یہ اس کے لئے دوسرا سبق ہے۔ سیٹھ جبار کو بھی اس کی کہانی سے لطف اندوز ہونے دو۔ اس دن کا انتظار کرو جب یہ سب مجھے میری ماں اور بہن کا پتہ بتانے کے لئے بے چین ہوں گے۔ وہ وقت ضرور آئے گا جب یہ انھیں لے کر خود ہمارے سامنے آئیں گے مجھے یقین ہے۔" میں نے ایاز کو ٹھنڈا کیا اور پھر ہم نے وہاں اپنی موجودگی کے نشانات صاف کیے اور وہاں سے واپس چل پڑے۔ بریف کیس ایاز نے اٹھا لیا تھا۔

راستے میں ایاز نے تفصیل بتائی۔ "ہم لوگوں نے دیر میں انھیں دیکھا تھا۔ اس وقت جب طارق کے ساتھی موٹر سائیکلیں اسٹارٹ کر کے آپ کی طرف دوڑے تھے۔ طارق اس وقت ان کے ساتھ تھا اور پھر وہ انھیں ہدایات دے کر اس مکان میں آیا تھا۔ اس نے جو ہدایات دی تھیں وہ ہمارے لئے تسلی بخش تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ منصور کو کوئی نقصان نہ پہنچے، بس اسے پکڑ کر یہاں لے آؤ لیکن اچھی طرح خوفزدہ کرنے کے بعد۔ یہ تو ہم نہیں جانتے تھے منصور بھیا کہ وہ لوگ آپ کو کس طرح خوفزدہ کریں گے لیکن یہ خیال تھا کہ بالآخر وہ آپ کو لے کر یہاں آئیں گے۔ چنانچہ ہم نے یہاں پر انتظامات کر لئے تھے۔ اس سلسلے میں ہم نے ہر ممکن کوشش یہ کی تھی کہ اپنے دشمنوں پر حاوی رہیں۔" ایاز نے کہا۔

"یہ واقعی سمجھ داری کی بات تھی ایاز۔" میں نے تحسین آمیز انداز میں کہا۔ عظمت خاموش خاموش سا تھا۔ بہر صورت تھوڑی دیر کے بعد ہم واپس اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔

میں نے ماحول میں شگفتگی پیدا کرنے کی غرض سے ایسے ہی کچھ ہنسنے ہنسانے والی باتیں کیں۔ حسینہ سے کھانا لگانے کے لئے کہا اور حسینہ آنکھیں مٹکاتی ہوئی چلی گئی۔ کھانے کی میز پر میں دونوں سے پرمزاح باتیں کرتا رہا۔

○

میں نے شیخ جمال کو فون کیا۔ فون اس نے ریسو کیا تھا۔

"کون بول رہا ہے؟"

"وہ جسے اپنی دانست میں تم نے بھرپور چوٹ دی تھی۔ بدنصیبی انسان کو ضرورت سے زیادہ ذہین بنا دیتی ہے شیخ صاحب! اور ضرورت سے زیادہ ذہین ہونا اتنی اچھی بات نہیں ہے۔ آپ نے اپنی فائل چیک کر لی۔ کوئی ایسی چیز رہ تو نہیں گئی جو آپ کے لئے الجھن کا باعث ہو؟"

"نن نہیں۔" شیخ جمال نروس محسوس ہوتا تھا۔

"گویا میں نے دیانت داری سے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور آپ نے؟" میں نے سوال کیا اور شیخ جمال میرے اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ "آپ نے طارق کو اطلاع دے دی۔ حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ طارق میرے ہاتھوں زک اٹھا چکا ہے اور وہ اس اطلاع سے پورا فائدہ اٹھائے گا۔ گویا آپ نے میری موت کا سامان کیا تھا۔ بڑی گہری چال چلی تھی آپ نے۔"

"میں اس کے لئے مجبور تھا۔" شیخ جمال کی آواز بدل گئی۔ اب اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

"خیر مجھے آپ کی مجبوری سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہاں سزا کے طور پر میں آپ پر بیس لاکھ روپے جرمانہ کرتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"بیس لاکھ روپے تاوان کے طور پر ادا کر دیں۔ کب اور کہاں، مجھے اسی وقت بتا دیں۔"

"شاید تمہارے دماغ پر چوٹ آئی ہے۔ تم صحیح الدماغ تو نہیں لگ رہے۔"

"یہ بھی ممکن ہے شیخ جمال۔ رقم کی ادائیگی کب ہو رہی ہے؟"

"یوں کرو کسی وقت میرے دفتر آ جاؤ۔ دو چار گواہوں کی موجودگی میں یہ رقم تمہارے حوالے کروں گا تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔" شیخ جمال نے ہنس کر کہا۔

"بہت خوش ہو شیخ جمال! یہ بھول گئے کہ فائل میرے ہاتھوں تم تک پہنچی ہے۔ طارق کبھی ایسا نہ کرتا۔"

"مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہے۔ اب تم میرے خلاف کوئی ثبوت نہیں رکھتے۔ اگر تم نے ان کاغذات کی فوٹو اسٹیٹ بھی رکھ لی ہے تو وہ بے حقیقت ہے۔ اب شیخ جمال

KitabPk.Com

اتنا چوہا بھی نہیں ہے۔"

"تب وقت کا انتظار کرو۔ میں بہت جلد تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا ہو۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ احتیاطاً میں نے ایک پبلک کال بوتھ سے فون کیا تھا۔

گھر واپس آ کر میں نے دوسرا قدم اٹھایا۔ یعنی وہ لفافہ سیٹھ جبار کو پوسٹ کر دیا جس میں اینجل اور مسعود اختر کی تصویریں تھیں۔ اس کے ساتھ ایک خط بھی منسلک کر دیا۔

اسی رات عظمت اور ایاز کے سامنے میں نے اپنی اس کارکردگی کا اظہار کیا۔ میں نے عظمت سے کہا۔

"عظمت میں نے تمہارے کام کی ابتدا کر دی ہے، مسعود اختر کو ہم بھی سڑک پر گولی مار کر ہلاک کر سکتے تھے لیکن دلچسپ بات یہ ہو گی کہ اب شیخ جمال اور سیٹھ جبار میں ٹھن جائے گی۔ یقیناً سیٹھ جبار، شیخ جمال سے اس بارے میں گفتگو کرے گا اور ڈرامہ مکمل ہو جائے گا۔ ہم لوگ انتظار کریں گے کہ شیخ جمال پر کیا رد عمل ہوتا ہے۔ اگر بہت ہی برا آدمی ہے اور ٹال جاتا ہے اس بات کو تو پھر دوسری چال چلی جائے گی۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تم میری اس کارروائی سے مطمئن ہو یا نہیں؟"

"میں تو حیران ہوں۔ آپ نے خوب سوچا اور تقدیر نے آپ کو یہ موقع بھی فراہم کیا۔"

"ہاں عظمت اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حالات اب بدلتے جا رہے ہیں، ہمیں جہاں جہاں الجھنیں پیش آ رہی تھیں وہاں اب ہمارے لئے الجھنیں باقی نہیں رہیں لیکن ابھی کوئی ٹھوس قدم اٹھایا نہیں جا سکا۔ اس کے لئے ہمیں انتظار کرنا ہو گا۔" پھر ایاز سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ "تمہارے اس استاد نے تو میری گردن میں ایک بہت بڑا پھندا ڈال دیا ہے۔"

"کیا مطلب بھیا؟"

"میں چمن کی بات کر رہا ہوں۔"

"ہاں ہاں میں سمجھ گیا۔" ایاز نے کہا اور میں نے ایاز کو چمن سے گفتگو کی تفصیل بتا دی۔ ایاز کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "چمن کے بارے میں آخری بات تو شاید کوئی بھی نہیں کہہ سکتا لیکن وہ ٹھنڈی طبیعت کا آدمی ہے۔ ممکن ہے اس کے ذہن میں کوئی خاص ہی پروگرام ہو، میرا مطلب یہ ہے کہ اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ اس نے امی اور فریدہ کے بارے میں کہیں سے کوئی سن گن پائی ہو اور آپ کو اسی سلسلے میں روانہ کرنا چاہتا ہو۔ حتمی طور پر اس نے آپ کو یہ بات اس لئے نہیں بتائی ہو گی کہ ممکن ہے کہ افواہ غلط ہو، میں اس کی فطرت کے تحت ایسا کہہ رہا ہوں۔"

وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔" ایاز کی بات پر میں سوچ میں ڈوب گیا۔ چمن کی باتیں میرے ذہن میں چکرا رہی تھیں لیکن ان سے کہیں اس بات کا اظہار نہیں ہوتا تھا کہ ایسا کوئی خیال چمن کے ذہن میں ہے تاہم میں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا۔ اس لئے اس وعدے کو نباہنا ضروری تھا۔ اس سے پہلے ایاز اور عظمت کے لئے کوئی بہتر بندوبست کرنا بھی ضروری تھا۔ لیڈی جہانگیر سے ملاقات کر کے اسے اس بارے میں بتانا تھا۔ ایاز اور عظمت گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے پھر ایاز نے پر خیال انداز میں کہا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ مجھے بھی آپ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دے؟"

"ناممکن تو نہیں ہے ایاز لیکن مناسب نہ ہو گا۔"

"کیوں بھیا؟"

"یہاں کے معاملات کون سنبھالے گا۔ لیڈی جہانگیر کی حفاظت بھی ضروری ہے اور پھر ممکن ہے کسی طور امی اور فریدہ کے بارے میں کچھ معلوم ہو جائے۔ اگر یہاں کوئی نہ ہو گا تو....."

"ہاں یہ بات تو ہے۔" ایاز نے کہا۔ میرے سمجھانے کے انداز سے وہ سمجھ گیا تھا۔ عظمت نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ تب میں نے عظمت سے کہا۔

"شیخ جمال کا مسئلہ اس دوران میں حل ہو جائے گا عظمت! مسعود اختر کو اگر اس کے کئے کی سزا نہ ملی تو ہمارے پاس یہ حق محفوظ ہے۔ شیخ جمال سے حاصل کی ہوئی آدھی رقم تمہاری ہے۔ میں تمہارا اکاؤنٹ کھلوا دوں گا۔ تمہاری طرف کوئی متوجہ نہیں ہے۔ اس لئے تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ گھر والوں کی بہتری کے لئے جس طرح چاہو خرچ کرو لیکن میری ایک درخواست ہے تم میرے ساتھ رہو۔ اس دنیا کو دیکھ رہے ہو۔ یہاں صرف دو ہی طبقے رہتے ہیں۔ ظالم اور مظلوم۔ جو ظالم نہیں ہوتے وہ مظلوم ہوتے ہیں۔ لوگ شرافت کو تسلیم نہیں کرتے اس لئے مجبوری ہے۔ ہمیں وقت کی ضرورت کے مطابق زندہ رہنا ہو گا۔ میں چاہتا ہوں تم بدستور لیڈی جہانگیر کے ساتھ رہو۔ اسی حیثیت سے رہو۔ اس وقت تک جب کوئی اور تبدیلی رونما نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی لیکن ایک بات پر مجھے اعتراض ہے۔ میں اس رقم کا حق دار نہیں ہوں۔"

"پھر اس کا حق دار کون ہے عظمت۔ کیا ہو گا اس رقم کا۔ اس کا مصرف بتاؤ۔" میں نے پوچھا اور پھر کافی رد و قدح کے بعد وہ تیار ہو گیا۔

امجد بھائی کا فون ملا تو مجھے پتہ چلا کہ طارق لندن جا چکا ہے۔ سیٹھ جبار کی بے چینی کا بھی پتہ چلا۔ امجد بھائی نے کافی کام کیا تھا انہوں نے بھابی کو بھی اندر کی سن گن لینے کے لئے لگا دیا تھا۔ پھر میں نے کچھ ہدایات دے کر فون بند کر دیا۔

"ہوں۔" ریسیور رکھنے کے بعد میں نے گہری سانس لی تو طارق اس فیلڈ سے آؤٹ ہو گیا۔ لنڈن چلا گیا۔ خیر جائے گا کہاں، ایک نہ ایک دن ضرور واپس آئے گا۔

امجد بھائی کا فون دوسرے دن صبح ہی صبح موصول ہوا تھا۔ انہوں نے سنسنی آمیز لہجے میں بتایا۔ "تمہاری پیش گوئی بالکل درست نکلی منصور رات کو خاصے خراب حالات تھے۔ صحیح تفصیل تو معلوم نہیں ہو سکی لیکن بیگم صاحب اور اینجل بری طرح رو رہی تھیں اور سیٹھ جبار شدید غصے میں تھے۔ اینجل کو ایک کمرے میں قید کر دیا گیا ہے۔"

"ان لوگوں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی یہ بالکل نہیں معلوم ہو سکا؟"

"نہیں بھئی بہت مشکل کام تھا۔ بند کمرے میں یہ سارا ہنگامہ ہوا تھا۔ مگر مجھے بتاؤ گے نہیں مسئلہ کیا تھا؟"

"نہیں امجد بھائی۔ فی الوقت نہیں لیکن اگر آپ ضرورت محسوس کریں تو مجھے ضرور فون کریں۔" میں نے کہا اور امجد بھائی نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

طارق کا کھیل فی الوقت ختم ہو گیا تھا۔ اب کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس لئے میں تیار ہو کر باہر نکل آیا اور نہایت اطمینان کے ساتھ لیڈی جہانگیر کے دفتر میں داخل ہو گیا۔ ان کے دروازے کا چپراسی موجود نہیں تھا ورنہ شاید انہیں میری آمد کی اطلاع مل جاتی۔ مجھے اپنے سامنے دیکھ کر لیڈی جہانگیر ششدر رہ گئی تھیں۔

میں نے انہیں اب تک رونما ہونے والے تمام واقعات کی تفصیل بتا دی اور جب انہیں چمن کے پروگرام کے بارے میں بتایا تو وہ چونک اٹھی۔

"چمن کہاں بھیج رہا ہے تمہیں؟"

"بس مجھے اسمگلنگ کا کچھ مال لے کر سفر کرنا ہے۔ جہاں جہاں بھی جانا ہو۔ میں نے ابھی اس بارے میں تفصیلات نہیں پوچھیں۔"

"واپسی میں کتنا عرصہ لگ جائے گا؟"

ایک ڈیڑھ ماہ۔"

"کیا تم یہ پروگرام ملتوی نہیں کر سکتے؟" لیڈی جہانگیر نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں نے وعدہ کر لیا ہے گل۔" میں نے کہا اور وہ خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر تفکرات کے سائے لرزاں تھے پھر اس نے تشویش سے پوچھا۔ "اور اگر خدا نخواستہ تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے تو؟"

"نہیں گل۔ یقین رکھو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔"

لیڈی جہانگیر کے چہرے پر جو خوشی نمودار ہوئی تھی وہ ختم ہو گئی تھی۔ میرے جانے کے خیال سے وہ بہت افسردہ تھی۔ بہرحال دوپہر کا کھانا ہم نے ساتھ کھایا۔ شام کو چار بجے میں گھر واپس آیا تو ایاز موجود تھا۔ اس نے بتایا کہ چمن کا فون آیا تھا۔ اس نے کہا ہے

کہ اسے فون کر لوں۔

میں فون کی طرف بڑھ گیا۔ چمن فون پر مل گیا تھا۔

"مجھے تمہارے فون کا انتظار تھا۔ تغلق خان سے تو مڈبھیڑ نہیں ہوئی؟"

"نہیں۔ کوئی خاص بات؟"

"گروہ بنا رہا ہے۔ جیل توڑی ہے اس نے پچھلی رات۔ سزائے موت کے چند قیدیوں کو لے اڑا ہے۔ اب ان کی پرورش کرے گا اور ان سے کام لے گا۔ ایسے لوگ بہترین ساتھی ہوتے ہیں۔ ویسے ابھی تک تمہاری تلاش میں ہے۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں لیکن چمن اگر واقعی کبھی حالات خراب ہو گئے تو مجبوراً مجھے بھی اپنا بچاؤ کرنا پڑے گا نتیجہ کچھ بھی ہو۔"

"ایسے وقت سے بچنا منصور۔ ایسا نہ ہو تو بہتر ہے۔ ویسے اس کی آمد پراسرار ہے میرے لئے۔ ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔"

"یہ تم ہی معلوم کر سکتے ہو چمن۔"

"معلوم کر لوں گا لیکن وہ مجھ سے بھی بگڑ گیا ہے مجھے یقین ہے تمہاری تلاش میں اس کے آدمی میرے اڈے کی نگرانی بھی کر رہے ہوں گے۔"

پھر میں نے اسے طارق سے مڈبھیڑ کے بارے میں ساری تفصیل بتائی۔

"ہوں۔ بڑی گرم خبر سنائی ہے تم نے۔ ویسے میرے کام کے لئے تو تیار ہو؟"

"ہاں چمن۔ میں وعدہ کر چکا ہوں۔"

"میں تیاریوں میں مصروف ہوں۔ ٹھیک انیس تاریخ کو تمہیں یہاں سے روانہ ہونا ہے۔ او۔ کے خدا حافظ۔" چمن نے کہا اور فون بند کر دیا۔

دوسرے دن ایاز نے مجھے جھنجوڑ کر جگایا تھا۔ وہ بہت پرجوش نظر آ رہا تھا۔ میں اٹھ گیا۔ "یہ.... یہ اخبار چیف۔ یہ خبر پڑھو۔" ایاز نے اخبار میرے سامنے کر دیا۔ اخبار کی سرخی پر نظر پڑتے ہی میں اچھل گیا۔

"مشہور صنعت کار شیخ جمال کے جواں سال صاحبزادے مسعود اختر کی کار کے حادثے میں ہلاکت۔ کسی نامعلوم گاڑی نے ٹکر مار کر مسعود اختر کی کار کے پرخچے اڑا دیئے۔"

اس کے بعد پوری خبر تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ کل شام ایک سنسان سڑک پر مسعود اختر کار کے حادثے میں ہلاک ہو گئے۔ اس گاڑی کا کوئی پتہ نہیں چل سکا جس سے حادثہ ہوا تھا خیال ہے کہ وہ کوئی بھاری گاڑی ہو گی ورنہ اس خوفناک حادثے کے بعد اس کا بھی وہاں موجود ہونا ضروری تھا۔ پولیس تفتیش کر رہی تھی۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پولیس تو خیر قیامت تک اس گاڑی کا پتہ

KitabPk.Com

نہیں چلا سکتی جس نے مسعود اختر کی کار کو ٹکر ماری ہے لیکن ہمارا فرض ہے کہ ہم شیخ جمال کو اطلاع دے دیں کہ مسعود اختر کو سیٹھ جبار نے قتل کر دیا ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مسعود اختر سیٹھ جبار کی بیٹی سے عشق کرنے لگا تھا........

دن کے گیارہ بجے تھے جب عظمت جنگلی بیل کی مانند دندناتا ہوا گھس آیا۔ اس کا چہرہ جوش مسرت سے سرخ ہو رہا تھا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم مل گئے بھیا! میں راستے بھر سوچتا آیا تھا کہ کہیں تم نکل نہ گئے ہو۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔

"خیریت عظمت۔ خیریت تو ہے؟" میں نے مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔ میں عظمت کے اس جوش کی وجہ سمجھتا تھا۔

"اخبار۔ ذرا اخبار تو دیکھو۔ اس نے اپنے لباس میں چھپا ہوا اخبار نکال کر میری طرف بڑھایا اور اسی وقت اس کی نگاہ میرے قریب رکھے ہوئے اخبار پر پڑی اور اس کے جوش میں کمی واقع ہو گئی۔" تو...... تو تم دیکھ چکے ہو وہ خبر۔" وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہاں.......... اور تمہارے دشمن کے کیفر کردار تک پہنچ جانے پر تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مگر ہم ابھی اسے معاف نہیں کریں گے عظمت! ابھی تو اسے کرب کے بے شمار مراحل سے گزرنا ہو گا۔ اس کا جرم اتنا معمولی نہیں تھا۔ سیٹھ جبار کا اور اس کا مسئلہ ابھی آگے بڑھنا چاہئے۔ میں اور ایاز اسی کے انتظامات کر رہے تھے۔ آؤ میں تمہیں تفصیل بتاؤں۔"

اور میں نے عظمت کو اینجل اور مسعود اختر کی تصویریں دکھائیں پھر مختصراً اسے تفصیل بتا کر بولا۔ "سیٹھ جبار بڑا شاطر ہے۔ شطرنج پر اس کی چالیں غیر جذباتی ہوتی ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ مسعود اختر پر براہ راست وار کرتا یا شیخ جمال سے رابطہ قائم کر کے اسے کسی قسم کی دھمکی دیتا اس نے خاموشی سے راستے میں آنے والی گندگی صاف کرا دی۔ انسانی زندگی کی اس کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں ہے اور وہ اپنے راستے میں آنے والوں کو گھاس کوڑے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔"

عظمت متحیرانہ انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔ "مگر تم نے بھی خوب گیم دکھایا۔ بڑی گہری چال چلی تھی تم نے بھیا! جسے وہ گھاگ چالباز بھی نہ سمجھ سکے۔"

"وقت نے یہی سکھایا ہے عظمت! کسی کو زہر دے کر نہ مارو بلکہ میٹھی گولیاں دے کر مارو۔ اسی میں کامیابی ہے۔ تم جوش جذبات میں شیخ جمال یا اس کے بیٹے کو قتل کر دیتے۔ سب کا خیال سو فیصد تمہاری طرف جاتا کیونکہ تم جیل سے رہا ہوئے تھے اور تمہاری اور شیخ جمال کی دشمنی اظہر من الشمس بھی تھی۔ چنانچہ تم گرفتار ہو جاتے یا بقیہ زندگی ایک مفرور کی حیثیت سے گزارتے۔"

عظمت نے گردن جھکا لی۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "زندگی

ایسے ہی بے پناہ مسائل کا مجموعہ ہے عظمت! اس سے جنگ کرنی ہوتی ہے۔ خود کو اس جنگ کے لئے تیار کرو۔ اس جنگ کے لئے بہت ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ گزرے ہوئے وقت کو بھول جانا بہتر ہو گا۔"

"میں اب ٹھیک ہوں منصور بھیا! اور آپ کی رہنمائی کا طالب ہوں۔"

"تمہارے علم میں لا چکا ہوں عظمت! کہ کچھ روز کے لئے ملک سے باہر جاؤں گا وقت کا تعین نہیں کر سکتا کہ کب تک واپسی ہو۔ اس دوران میں تم بدستور لیڈی جہانگیر کے ساتھ رہو۔ واپس آنے کے بعد سوچیں گے کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔"

"ٹھیک ہے۔" عظمت نے گردن ہلا دی۔

"شیخ جمال کی کیفیت نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ بہرحال میں نے دوسرے مرحلے کی تیاریاں مکمل کر لیں۔ اینجل اور مسعود اختر کی تصویروں کا ایک پیکٹ تیار کر کے شیخ جمال کے نام پوسٹ کر دیا اور اسی شام ٹیلی فون پر اس سے رابطہ قائم کیا۔ دوسری طرف سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔ "جی۔ فرمائیے۔ کون صاحب ہیں؟"

"شیخ جمال صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بیٹے کے قاتل کے بارے میں سمجھے..........."

"کیا مطلب؟"

"مطلب شیخ جمال ہی کو بتایا جا سکتا ہے۔ جاؤ شیخ جمال سے کہہ دو کہ اگر مسعود اختر کے قاتل کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہیں تو مجھ سے بات کریں۔"

"جناب اگر ایسی کوئی بات ہے تو....." سیکرٹری نے کہا۔

"مسٹر سیکرٹری۔ بیس سیکنڈ کے اندر شیخ جمال صاحب سے بات ہو گئی تو ٹھیک ہے ورنہ میں فون بند کر دوں گا۔"

"ہولڈ آن پلیز۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ شیخ جمال شاید اسی کمرے میں موجود تھا جہاں سے بات ہو رہی تھی۔ چنانچہ چند لمحات کے بعد اس کی آواز سنائی دی۔

"کون..... کون؟" شیخ جمال کے لہجے میں اضطراب تھا۔

"تم مجھے بھی بھول گئے شیخ جمال۔ پانچ لاکھ میرے ہی قبضے میں آئے تھے لیکن تم میری ہمدردیاں کھو بیٹھے۔"

"آہ۔ تو کیا تم نے ہی؟ تم نے ہی!"

"نہیں شیخ جمال۔ میں ایسے گھٹیا کام نہیں کرتا...... تم نے دھوکا دہی کی تھی۔ انتقام بھی تم سے لیا جاتا۔ مسعود اختر سے مجھے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ ہاں وہ زد میں آ گیا۔"

"کیا مطلب؟"

KitabPk.Com

"اس کا کھیل دوسرا تھا۔ سیٹھ عبد الجبار کو جانتے ہو؟"

"ہاں سیٹھ جبار کو کون نہیں جانتا۔"

"تمہارے بیٹے سے عشق چل رہا تھا اس کی بیٹی کا۔ ہمیں تو ایسی آسامیوں کی تلاش رہتی ہے۔ ان دونوں کی تصاویر سیٹھ جبار کو بھجوا دی گئی تھیں لیکن سیٹھ جبار سے یہ توقع نہ تھی۔"

"کیا مطلب؟" شیخ جمال کی آواز لرز گئی۔

"اس کی فیکٹری کے ایک ٹرک نے مسعود اختر کا کھیل ختم کر دیا۔ ظاہر ہے اس کی سزا وہ اپنی بیٹی کو کیسے دے سکتا تھا۔"

"بکواس۔ جھوٹ۔ یہ ناممکن ہے۔"

"ان دونوں کی تصاویر کا ایک پیکٹ میں نے تمہارے پاس بھی بھجوا دیا ہے دس لاکھ روپے کا مطالبہ کیا ہے میں نے سیٹھ جبار سے۔ جو بہرحال میں اس سے وصول کر کے رہوں گا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"آہ۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ ذلیل انسان بکواس کر رہے ہو۔ اگر ایسی بات ہے تو دس لاکھ روپے میں تمہیں ادا کروں گا۔ ان تصاویر کو شائع کرا دو۔ ملک کے کونے کونے میں پھیلا دو لیکن ٹھہرو ابھی نہیں۔ تم مجھے کل فون کرنا۔ میں اس کمینے سے بات کر لوں۔ قصور اس کی بیٹی کا بھی تو تھا۔"

"ٹھیک ہے شیخ جمال مجھے دس لاکھ کی ضرورت ہے۔ تم دو یا سیٹھ جبار۔ میں تمہیں دوبارہ فون کروں گا۔" میں نے فون بند کر دیا اور ٹیلی فون بوتھ سے باہر نکل آیا۔

صرف یہ فون کرنے آیا تھا۔ کیونکہ اتنا خطرناک فون گھر سے نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اپنا کام کر لیا تھا۔ رہی دس لاکھ کی بات تو میں اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ سیٹھ جبار سے ملیں گے اور نہ شیخ جمال سے۔ بلکہ اب دس لاکھ کا لالچ ان دونوں خطرناک انسانوں کو اپنے پیچھے لگانے کے مترادف تھا۔ اس لئے اس تصور کو بھی میں نے ذہن سے نکال دیا تھا اور اب اس فون کے نتیجے کا انتظار تھا۔

کئی دن گزر گئے کوئی خاص بات نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ امجد بھائی نے بھی فون نہیں کیا۔ مین خود ایسی کوئی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے خاموشی اختیار کی اور پھر ایک شام چمن کا فون ملا جو میں نے ہی ریسیو کیا تھا۔

"چمن بول رہا ہوں۔ تمہارا دیا ہوا وقت پورا ہو چکا ہے۔"

"مجھے یاد ہے۔"

"میں نے تمام تیاریاں مکمل کر لی ہیں۔ صرف تمہاری طرف سے انتظار ہے۔"

"میں تیار ہوں چمن! جب کہو گے چلا جاؤں گا۔"

"تب میں تمہارے پاس آ رہا ہوں۔"

"او کے۔ آ جاؤ۔" میں نے جواب دیا اور چمن نے فون بند کر دیا۔ میں دیر تک ریسیور ہاتھ میں لئے سوچتا رہا تھا۔ چمن کی اس پیش کش سے میں بہت الجھ رہا تھا۔ ملک سے باہر جانے کو قطعی دل نہیں چاہتا تھا لیکن چمن نے مجھ پر احسان کیا تھا۔ واقعی بڑے آڑے وقت میں وہ میرے کام آیا تھا۔ میری یہ آزادی اسی کی رہین منت تھی اور اس کے بعد اس نے مجھے جو سہولتیں فراہم کی تھیں انہوں نے میری زندگی میں اعتماد پیدا کیا تھا۔ اس لئے میں اس کی بات رد نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ خیال بھی کئی بار ذہن میں آیا تھا کہ ممکن ہے ملک سے باہر نکل کر ای اور فریدہ کے سلسلے میں کوئی کامیابی ہو جائے۔ یہاں تو میں ان کی تلاش سے مایوس ہی ہو چکا تھا......

چمن مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ میں نے خوشدلی سے اس کا استقبال کیا تھا۔ مجھ سے مصافحہ کرنے کے بعد وہ بیٹھ گیا۔

"اور منصور۔ کیسے مزاج ہیں؟ مصروفیات ختم ہو گئیں تمہاری؟"

"ہاں۔ بس مصروفیات کیا تھیں۔ دل کو بہلانے کی کوششیں تھیں ہر لمحے ایک احساس ذہن میں رہتا ہے چمن! ممکن ہے کہیں سے کوئی اطلاع مل جائے۔ کہیں سے کئی خط آ جائے۔"

"میری دلی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں منصور! بلکہ یقین کرو میری پیش کش میں ایک نظریہ یہ بھی ہے بس ایک موہوم سی امید ہے ممکن ہے باہر کی دنیا میں تمہیں ان کے بارے میں کچھ معلوم ہو جائے۔"

"کاش ایسا ہو سکے۔"

"ہمت سے کام لو منصور۔ میں نے جو کچھ سوچا ہے' بے مقصد ہی نہیں ہے۔ ایک منصوبہ ہے میرے ذہن میں جس کی ابتدا کر رہا ہوں۔ ابھی تمہیں اس کی تفصیل نہیں بتاؤں گا اور براہ کرم اس پر اصرار مت کرنا۔ بہرحال صرف اتنا کہوں گا کہ یہ تمہارے مفاد میں ہے۔ یہ بتاؤ کب تک روانہ ہو سکتے ہو؟"

"اب یہ تم پر منحصر ہے چمن۔"

"میری طرف سے تو زیادہ سے زیادہ پرسوں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔"

"بس تو کل دوپہر تک تم اپنی تمام تر ضروریات سے فارغ ہو جاؤ اور دو بجے میرے پاس پہنچ جاؤ۔ اس کے بعد تم میری تحویل میں رہو گے۔"

"ٹھیک ہے۔ بس ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

KitabPk.Com

"ایاز کو ساتھ رکھنے کی اجازت دے دو۔" میں نے کہا اور چمن چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں ایک پرخیال سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اور پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"ضروری سمجھتے ہو؟"

"اگر تمہاری اجازت مل جائے تو مجھے خوشی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے تمہاری مرضی۔ مگر پھر اسے بھی ساتھ لیتے آنا۔ اس کے بعد فرصت نہیں ہو گی۔ میں کل ہی سے لوڈنگ شروع کرا دوں گا۔" میں نے گردن ہلا دی۔ چمن تھوڑی دیر بیٹھا اور اس کے بعد چلا گیا۔ میں سوچ میں گم ہو گیا تھا۔ بس ایک عجیب سی اداسی ذہن پر مسلط ہو گئی تھی۔ جو نہیں بننا چاہتا تھا وہ بن گیا تھا۔ چرس فروشی کے الزام میں جیل گیا۔ قاتل کہلایا' بلیک میلر بنا اور اب اسمگلر بننے جا رہا تھا۔ وقت کی یہی مانگ تھی۔ تقدیر میں یہی لکھا تھا۔ میں کیا کرتا تقدیر نے تو مجھے بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔ ٹھیک ہے یہ بھی سہی۔

میں دیر تک ہونٹ بھینچے مستقبل کے بارے میں سوچتا رہا حسینہ سامنے آ گئی۔ آج وہ سنجیدہ تھی میں اسے دیکھنے لگا۔ اس لڑکی کی ذمے داری بھی تھی۔

"کوئی کام صاحب جی؟"

"کوئی نہیں حسینہ۔ تجھے اپنا گھر یاد نہیں آتا؟"

"یاد آنے کو تو بہت سی چیزیں یاد آتی ہیں صاحب جی' پر مجبوری بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"حسینہ میں باہر جا رہا ہوں۔ نہ جانے کتنے دن لگ جائیں۔ عظمت کو جانتی ہو' نا۔ میں اسے ہدایات دے جاؤں گا۔ تو اس کے ساتھ اپنے گھر چلی جانا۔ وہ تیرے لئے سارا بندوبست کر دے گا۔"

"کیسا بندوبست؟" وہ تعجب سے بولی۔

"تیری آئندہ زندگی کا بندوبست۔ اس کے بعد تجھے نوکری کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ تیرے بابا کو بھی کوئی پریشانی نہیں رہے گی' سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کون کرے گا صاحب جی؟"

"میں نے تجھ سے وعدہ کیا تھا' نا۔"

"مگر صاحب جی۔ آپ اتنے سارے پیسے ہمیں کیوں دیں گے؟"

"اس لئے حسینہ' کہ تو محفوظ رہے۔ تیری سادگی' تیرا اعتماد باقی رہے۔ تو اپنی معصوم آرزوؤں کی قبر میں نہ سوئے۔ میں تیری زندگی چاہتا ہوں۔" میں نے افسردگی سے کہا۔

KitabPk.Com

"تو ہماری زندگی کو خطرہ ہے صاحب جی؟" وہ خوفزدہ لہجے میں بولی.....

"ہاں حسینہ۔ قدم قدم پر خطرہ ہے۔ تو خوش نصیب ہے کہ چند زخمی لوگوں کے درمیان آ گئی اگر وہ زخم خوردہ نہ ہوتے تو تجھے زخمی کر دیتے۔ چمن کو تیری عزت' تیری سادگی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ مگر تو ان باتوں کو کہاں سمجھ سکے گی۔ بس عظمت جس طرح تجھ سے کہے اس طرح کرنا۔ بول وعدہ کرتی ہے؟"

"ٹھیک ہے صاحب جی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

عظمت آیا تو میں نے حسینہ کے سلسلے میں اسے ہدایات دیں اور عظمت نے وعدہ کر لیا کہ وہ خوش اسلوبی سے اس ذمے داری کو نبھائے گا پھر جب ایاز کو میں نے یہ خبر سنائی کہ وہ بھی میرے ساتھ جائے گا تو وہ خوشی سے پاگل ہو گیا۔ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا۔

ضروری تیاریوں کے بعد دوسرے دن ہم دونوں چمن کے اڈے پر پہنچ گئے۔

چمن ہمارا منتظر تھا۔ فوراً ہی وہاں سے اٹھ گیا اور ایک کار میں ہم دونوں کو لے کر چل پڑا۔ میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ کار طویل فاصلہ طے کر کے شہر سے باہر نکل آئی اور پھر وہ ایک تفریحی ساحل کے ایک ہٹ کے سامنے رکی تھی۔ ہم تینوں اتر کر ہٹ میں داخل ہو گئے۔ یہاں چار پانچ آدمی اور موجود تھے۔ ان میں ایک قوی ہیکل بوڑھا بھی تھا۔ جسے صرف عمر کے لحاظ سے بوڑھا کہا جا سکتا تھا۔ ورنہ وہ بہت توانا اور چاق و چوبند معلوم ہوتا تھا۔

"مارٹی۔ اندر آؤ۔" چمن نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور ایاز کو باہر رکنے کا اشارہ کر کے وہ ہٹ کے اندرونی کمرے میں داخل ہو گیا جہاں فرنیچر پڑا ہوا تھا۔ میں اور چمن بیٹھ گئے لیکن مارٹی مودبانہ انداز میں کھڑا رہا۔ چمن نے اسے بیٹھنے کے لئے نہیں کہا تھا۔

"یہ منصور ہیں۔"

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی مسٹر منصور!" مارٹی بے تاثر لہجے میں بولا۔

"منصور۔ اس دورے میں مارٹی تمہارا نائب رہے گا۔ یہی اس لانچ کا کیپٹن ہے۔ تجربہ کار آدمی ہے۔ سمندری امور میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ تم اس پر مکمل اعتماد کر سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"کب تک روانہ ہو سکتے ہو مارٹی؟"

"کل رات چیف۔ لوڈنگ مکمل ہونے والا ہے۔ ان آدمی لوگ کو بھی قبضہ میں لے لیا ہے۔"

"گڈ۔ منصور! اب تفصیل سمجھ لو۔ اس سفر میں تمہیں تین اسٹیشن کور کرنے ہیں۔ ادائیگی نقد ہو گی اور ساری دولت تم سنبھال کر رکھو گے۔ لانچ کا عملہ آٹھ افراد پر

مشتمل ہے۔ دس آدمی وہ ہوں گے جو اسمگل ہو کر جا رہے ہیں۔ مارٹی اور تم گویا کل بیس افراد ہوں گے اس لانچ پر۔" چمن نے ایک بریف کیس نکالا اور اس سے کاغذات نکال کر میرے سامنے رکھ دیئے۔

دیر تک وہ مجھے تفصیلات سمجھاتا رہا پھر بولا۔ "اس دوران میں تم اگر کہیں رکنا چاہو تو رک سکتے ہو۔ لانچ کا محافظ مارٹی ہو گا۔ میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے۔ بس اب میری ذمے داری ختم۔ اب واپسی میں تم سے ملاقات ہو گی۔" چمن نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ چمن مجھ سے ہاتھ ملا کر چلا گیا۔ مارٹی مجھے دیکھ کر مسکرانے لگا تھا.....

"ہمارا لائق کوئی خدمت بتاؤ باس! مارٹی ہر طرح حاضر ہے۔"

"اس کے بعد کیا پروگرام ہے مارٹی؟"

"ہٹ میں آرام کرنا مانگتا آرام کرو۔ پوائنٹ پر جانا مانگتا پوائنٹ پر چلو۔ تھوڑا ٹائم میں کشتی آ جائے گا۔"

"کشتی.....؟"

"ادھر پوائنٹ پر گیا ہے۔ چھ آدمیوں کو چھوڑنا تھا۔ مگر ادھر آرام کا جگہ نہیں ہے ماسٹر۔ ریت کا ٹیلوں پر رات گزارنا پڑے گا۔ جیسا بولو۔"

"یہ پوائنٹ کہاں ہے؟"

"ادھر سے چار میل دور ہے۔ جسیرہ۔ تم نام سنا ہو گا۔"

"اوہ۔ ہاں سنا ہے۔" میں نے گردن ہلا دی۔

"تو پھر کیا آرڈر ہے۔ باس؟"

"پوائنٹ پر چلیں گے۔ یہاں رکنے سے فائدہ؟"

"فائدہ ہو سکتا ہے ماسٹر۔ جیسا بولو۔ جس چیز کا ضرورت ہو آ جائے گا۔" مارٹی آنکھ دبا کر مسکرانے لگا۔

"نہیں مارٹی شکریہ۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ایک بات بولے چیف۔ ناراض تو نہیں ہو گے۔"

"نہیں' کہو مارٹی۔"

"مارٹی سالا دو چیزوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ عورت اور شراب...... اور پھر سالا سمندر تو ان دو چیزوں کے بغیر چلتا ہی نہیں۔ باس آپ اجازت دو تو ایک آدمی اور بڑھا لیں؟"

"پہلے کس سے اجازت لیتے رہے ہو مارٹی؟"

"ابھی پہلا مرتبہ مارٹی اسسٹنٹ بنا ہے اپن' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کوئی نیا حکم نہیں مسلط کرنا چاہتا جو دل چاہے کرو۔" میں نے

کہا اور مارٹی میرا شکریہ ادا کرنے لگا۔ مارٹی کے جانے کے بعد ایاز میرے پاس آ گیا اور میں اسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"سب ٹھیک ہے نا بھیا؟"

"ہاں ایاز۔ اسمگلر بننا مبارک۔" میں نے تلخ مسکراہٹ سے کہا۔

"سب چلتا ہے مگر بھیا ایک بات کسی طور میری سمجھ میں نہیں آئی۔" ایاز گہری سانس لے کر بولا۔ "یہ چمن مجھ سے خار کھانے لگا ہے۔ نہ جانے کیوں وہ مجھے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا۔ میں نے کئی بار محسوس کیا ہے۔ اپنے ماتحتوں کے ساتھ وہ سخت تو ہمیشہ سے ہے لیکن ایسا بھی نہیں۔ مجھے تو یوں گھورتا ہے جیسے میں اس کے خلاف کوئی سازش کر رہا ہوں۔"

"اوہ۔ ممکن ہے، صرف تمہارا خیال ہو۔ بظاہر تو کوئی بات نہیں ہے۔ اس نے تمہیں بخوشی میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دی ہے۔ حالانکہ وہ منع بھی کر سکتا تھا۔" میں نے کہا۔

ایاز نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ مارٹی چلا گیا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد کشتی آ گئی۔ مارٹی ہی اس کی اطلاع لے کر آیا تھا۔ "کشتی آ گیا ہے ماسٹر۔ اپنا سامان سنبھال لو اور اس کا بعد چلو۔ ہم تو اب بھی یہی کہتا ہے باس کہ نائٹ ادھر گزارو صبح کو آرام سے چلیں گا......"

"چلو۔" میں نے بھاری لہجے میں کہا اور مارٹی نے شانے ہلا دیئے پھر میں اور ایاز باہر نکل آئے۔ ساحل پر ایک کشتی کھڑی ہوئی تھی جو سرخ اور سفید رنگ کی تفریحی کشتی تھی۔ اس کے بادبان پر ایک مونو گرام بنا ہوا تھا۔ جس پر ٹی۔ ایس لکھا تھا۔

کشتی پر صرف ایک ملاح تھا۔ یوں بھی وہ چھوٹی سی تھی اور چند لوگ اس پر سفر کر سکتے تھے۔ مارٹی ہمارے ساتھ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد کشتی چل پڑی۔ میں اور ایاز خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ مارٹی کئی بار چور نگاہوں سے میرا جائزہ لے چکا تھا۔ نہ جانے کیا سوچ رہا تھا بہرحال میں نے اس پر توجہ نہیں دی۔ کشتی کا سفر بہت طویل تھا۔ حالانکہ بادبان میں بھری ہوا اسے برق رفتاری سے چلا رہی تھی لیکن اس کے باوجود وہ تقریباً اسی منٹ تک سفر کرتی رہی اور پھر دور سے ایک ٹاپو نظر آنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد کشتی ساحل سے جا لگی۔ یہاں کئی افراد تھے جو ہمارے نزدیک آ گئے۔

"انچارج۔" مارٹی نے میری طرف اشارہ کر کے کہا اور ان لوگوں نے گردن جھکا دی۔

"لانچ کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اس طرف ہے باس۔" پہلے سے موجود لوگوں میں سے ایک نے کہا اور میں

KitabPk.Com

اس طرف چل پڑا۔ چھوٹے سے ٹاپو کو ریت کا جزیرہ کہا جا سکتا تھا۔ یہاں ریت کے ٹیلوں کے علاوہ کچھ نہیں تھا تھوڑی دیر کے بعد لانچ نظر آنے لگی۔ یہاں بھی کچھ لوگ موجود تھے۔ وہ سب اٹھ گئے اور ہمارے پاس آ گئے۔ سوائے ایک پستہ قد نوجوان کے۔ وہ ریت کے ٹیلے سے پشت لگائے بیٹھا چاقو سے ایک مسواک نما لکڑی کو چھیل رہا تھا۔ اس نے پلٹ کر ہماری طرف نہیں دیکھا تھا اور بے نیازی سے اپنے کام میں مصروف تھا۔

میں نے اس پر توجہ نہیں دی اور لانچ پر اتر گیا۔ کافی بڑی لانچ تھی۔ چھوٹا موٹا جہاز معلوم ہوتی تھی۔ پوری لانچ پر کارٹن لدے ہوئے تھے۔ لکڑی کی پیٹیاں قرینے سے چنی ہوئی تھیں۔

"پورا مال لوڈ ہے چیف!" مارٹی نے بتایا۔

"تب پھر انتظار کیوں ہے؟"

"کل نائٹ کو سفر اسٹارٹ کروں گا۔ کیونکہ کل کا کلیرنس ہے آج رات گشت ہے۔"

"گشت......؟"

"ہاں چیف۔ بس ضروری کارروائی ہوتا ہے۔ کل موسم صاف ہو گا۔" مارٹی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے مارٹی۔" میں نے چاروں طرف کا جائزہ لینے کے بعد کہا اور پھر اس شخص کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

"وہ...... وہ گیشی ہے چیف۔ لانچ انجینئر' بے مثال انجینئر ہے وہ ہمارا۔ ماتحتوں میں نہیں آتا۔ کنٹریکٹ پر کام کرتا ہے۔"

"اسی لانچ سے سفر کرے گا؟"

"ہاں۔ انجن کی دیکھ بھال اسی کی ڈیوٹی ہے۔"

"مغرور آدمی ہے۔"

"کریک ہے۔" مارٹی نے کہا اور میں دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا پھر میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"اوکے چیف۔ اجازت ہے۔ ہم جائیں؟" میں نے گردن ہلا دی اور مارٹی ان لوگوں کو ہدایات دے کر کشتی کی طرف بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی کشتی واپس جا رہی تھی۔ میں نے ایاز کا ہاتھ پکڑا اور دوبارہ لانچ پر پہنچ گیا۔ ہم دونوں خاموشی سے لانچ کا جائزہ لے رہے تھے۔

یہاں کافی گرمی تھی لیکن جوں جوں شام ہوتی جا رہی تھی موسم بہتر ہوتا جا رہا تھا

اور رات تو کافی خنک تھی۔ ریت کے ٹیلے ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ رات کا کھانا ان لوگوں نے تیار کیا اور احترام سے میرے سامنے پیش کیا پھر ہم ریت ہی کے ایک ٹیلے پر سونے کے لئے لیٹ گئے تھے۔

"ایاز۔" کافی دیر کے بعد میں نے ایاز کو پکارا تھا۔ ایاز میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"اس گیشی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"بدمزاج آدمی معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی اس کا رویہ ٹھیک نہیں ہے۔"

"ہوں۔" میں چند ساعت خاموش رہا پھر میں نے کہا۔ "راستے میں ٹھیک کر لیں گے لانچ روانہ ہونے دو۔" ایاز خاموش رہا پھر ہم سو گئے۔ جزیرے کی صبح بے حد خوشگوار تھی۔ پرندوں کے غول سمندر کی لہروں سے اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ مشرق سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ دوپہر حسب معمول گرم ہوتی جا رہی تھی۔ چار بجے ایک بڑی کشتی جزیرے پر آئی اور اس سے وہ لوگ نیچے اتر آئے جو ملازمت کی تلاش میں نقل وطن کر کے غیر قانونی طور پر جا رہے تھے۔ پریشان حال لوگ تھے اور گھبرائے گھبرائے لگ رہے تھے۔

سات بجے کشتی نے آخری چکر لگایا اور اس میں مارٹی کے ساتھ ایک لڑکی تھی۔ چست پتلون میں ملبوس اچھی خاصی..... شکل و صورت کی مالک تھی۔ تمام لوگوں نے دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ مارٹی نے کسی کی طرف توجہ نہیں دی اور لڑکی کو لانچ پر پہنچا دیا۔ کشتی واپس چلی گئی تھی۔

"کیسا گزرا باس۔ کوئی الجھن تو نہیں ہوا؟"

"نہیں۔ سب ٹھیک ہے مارٹی کس وقت چلو گے یہاں سے....؟"

"ٹھیک گیارہ او کلاک۔" مارٹی نے جواب دیا اور اس کے بعد ہم لانچ پر پہنچ گئے۔ دوسرے لوگ بھی آ گئے تھے۔ گیشی انجن روم میں داخل ہو گیا۔ دوسرے ملاح بھی اس کے ساتھ تھے۔

رات کو گیارہ بجے جب سمندر پر گہری خاموشی اور سکوت طاری تھا لانچ کا انجن اسٹارٹ ہو گیا اور لانچ نے ساحل چھوڑ دیا۔ میں اور ایاز ایک گوشے میں کھڑے ہوئے تھے۔ ایاز بھی خاموش تھا اور میں بھی۔ تھوڑی دیر کے بعد مارٹی ہمارے پاس آ کھڑا ہوا۔

"کتنے دن کے بعد چکر لگاتے ہو؟" میں نے خاموشی توڑنے کی غرض سے کہا۔

"کوئی تعین نہیں باس۔"

"یہ لانچ چمن کی ہے؟"

"ہاں چمن ہی کا ہے۔"

KitabPk.Com

سمندر پر سکون تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ایک بھی تارا نہیں تھا۔ تقریباً دو بجے تک ہم جاگتے رہے۔ لیکن مارٹی اجازت لے کر چلا گیا تھا۔ اس دوران کوئی خاص واقعہ نہیں پیش آیا تھا۔

"ڈھائی بجے میں اور ایاز اپنی منتخب جگہ آرام کرنے لیٹ گئے۔ یہ سفر دو رات اور ایک دن کا تھا۔ تیسرے روز کی صبح ہمیں منزل پر پہنچنا تھا۔ سر پر کھلا آسمان تھا اور نیچے سمندر۔ ہم ایک مخدوش سفر کر رہے تھے۔ اس خاموشی میں خیالات کا طوفان امڈ رہا تھا لیکن میں اس طوفان سے بچ کر سونا چاہتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ طوفان مجھ سے نیند چھین لے گا۔

دفعتاً دھیمے سروں میں سیٹی کی آواز سنائی دی اور میں گردن اٹھا کر دیکھنے لگا۔ سیٹی کی آواز دور نہیں تھی پھر ایک سایہ نظر آیا جو سست قدموں سے چل رہا تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور سیٹی کی آواز رک گئی۔ شاید اس نے مجھے دیکھ لیا تھا پھر سایہ میری طرف چل پڑا۔ گو اس کے خدوخال واضح نہیں تھے لیکن تاریکی کی عادی آنکھوں نے اسے پہچان لیا۔ وہ مارٹی کی محبوبہ تھی۔ لانچ کی اکلوتی لڑکی۔

"ہیلو۔" اس کی آواز خوبصورت تھی۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"جاگ رہے تھے یا سیٹی کی آواز سے جاگ گئے؟" وہ دوبارہ بولی......

"کہاں گھوم رہی ہو؟" میں نے خشک لہجے میں پوچھا اور وہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنس پڑی۔

"یاد آ گیا کہ انچارج ہو۔"

"مارٹی کہاں ہے؟"

"لانچ پر ہی ہے اور ناک تک چڑھا کر گہری نیند سو گیا ہے...."

"تمہیں نیند نہیں آئی؟"

"عموماً آ جاتی ہے۔ آج نہیں آئی۔ بیٹھ جاؤں؟" اس نے پوچھا۔ میں نے ایاز کی طرف دیکھا۔ اس کے گہرے گہرے سانس ابھر رہے تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہے۔ میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کر دیا اور وہ شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"جین...... جین ووڈکر۔"

"دیسی عیسائی ہو؟"

"ہاں۔ مارٹی کی ہم نسل۔" اس نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔ کیا باتیں کرتا اس سے چند لمحات خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔ "تمہیں پہلی بار دیکھا ہے۔"

"ہاں۔ پہلی بار ہی سفر کر رہا ہوں۔"

"اور وہ بھی انچارج کی حیثیت سے۔" اس کا انداز پھر مضحکہ خیز ہو گیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے اس کے لہجے کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"میرا خیال۔ سچ بولوں یا جھوٹ؟"

"سچ ہی بولو۔"

"میرے خیال میں تو یہ سب مل کر تم سے مذاق کر رہے ہیں۔ جیسے کسی بچے کو بہلا رہے ہوں۔ اسے بڑے ہونے کا احساس دلا رہے ہوں۔ کیا تم نے یہ بات محسوس نہیں کی؟"

"میں اتنا ذہین نہیں ہوں۔" میں مسکرا کر بولا۔

"نو عمر ضرور ہو۔ تجربہ نہیں ہے زندگی کا۔ کسی دولت مند شخص کے بیٹے ہو گے یا پھر کسی خاص شخصیت کے منظور نظر۔"

"عمر تو تمہاری بھی اتنی زیادہ نہیں ہے جین!"

"ہاں...... لیکن تجربہ عمر سے تین گنا زیادہ ہے۔"

"محبوبہ بننے کا؟"

"نہیں۔ انسانوں کی فطرت سمجھنے کا۔"

"خوب۔ میرے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"چابی کے گڈے ہو..... اور بس۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ کیا فرق پڑتا ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"پہلی خوبی علم میں آئی۔" وہ ہنس پڑی۔

"وہ کیا؟"

"ٹھنڈے ذہن کے مالک ہو۔ ایسے ذہن کچھ بن جانے کی صلاحیتیں رکھتے ہیں۔"

"مارٹی کے ہاتھ کہاں سے لگ گئیں؟" میں نے بات بدلنے کے لئے پوچھا۔

"کوئی طویل اور دل گداز کہانی نہیں ہے۔ عورت ہوں۔ جوان ہوں اور انسان بھی ہوں جو ضرورتوں کا غلام ہوتا ہے۔ بس ان تین باتوں نے مارٹی کے قریب کر دیا۔ اس سے قبل کسی اور کی غلام تھی۔ ممکن ہے مارٹی کے بعد بھی کسی اور کے سامنے اظہار وفاداری کرنا پڑے۔"

"کوئی اور بھی کہانی ہے اس روئے زمین پر جین' چہرے کتنا دھوکا دیتے ہیں۔ ہم کسی کو پسند کرتے ہیں کسی سے نفرت کرتے ہیں ہمیں اس کے باطن کا کوئی پتہ نہیں ہوتا۔ ہر ہنستے مسکراتے چہرے کے پیچھے ایک کہانی چھپی ہوتی ہے۔ ایک درد ناک کہانی! یہ دنیا ہے۔ اسے ہی دنیا کہتے ہیں۔ تعجب ہے۔ سخت تعجب ہے۔"

جین نے گردن جھکا لی تھی۔ دیر تک وہ سر جھکائے بیٹھی رہی پھر میری طرف

دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔ "ان دکھوں کی دنیا سے نمٹنے کا طریقہ جانتے ہو؟"

"نہیں جین!" میں نے جواب دیا اور وہ ہنس پڑی پھر اس کے ہونٹوں سے سیٹی کی دھن نکلی اور اٹھ گئی پھر اسی انداز میں سیٹی بجاتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ میں اسے آواز دینے کے لئے منہ کھول کر رہ گیا۔ میرے منہ سے آواز نہیں نکل سکی تھی۔ وہ نگاہوں سے معدوم ہو گئی اور سمندر کی تاریکی کچھ اور بڑھ گئی۔ آسمان اور سمندر یکجا لگ رہے تھے۔ تاریک اور ویران۔

"ایک اور طریقہ ہے ان دکھوں کو بھولنے کا۔" دفعتاً ایاز کی آواز سنائی دی اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کہ آنکھیں بند کر کے گہری نیند سو جاؤ۔ بس۔ اس کے علاوہ کوئی ترکیب نہیں ہے۔ شاید نیند اسی لئے انسان کو بخشی گئی ہے۔"

ایاز کے الفاظ عجیب تھے میں ان پر غور کرنے لگا اور پھر میرا ذہن نہ جانے کہاں سے کہاں بھٹک گیا۔ نہ جانے کیا سوچنے لگا تھا میں۔ چند آنکھیں میرے تصورات میں گردش کر رہی تھیں وہ آنکھیں جن میں آنسو ہوں گے' انتظار کی چمک ہو گی اور مایوسی ہو گی.........

چمک دار دن کا آغاز ہو گیا۔ روشنی پھیل گئی تھی لیکن آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ میں خاموش ماحول کا جائزہ لے رہا تھا کہ مارٹی نے خیالات کا طلسم توڑ دیا۔

"ناشتہ تیار ہے ماسٹر۔"

"اوہ۔ شکریہ مارٹی۔" ناشتے پر صرف مارٹی میرے ساتھ تھا۔ موسم اور سمندر کے بارے میں باتیں کرتا رہا پھر بولا۔

"وہ بدمعاش شراب لے کر بیٹھ گیا ہے۔"

"کون؟" میں نے پوچھا۔

"گیشی' بولتا موسم ہی ایسا ہے ہم کیا کروں۔ لانچ کا انجن بند کر کے اسے لنگر انداز کر دو۔"

"پی کر آؤٹ ہو جاتا ہے؟"

"کم ظرف ہے۔ چند پیگ سے زیادہ کا نہیں ہے۔ آج دن بھر پیئے گا اور ہنگامہ کرتا رہے گا۔" مارٹی نے گردن جھٹک کر کہا۔

"اگر اس کی ضرورت پیش آ گئی تو؟"

"کہہ چکا ہے کہ لانچ کے انجن بند کر کے اسے لنگر انداز کر دو۔"

"تو اسے شراب پینے سے منع کر دو۔" میں نے کہا اور مارٹی کا ہاتھ رک گیا پھر وہ گردن کھجاتا ہوا بولا۔

"ذلیل انسان ہے۔ کسی کا بات نہیں سنتا۔"

"اسے سیدھا کرو مارٹی۔ یہ بات ہمارے لئے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔"

"لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ مارشل آرٹس کا ماہر ہے۔ اور کسی گینڈے ؟ مافق طاقت ور ہے۔ جانے دو چیف۔ لانچ ٹھیک ٹھاک چل رہی ہے۔" مارٹی نے کہا۔ میں خاموشی سے چائے پیتا رہا اور ناشتہ ختم کر کے اٹھ گیا۔

"آؤ مارٹی۔ مجھے بتاؤ۔ وہ کہاں ہے؟"

اور مارٹی چونک پڑا۔ اس نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔

"جھگڑا ٹھیک نہیں رہے گا ماسٹر۔"

"تم لوگ مجھے ڈمی سمجھ رہے ہو شاید' گیشی کہاں ہے؟" میں نے کرخت لہ... میں پوچھا اور مارٹی نے شانے ہلا دیئے پھر آگے بڑھ گیا۔ میں اور ایاز اس کے ساتھ تھے۔ لانچ کے ایک حصے میں گیشی نظر آ گیا۔ اس کے سامنے بوتل اور گلاس رکھے ہوئے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر جین ریلنگ سے ٹکی کھڑی تھی۔

میں گیشی کے پاس پہنچ گیا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ "تمہیں انجن روم میں ہونا چاہیئے تھا۔" میں نے کرخت لہجے میں کہا اور گیشی کا چہرہ سرخ ہو گیا پھر اس نے غضب ناک انداز میں مارٹی کو پکارا۔

"مارٹی یہ کیا بک رہا ہے۔ اسے بتاؤ۔ میں کون ہوں۔" میں نے اس کے سامنے رکھی ہوئی تپائی پر ٹھوکر ماری اور بوتل اچھل کر دور جا گری۔

"مارٹی تمہیں بتا چکا ہے کہ میں انچارج ہوں اور اس وقت لانچ پر جتنے لوگ موجود ہیں وہ میرے چارج میں ہیں خواہ ان کی حیثیت کچھ بھی ہو۔ اٹھو اور انجن روم میں جا کر اپنی ڈیوٹی انجام دو۔ اور سنو۔ شام کو سات بجے سے قبل شراب کو ہاتھ لگایا تو سزا ملے گی۔"

گیشی کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور چہرہ بھی جیسے خون اگل رہا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر گھونسہ تان کر مجھ پر لپکا۔ مارٹی کے حلق سے آواز نکل گئی تھی۔ میں نے نہایت اطمینان سے گیشی کے گھونسے کو اپنی کلائی پر روکا اور الٹا ہاتھ اس کے جبڑے پر رسید کر دیا۔ گیشی کئی قدم پیچھے ہٹ گیا تھا پھر اس نے دونوں ہاتھ بھینچ دیئے۔

"گیشی۔ گیشی کیا دیوانگی ہے۔ ہوش میں آؤ۔ تم حماقت....." اس کے ساتھ ہی وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا ورنہ گیشی کی زد میں آ جاتا گیشی نے سر جھکا کر کسی بھینسے کی طرح ٹکر مارنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے ایک پاؤں اٹھا دیا اور اس کے سر پر ٹھوکر رسید کر دی۔ اس کے ساتھ ہی پلٹ کر دوسری ٹھوکر میں نے اس کی گردن پر ماری اور پھ

چھلانگ لگا کر اس کے قریب پہنچ گیا لیکن گیشی بھی اب پوزیشن لے چکا تھا۔

"گیشی۔ میں آخری بار تمہیں حکم دے رہا ہوں کہ انجن روم میں جاؤ اور اپنی ڈیوٹی انجام دو۔ ورنہ اس بدتمیزی پر میں تمہیں ناکارہ کر دوں گا۔" جواب میں گیشی نے فضا میں ہاتھ نچائے اور تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ اس کے پاؤں میری پنڈلیوں کی طرف بڑھے اور میں پیچھے ہٹتا رہا پھر مجھ پر بھی جنون سوار ہو گیا۔ جین نے کہا تھا کہ میں ڈمی ہوں۔ میں یہ خیال ان سب کے ذہن سے مٹانا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں آگے بڑھا۔

گیشی اگر مارشل آرٹس کا ماہر تھا تو جلال بابا نے مجھے بنوٹ کا فن دیا تھا۔ ایک مضبوط ڈنڈا ہاتھ آ جائے تو پورے مجمع کو گرایا جا سکتا تھا۔ اب ان ساری صلاحیتوں کو سینے میں گھونٹ کر رکھنے سے کیا فائدہ تھا۔ چنانچہ میں اچھلا اور گیشی کی کمر پر ایک چپتی لگائی۔ وہ سیدھا ہوا تو میں نے اس کی گردن میں قینچی ڈال کر اسے پٹخ دیا پھر اٹھا تو میری لات اس کی پیشانی پر پڑی۔ گیشی سنبھلنے کی کوشش کرنے لگا لیکن میں نے چپڑاس ماری اور وہ نیچے گر پڑا۔ ایک لمحے کے لئے میں اس کی پنڈلیوں پر کھڑا ہوا اور پھر میں نے پنڈلیوں میں پاؤں پھنسا کر اسے الٹا کر دیا اور اس کے فوراً بعد اس کی ریڑھ کی ہڈی پر دو ضربیں لگا دیں۔ اتنا ہی کافی تھا۔ گیشی ضبط کی انتہائی کوشش کے باوجود بھینسے کی طرح ڈکرانے لگا۔ وہ اوندھا پڑا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا سر پٹخ رہا تھا اور اس کے چہرے سے سخت کرب کے آثار ہویدا تھے........

"بچاؤ۔ بچاؤ۔ مر جاؤں گا۔ آہ۔ میں مر رہا ہوں۔"

"مارٹی۔ مجھے بتاؤ یہ کون ہے۔ یا پھر اسے بتاؤ میں کون ہوں۔"

"آہ.... آ آ آ.... آہ۔" گیشی سیدھا ہونے کی کوشش کر رہا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ اس کی ہر جنبش اسے مزید تکلیف دے گی۔ تمام لوگ گیشی کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

"اس کا کوئی ہمدرد؟" میں نے انہیں گھورا اور آگے بڑھ کر گیشی کے بال پکڑ لیے۔ اسے اٹھایا اور پھر ایک ہاتھ اس کے جبڑے پر رسید کر دیا۔ گیشی کے منہ سے خون کی دھار پھوٹ نکلی تھی۔ سارا مجمع خاموش تھا۔ کسی نے دم مارنے کی جرات نہیں کی تھی۔

"شام سات بجے سے پہلے' کوئی شراب کی بوتل کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ سن لیا تم لوگوں نے؟" میں نے غرا کر کہا۔

"یس چیف!" بہت سی آوازیں ابھریں۔ لوگ معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ مارٹی کے تاثرات بھی بدل گئے تھے۔ میں نے ایاز کا ہاتھ پکڑا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ گیشی کی دھاڑیں اب بھی گونج رہی تھیں۔ کسی نے اسے اٹھانے کی کوشش کی تو وہ بری طرح چیخ پڑا۔

"وہ مرتو نہیں جائے گا بھیا؟" ایاز نے پوچھا۔

"نہیں اس کا امکان نہیں ہے۔"

"تم نے کہا تھا راستے میں اسے ٹھیک کر دیں گے' سو کر دیا۔ خدا کی قسم جیل کے دن یاد آگئے...... اب انھیں اندازہ ہو گا کہ انچارج کیا ہے۔" ایاز بولا۔ میں خاموش ہی رہا تھا۔

"تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد' مارٹی نے میرے پاس آکر وہی سوال کیا۔ "وہ مرتو نہیں جائے گا چیف' مسلسل تڑپ رہا ہے۔"

"اس سے پوچھو مجھے پہچان گیا ہے یا نہیں؟"

"بہت بری حالت ہے اس کی' چیخ چیخ کر آواز بیٹھ گئی ہے۔ میرا خیال ہے شام تک مرجائے گا۔ یوں لگتا ہے جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"ایں؟" مارٹی نے تعجب سے پوچھا اور میں اٹھ گیا۔ میں نے مارٹی کو اشارہ کیا اور وہ جلدی سے میرے ساتھ چل پڑا۔ گیشی کی حالت واقعی خراب تھی۔ پسینے میں ڈوبا ہوا تھا آنکھیں زرد پڑ گئی تھیں۔ ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور گردن پٹخ رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس کی ریڑھ کی کڑیاں چڑھ گئی ہیں۔ میں نے اس کا گریبان پکڑا اور وہ کرب سے چیخ پڑا۔

"نہیں۔ آہ نہیں...." لیکن میں نے اسے کمر پر لاد کر پھر زمین پر دے مارا اور پھر اس کی دونوں ٹانگیں الٹی موڑ کر ایک گھٹنا اس کی کمر پر رسید کردیا۔ گیشی کے حلق سے ایک دلدوز چیخ ابھری اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ مارٹی کے چہرے پر بدحواسی کے آثار تھے۔

"کیا یہ۔ کیا یہ مرگیا؟" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"نہیں مارٹی۔ ٹھیک ہو گیا ہے۔ لٹا دو اسے ہوش میں آئے گا تو ٹھیک ہو گا لیکن اسے اور دوسرے لوگوں کو سمجھا دینا۔ جب تک اس لانچ پر موجود ہیں میرے ماتحت ہیں۔" میں نے کہا اور وہاں سے واپس آگیا۔ مجھے اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ کون میرے بارے میں کیا خیالات رکھتا ہے۔

شام ہو گئی۔ بادل اور گہرے ہو گئے تھے۔ ایاز مجھے خبر دے چکا تھا کہ گیشی ہوش میں آ چکا ہے اور اب ٹھیک ہے۔ "دوسرے لوگوں کے کیا خیالات ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ پر اسرار سا ماحول ہے استاد۔ وہ لوگ مجھ سے بھی محتاط ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ ہمیں دوست کی نگاہ سے نہ دیکھتے ہوں۔"

"اونہہ۔ کوئی پرواہ نہیں ہے ایاز۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ مارٹی کہاں ہے؟"

"دور بین لئے آسمان دیکھ رہا ہے۔"

"کس طرف ہے؟" میں نے پوچھا اور ایاز مجھے مارٹی کے پاس لے گیا۔ مارٹی کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ "کیا بات ہے مارٹی؟"

"بادلوں کا رنگ ٹھیک نہیں ہے باس! طوفان کے...... آثار ہیں۔" مارٹی نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔ میں خاموشی سے آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ "طوفان ضرور آئے گا باس! ہمیں انتظامات کر لینے چاہئیں۔"

"ہاں۔ انتظامات کرلو۔ آؤ' انجن روم چلیں۔" میں نے کہا اور ہم انجن روم میں آگئے۔ تین افراد انجن سنبھالے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے انجن کی کارکردگی کے بارے میں پوچھا اور انھوں نے اطمینان کا اظہار کیا۔ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر میں اور ایاز لانچ کے ایک کونے میں جا بیٹھے۔ ہر طرف گہری تاریکی مسلط تھی' طوفان کی آمد آمد تھی۔ فضا پر ایک عجیب سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ذرا سی دیر میں آسمان پر بادل گرجنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی بجلی بھی چمک رہی تھی۔ آسمان بالکل سیاہ ہو رہا تھا۔ رفتہ رفتہ سمندر میں اونچی اونچی لہریں اٹھنے لگیں۔ ہوائیں تیز ہو گئیں اور لانچ ڈگمگانے لگی۔ طوفان آگیا تھا۔ بجلی چمکتی تو سمندر کی لہریں خوفناک اژدہوں کی مانند لانچ کی طرف لپکتی نظر آتیں پھر بارش شروع ہوگئی اور کان سن ہونے لگے۔ طوفان کا مہیب شور برپا ہو گیا تھا۔ لانچ پر افراتفری پھیل گئی تھی۔ ملاح اور دوسرے لوگ دوڑتے پھر رہے تھے اور چیخ چیخ کر ایک دوسرے کو ہدایات دے رہے تھے۔ کارٹن پہلے ہی ترپالوں سے ڈھک دیئے گئے تھے لیکن طوفانی ہوائیں ان ترپالوں کو اڑائے پھینک رہی تھیں۔ ملاح ان حالات میں بھی اس مال کی حفاظت کے اقدامات کر رہے تھے۔ میں اور ایاز ایک ریلنگ مضبوطی سے پکڑے کھڑے' ان ہنگامی کارروائیوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ لانچ پوری طرح طوفان میں گھر چکی تھی۔

دفعتاً مارٹی کی نگاہ ہم دونوں پر پڑی اور وہ منہ کے آگے ہاتھوں کا بھونپو سا بنا کر چیخا۔ "ماسٹر۔ ماسٹر وہاں سے ہٹ جاؤ۔ خطرہ ہے کوئی اڑتا ہوا چیز لگ جائیں گا وہاں سے ہٹ جاؤ۔"

"سب ٹھیک ہے مارٹی۔ تم فکر مت کرو۔" میں نے چیخ کر جواب دیا۔ پتہ نہیں مارٹی نے میری بات سنی یا نہیں۔ چند لمحات کے بعد وہ میرے پاس آ گیا۔

"طوفان بہت زور دار ہے باس کوئی محفوظ جگہ پکڑو۔ ورنہ زخمی ہو جائیں گا۔"

"تم بے فکر رہو مارٹی۔ اپنے کاموں میں مصروف رہو۔ لانچ کی کیا کیفیت ہے؟"

"انجن بند کر دیا ہے...... گیشی انجن روم میں موجود ہے وہ نگرانی کر رہا ہے۔ ہم چاہتا ہے ماسٹر' بہتر ہو گا کہ آپ کھلی جگہ نہ کھڑے ہوں ورنہ زخمی ہو جائیں گا۔"

"میری فکر مت کرو مارٹی! یہ مال جو لانچ میں لدا ہوا ہے خراب ہو جائے گا۔

مجھے اس کا افسوس ہے۔" میں نے کہا اور مارٹی میری بات پر ہنس پڑا۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"کیوں؟ اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"سمندر کسی کا غلام نہیں ہوتا۔ نہ ہی کسی کا بات مانتا ہے۔ وہ آزاد ہے اور جب جولانی پر آتا ہے تو من مانی کرتا ہے۔ ہم لوگ سمندر کا اس مستی کے لئے تیار رہتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"دوسرے معاملات کا خیال رکھنا پڑتا ہے لیکن سمندر اگر کوئی بدسلوکی کرے تو الزام کسی پر نہیں آتا۔ یہ تو اپنا مال ہے اگر کسی دوسرے کا مال بھی ہوتا تو ان حالات میں کوئی ذمے داری عائد نہیں ہوتی۔ خواہ نقصان کتنا بڑا ہی کیوں نہ ہو۔" مارٹی نے جواب دیا اور پھر لپک کر ایک ریلنگ کو پکڑ لیا ورنہ ہوا کا ایک طاقتور جھونکا اسے اڑا کر سمندر میں پھینک دیتا۔

"باس پلیز۔ کوئی محفوظ جگہ پکڑ لو۔ مال کا پرواہ مت کرو۔ ان ساری چیزوں کو طوفان کے بعد دیکھیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم اپنی حفاظت کرو۔ میں کچھ دیر کے بعد یہاں سے ہٹ جاؤں گا۔" میں نے کہا اور مارٹی اپنا توازن سنبھالتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ وہ میری کیفیت کو کیا جان سکتا تھا۔ اسے میرے اندر اٹھنے والے طوفانوں کی خبر نہیں تھی۔ کسی قومی ادارے کا انجینئر کسی اسپتال کا مصروف ترین ڈاکٹر۔ خوبصورت عمارتیں بنانے کا خواہش مند' بنجر زمین کو لہلہاتے کھیتوں میں تبدیل کر دینے کی آرزو کرنے والا' ایک ملک دشمن انسان کی حیثیت سے' ایک اسمگلر کی حیثیت سے موت و زیست کے درمیان کھڑا..... اس سمندری طوفان کو دیکھ رہا تھا جس سے اس کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔

ایاز میرے ساتھ تھا۔ اس کا خیال آیا تو میں چونک پڑا۔ میں نے ایک ہاتھ اس کے بازو پر رکھ دیا۔ "اس سے قبل تو سمندری طوفان نہیں دیکھا ہو گا ایاز۔" میں نے پوچھا اور ایاز ہنس پڑا۔

"نہیں منصور بھیا! کبھی نہیں۔"

"کیسا لگ رہا ہے؟"

"یقین کر لو گے میری بات پر؟"

"کیوں نہیں۔"

"بہت اچھا لگ رہا ہے۔ بے حد دلکش۔ بس عجیب سے خیالات ذہن میں آ رہے ہیں۔"

"ڈر تو نہیں لگ رہا؟"

"خدا کی قسم بالکل نہیں۔ ہاں اگر تم خوفزدہ ہوتے تو میں تم سے زیادہ ڈرتا۔ میرا اعتماد تو تم ہو بھیا!" ایاز نے کہا اور میں اس کے ان الفاظ میں کھو گیا۔ ایاز کے بازو پر میری گرفت سخت ہو گئی۔

"تم نے ایک سائے سے پیار کیا ہے ایاز۔ کیا دے سکتا ہوں میں تمہیں؟"

"یہ سایہ میری پشت پر بہت چوڑے ستون کی حیثیت رکھتا ہے بھیا! ایسی باتیں مت کرو۔ تم نے مجھے جو کچھ دے دیا ہے وہ اتنا ہے کہ مزید جو کچھ ملے گا اسے میں سنبھالے نہ سنبھال سکوں گا۔"

"میں نے تمہیں کیا دیا ہے ایاز؟"

"تم نے بھیا..... تم نے میری ملاقات مجھ سے کرا دی ہے۔ اس سے زیادہ اور کوئی کسی کو کیا دے سکتا ہے کہ اسے اسی سے ملا دے۔ ایاز کیا تھا؟ کچھ نہیں۔ کھونٹی پر لٹکا ہوا زلیہ یا دہلیز پر پڑی ہوئی جوتیاں' کیا تھا ایاز؟ سڑکوں اور گلیوں میں پھرنے والا ایک آوارہ چھوکرا' جیب تراش جو صرف انسانوں کی جیبیں بھانپنے میں ماہر تھا۔ وہ یہ نہیں دیکھتا تھا کہ کون کتنا دکھی ہے۔ کس نے کہاں سے کچھ حاصل کیا ہے' بس ایک مشین تھی جو عمل کرتی تھی' انسانوں کو پہچاننے کے ناقابل' کسی سڑک یا گلی پر پکڑا گیا تو دس بیس لوگوں نے کپڑے پھاڑ دیئے' جوتے مار مار کر حلیہ بگاڑ دیا۔ چہرہ سوج گیا' دانت ٹوٹ گئے اور اس کے بعد تین چار روز بستر پر گزارے' چمن کی عنایتوں کے درمیان' ورنہ ضروری تو نہیں تھا کہ مار کھانے کے بعد بستر کا سہارا بھی لیا جائے' یا پھر اگر پولیس والوں نے پکڑ لیا تو تھانے لے گئے۔ طنز کیا' مذاق اڑایا' مار لگائی' بند کیا' بھوکا رکھا اور جب عاجز آ گئے تو چھوڑ دیا۔ یہ زندگی تھی بھیا ایاز کی..... اور ایاز اس زندگی کو اچھی طرح محسوس کرتا تھا' وہ جانتا تھا کہ یہ اس کی تقدیر ہے' ہمیشہ اس وقت تک جب تک کہ زندگی ہے اس کی یا چمن کی۔ اسے یہی سب کچھ کرنا پڑے گا' کیونکہ وہ اسی لئے پیدا ہوا ہے' لیکن بھیا منصور ملا اور منصور نے ایاز کو بتایا کہ ایاز بھی انسان ہے اور جب انسان کو کوئی یہ بتا دے کہ وہ انسان ہے۔ نہ صرف بتا دے بلکہ اسے انسانوں کی طرح زندگی گزارنے کا موقع بھی فراہم کرے تو پھر انسان کا اس سے بڑا محسن اور کون ہو سکتا ہے؟ مجھے خود سے الگ نہ سمجھو بھیا' یہ طوفان کیا حیثیت رکھتا ہے۔ ایسے لاکھوں طوفان بھی ایاز تمہارے قدموں میں جھیل سکتا ہے۔"

میں ایاز کا بازو پکڑے کھڑا رہا۔ نجانے کیسی کیفیت ہو رہی تھی میری۔ دفعتاً کارٹن پر پڑا ہوا ایک ترپال کسی بڑے پروں والی چیل کی طرح اڑتا ہوا ہمارے سروں کی طرف لپکا..... میں اور ایاز جھک گئے۔ ترپال سمندر میں جا پڑا تھا۔ ہم دونوں دلچسپ نگاہوں سے ان مناظر کو دیکھ رہے تھے۔

قیامت خیز لہریں پوری کی پوری لانچ کے اوپر سے گزر جاتی تھیں اور کئی دفعہ ہم نے خود کو پانی کی چھت کے نیچے پایا تھا' ہر چند کہ وہ پانی لانچ کی دوسری جانب نکل جاتا تھا لیکن اگر اس کا دباؤ براہ راست لانچ پر پڑ جاتا تو پھر لانچ کو غرق ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ اتنی طویل و عریض کروڑوں روپے کے سامان سے بھری ہوئی یہ لانچ سمندر کے سینے پر کتنی بے حقیقت معلوم ہو رہی تھی' بالکل کسی پانی کے ٹب میں پڑی ہوئی مکھی کی مانند' جو ایک لمحہ بھی زندگی نہیں حاصل کر سکتی۔

لانچ کئی بار غرق ہوتے ہوتے بچی' ملاحوں کی حالت خراب تھی' مارٹی اس کے بعد نظر نہیں آیا تھا۔ شاید اس نے اپنی جان بچانے ہی میں عافیت سمجھی ہو گی' انجن بند تھے' گویا لانچ اب صرف طوفان کے رحم و کرم پر تھی' وہ چاہے تو اسے ڈبو دے اور چاہے تو اس سے کھیلتا رہے اور طوفان ساری رات لانچ سے کھیلتا رہا۔ نجانے کہاں سے کہاں جا پڑی تھی وہ' بار بار یوں محسوس ہوتا جیسے وہ غرق ہو جائے گی لیکن پھر وہ بچ جاتی۔

ہم سب قدرت کے رحم و کرم پر تھے' پھر صبح کاذب کے دھندلکے ابھرنے لگے اور طوفان کے جوش و خروش میں کمی ہو گئی' ہم دونوں اسی جگہ کھڑے ہوئے تھے' ایک انچ بھی نہیں ہلے تھے ہم اپنی جگہ سے..... گو روشنی پوری طرح نہیں ہوئی تھی لیکن پھر بھی یہ محسوس ہو رہا تھا کہ صبح ہونے والی ہے اور ان دھندلکوں میں ہم نے ایک لکیر دیکھی جو لانچ کے علاوہ سمندر میں دوسری سیاہی کی مانند ابھری تھی۔ اس لکیر کے قریب پہنچتے پہنچتے کافی دیر لگ گئی' تب میں نے دیکھا کہ چاروں طرف اونچی اونچی چٹانیں سر اٹھائے کھڑی ہیں۔

یہ یقیناً خشکی تھی' کوئی جزیرہ۔ میں اور ایاز خاموشی سے اسے دیکھتے رہے' ابھی تک شاید دوسرے لوگوں نے اس جزیرے کو نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ ان میں تحریک پیدا ہوتی۔ یوں بھی وہ لوگ شاید رات بھر کی تھکن سے نڈھال ہو گئے تھے۔

دفعتاً جزیرے کی چٹانوں کے درمیان سے تیز سفید روشنی پھوٹ پڑی۔ روشنی نے میلوں دور تک سمندر روشن کر دیا تھا۔ اتنی تیز روشنی تھی کہ بینائی زائل ہوتی محسوس ہوئی اور ہم دونوں کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں لیکن روشنی تھی کہ پپوٹوں کے اندر گھس رہی تھی۔ اس اذیت سے بچنے کے لئے میں نے اور ایاز نے دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ دفعتاً لانچ پر شور ابھرنے لگا غالباً اب ان لوگوں کو بھی روشنی کی وجہ سے جزیرے کا احساس ہو گیا تھا۔

چند لمحات کے بعد ہی میں نے کچھ تیز آوازیں سنیں۔ یہ انجن اسٹارٹ ہونے کی آوازیں تھیں اور پھر محسوس ہوا کہ کوئی تیز رفتار لانچ ہماری لانچ کے علاوہ سمندر کے سینے پر دوڑنے لگی ہے۔ ایسی ہی آواز پھر دوسری سمت سے اور پھر تیسری سمت سے بھی آئی

تھی۔ ہم نے بڑی ہمت کر کے آنکھوں کو آہستہ آہستہ کھولا۔ گو آنکھیں ابھی تک تیز روشنی میں دیکھنے کی عادی نہیں ہوئی تھیں لیکن پھر بھی تھوڑا سا سکون محسوس ہو رہا تھا۔ روشنی کی طرف سے رخ بدل کر میں نے سمندر پر نگاہ دوڑائی تو عجیب منظر پایا۔

پانچ نقطے انتہائی تیز رفتاری سے سمندر کے سینے پر دوڑ رہے تھے۔ یہ روشن نقطے دراصل ہوور کرافٹس تھے۔ جو تیر کی سی رفتار سے سفر کر رہے تھے اور ان کا رخ چاروں طرف تھا۔ وہ لانچ کے گرد چکر لگا رہے تھے اور انتہائی برق رفتاری سے شائیں شائیں کرتے ہوئے ادھر ادھر نکل رہے تھے۔

میں اور ایاز حیرت سے یہ منظر دیکھنے لگے۔ دوسرے تمام ملاح بھی لانچ کے کناروں پر آ کھڑے ہوئے تھے۔ ہوور کرافٹس سے ابھی تک کوئی عمل نہیں ہوا تھا۔ لیکن ہمیں یقین تھا کہ یہ کوئی خطرناک کارروائی ہی ہو سکتی ہے' میں نے مارٹی کو تلاش کیا' لیکن وہ نظر نہیں آیا۔ البتہ دوسروں ملاحوں سے میں نے بات کرنا پسند نہیں کی تھی۔ پھر ہوور کرافٹس کا فاصلہ کم ہونے لگا اور چند گولیاں شائیں شائیں کرتی ہوئی ہمارے نزدیک سے نکل گئیں' میں اور ایاز تیزی سے بیٹھ گئے تھے لیکن گولیاں شاید براہ راست نہیں چلائی گئی تھیں۔ وہ لانچ کے کافی اوپر سے گزری تھیں۔ ہوور کرافٹس نے شاید یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ اس میں موجود لوگ مسلح ہیں۔

میں حیران نگاہوں سے ان ہوور کرافٹس کی کارروائی دیکھتا رہا جو انتہائی چابک دستی سے ادھر سے ادھر نکل رہے تھے اور لانچ کے گرد دائرہ تنگ کرتے جا رہے تھے۔ دفعتاً مجھے مارٹی نظر آیا۔ وہ میری ہی طرف آ رہا تھا۔ اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا۔

"یہ کیا ہے مارٹی؟"

"پتہ نہیں باس پتہ نہیں' اجنبی بات ہے بالکل اجنبی۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"تم اس جزیرے کو دیکھ رہے ہو؟"

"پہلے نہیں دیکھا تھا باس' اب دیکھ رہا ہوں۔"

"یہ کون سی جگہ ہو سکتی ہے؟"

"خدا جانے۔" مارٹی گہری سانس لے کر بولا۔

"کیوں تم اندازہ نہیں لگا سکتے؟"

"نہیں باس' کہاں۔ طوفان نے لانچ کو نجانے کہاں سے کہاں پھینک دیا ہے۔ کمپاس کام کرنا چھوڑ چکے ہیں' انجن میں بھی خاصی ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے' پتہ نہیں ہم کس طرف نکل آئے ہیں۔"

"یہ تو بہت ہی خطرناک بات ہوئی مارٹی!"

"ہاں سر' ایسا ویسا خطرناک بات۔ اگر سمندری پولیس ہم سے ٹکرا جاتی تو اس سے تو کچھ معاملہ بن بھی سکتا تھا' ہم اس سے مقابلہ کر لیتے' پرسکون حالات میں سب کچھ ہوتا لیکن یہ صورت حال بڑی خطرناک ہے' ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ یہ لوگ کون ہیں۔" مارٹی نے جواب دیا۔ نجانے کیوں مجھے اس کا یہ لہجہ مصنوعی مصنوعی سا محسوس ہو رہا تھا۔ مارٹی اتنا فکر مند نہیں تھا جتنا اسے ہونا چاہئے تھا۔ ممکن ہے یہ صرف میرا احساس ہو' میں نے اس کا اظہار نہیں کیا۔

"گیشی کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سو رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں ساری رات جاگتا رہا ہے اور پھر اس کے' زخموں نے اسے نڈھال کر رکھا ہے۔ اگر عام حالات ہوتے تو شاید وہ ہفتوں بستر سے اٹھنا پسند نہ کرتا۔ بہت بری حالت کر دی ہے آپ نے اس کی۔ وہ تو اپنے آپ چل بھی نہیں سکتا' دو آدمی اسے پکڑ کر چلاتے ہیں۔"

"اس کے ساتھ یہی ہونا چاہئے تھا۔ خیر' مگر اب یہ بتاؤ کہ کیا کرنا چاہئے؟"

"خاموشی چیف' بالکل خاموشی۔" مارٹی نے جواب دیا۔ میں گہری نگاہوں سے مارٹی کو دیکھ رہا تھا۔ نہ جانے میری چھٹی حس مجھ سے کیا کہہ رہی تھی حالانکہ اس سے قبل میں نے ایسی باتوں پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔ چھٹی حس وغیرہ سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی لیکن اس وقت...... اس وقت......

ہوورکرافٹس قریب سے قریب تر ہوتے جا رہے تھے۔ صبح کی روشنی بھی مددگار تھی اور چٹانوں سے پھوٹنے والی روشنی بھی اب اس قدر تیز نہیں لگ رہی تھی۔ چنانچہ ہوورکرافٹس صاف نظر آنے لگے تھے۔ ہر ہوورکرافٹ میں دو دو افراد تھے۔ ایک ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے ہوئے تھا اور دوسرا اسٹین گن تانے کھڑا تھا۔ لانچ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا تھا۔ دفعتاً پھر فائر ہوئے اور ایک ہوورکرافٹ قریب آ گیا پھر میگا فون سے ایک آواز ابھری۔

"لانچ والو۔ انجن اسٹارٹ کرو۔ کنارے کی طرف چلو۔ اگر لانچ سے کوئی کارروائی ہوئی تو چند سیکنڈ کے اندر پوری لانچ اڑا دی جائے گی۔ خبردار۔ حکم کی خلاف ورزی نہ ہو۔ انجن اسٹارٹ کرو۔"

"کیا خیال ہے چیف؟" مارٹی نے پوچھا۔ ایک بار پھر مجھے اس کا لہجہ مصنوعی لگا دل تو چاہا کہ اس سے کہوں کہ لانچ کو جزیرے کی مخالف سمت لے چلو لیکن اس کے بعد کے نتائج کا اندازہ ہو رہا تھا۔ اس لئے صرف ایک موہوم سے شبہے پر یہ خطرہ مول لینا

حماقت تھی۔

"ان کے حکم کی تعمیل کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ہاں باس۔ پھنس گئے ہیں۔ میں انجن روم کو ہدایت دے دوں۔" مارٹی نے کہا اور میرے پاس سے چلا گیا۔ ایاز خاموش تھا۔ میں اب کھڑا ہو گیا تھا۔ چند ساعت کے بعد لانچ ساحل کی طرف چل پڑی۔ ہوورکرافٹ اب بھی تیزی سے ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے اب وہ لانچ کے بہت قریب سے گزر رہے تھے اور ہم انہیں بخوبی دیکھ سکتے تھے۔"

"یہ پولیس تو نہیں ہو سکتی بھیا!" ایاز نے کہا۔

"بظاہر تو نہیں لگتی۔"

"عام لباس میں ہیں یہ لوگ۔"

"ممکن ہے ایکسائز والے ہوں۔" میں نے کہا اور ایاز خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔ میگا فون پر جو وارننگ دی گئی تھی وہ انگلش میں تھی اس کا مطلب ہے کہ وہ غیر ملکی تھے لیکن لانچ کس طرف نکل آئی ہے۔ اس مختصر وقت میں اس نے بہت طویل سفر تو نہ کر لیا ہو گا۔ طوفان بھی اسے زیادہ سے زیادہ کہاں تک لے جا سکتا تھا۔ بہرحال ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا ہمارے پاس۔

تھوڑی دیر کے بعد لانچ کنارے جا لگی۔ کنارے پر بیس پچیس آدمی کھڑے تھے ان میں سے پندرہ افراد کے پاس اسٹین گنیں تھیں جن کا رخ لانچ کی طرف تھا۔ بقیہ لوگ خالی ہاتھ کھڑے تھے۔

لانچ کا انجن بند ہو گیا اور پھر ان میں سے ایک نے کہا۔ "لانچ پر موجود لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ ایک ایک کر کے نیچے اتریں دونوں ہاتھ سر سے بلند ہوں اور سب قطار بنا کر اتریں۔ اگر لانچ سے ایک پتھر بھی پھینکا گیا تو پوری لانچ اڑا دی جائے گی۔"

ملاح ایک ایک کر کے اترنے لگے۔ ان کے ہاتھ سروں سے اونچے اٹھے ہوئے تھے۔ ایاز نے ٹھنڈی سانس لے کر میری طرف دیکھا۔ "خاموشی بہتر ہو گی ایاز۔ جس وقت تک ہمیں صورت حال کا صحیح اندازہ نہ ہو جائے۔ ہماری ایک جنبش بھی خطرناک ہو گی۔"

"او کے۔" ایاز نے گردن ہلا دی۔

"خاموش تماشائی بنے رہو بس۔"

"ٹھیک ہے۔" ایاز کے لہجے میں مکمل اطمینان تھا۔ ہماری باری آ گئی اور ہم بھی نیچے اتر آئے۔ پیروں کے نیچے تھوڑی دیر تک پانی رہا۔ اس کے بعد ریت آ گئی۔ نرم ریت تھی ہمارے پاؤں گندے ہو گئے اور جوتوں میں ریت بھر گئی۔ بھیگے ہوئے پائینچے بھی ریت میں لتھڑ گئے تھے۔

لانچ سے اترنے والے ایک قطار میں کھڑے ہوتے جا رہے تھے۔ میں اور ایاز بھی ان کے نزدیک کھڑے ہو گئے۔ آخری آدمی گیشی تھا جو اب دو ملاحوں کے سہارے سے نیچے آیا تھا۔

دفعتاً" ان لوگوں میں سے دو آدمی آگے بڑھے اور گیشی کے پاس پہنچ گئے۔ ان لوگوں کی گفتگو تو سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کا انداز دوستانہ ہو۔ ان لوگوں نے گیشی کو سنبھال لیا پھر ان میں سے ایک نے چیخ کر اسٹریچر طلب کیا۔ چٹانوں کے عقب میں اور لوگ بھی موجود تھے۔ فوراً ہی دو آدمی اسٹریچر لئے ہوئے دوڑے چلے آئے تھے۔ میری آنکھوں میں حیرت کے آثار دیکھ کر ایاز نے کہا۔

"یہ صورت حال تو خطرناک ہو گئی باس۔"

"ایں۔" میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں باس۔ اگر اس شخص کی ان لوگوں سے کوئی واقفیت ہے تو یہ ہمارے لئے انتہائی خطرناک بات ہو گی۔"

"ہوں۔ دیکھا جائے گا ایاز۔ فکر کیوں کرتے ہو۔" میں نے بے پرواہی سے جواب دیا۔ اسٹریچر گیشی کے نزدیک پہنچ گیا اور انہوں نے اسے نیچے رکھ دیا۔ گیشی نے کچھ پس و پیش کیا تھا لیکن اس کے قریب کھڑے ہوئے آدمی نے اس سے کچھ بات کی تو گیشی اسٹریچر پر لیٹ گیا۔ دونوں آدمی اسٹریچر اٹھائے ہوئے انھی چٹانوں کی جانب بڑھ گئے تھے۔ باقی افراد اسی قطار میں کھڑے ہوئے تھے' ان میں مارٹی بھی شامل تھا۔

تب اسٹین گن بردار کچھ اور قریب آ گئے اور پھر چار آدمی دونوں سروں سے کھڑے ہوئے لوگوں کی تلاشی لینے لگے۔ دفعتاً" ان میں سے ایک نے چیخ کر پوچھا۔

"لانچ میں کوئی اور باقی تو نہیں رہ گیا؟"

"نہیں جناب کوئی نہیں ہے۔" مارٹی نے جواب دیا۔

"ہوں۔" اس شخص نے کچھ لوگوں کو اشارہ کیا اور مزید چار آدمی جن کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں آگے بڑھ کر لانچ کی طرف چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد وا لانچ میں داخل ہو گئے تھے۔ میری اور ایاز کی تلاشی بھی لی گئی اور ہماری جیبوں میں سے ج کچھ بھی نکلا' انہوں نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا پھر اسٹین گن برداروں نے ہمیں قطا کی شکل میں ایک طرف چلنے کے لئے کہا اور ہم چل پڑے۔ اب ہمیں ہاتھ اٹھانے ک ہدایت نہیں کی گئی تھی۔

چٹانوں کے عقب میں باقاعدہ مکانات بنے ہوئے تھے' یہ مکانات پہاڑی پتھرو سے بنائے گئے تھے۔ بھدے اور بدنما سے تھے جگہ جگہ اینٹیں گری ہوئی تھیں لیک بہرصورت ان میں آبادی بھی ہو گی۔ باقی جزیرہ درختوں اور لمبی لمبی جھاڑیوں سے ڈھکا

معلوم ہوتا تھا۔ صرف چٹانوں کے عقب کا حصہ پتھریلے مکانوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ چلتے چلتے آخر کار ہم ایک کھنڈر نما عمارت میں داخل ہو گئے جس کے اوپر ایک دید بان سا بنا ہوا تھا۔ اس دید بان میں ایک آدمی موجود تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس دید بان سے دور تک سمندر میں دیکھا جا سکتا ہو گا۔ تو وہ چٹانوں میں چھپے ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا تھا۔

عمارت کے اندر ایک بڑے سے کمرے میں ہمیں لے جایا گیا' یہاں بھی چند لوگ موجود تھے۔ جنہوں نے کھڑے ہو کر ہمارا استقبال کیا اور پھر کسی نامانوس سی زبان میں ایک دوسرے سے بات کرنے لگے' میں اس زبان کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ یہ کون سی ہے' ان باتوں کا دوسرے لوگوں نے جواب بھی دیا اور پہلے سے موجود لوگ بغور ہمیں دیکھنے لگے پھر انہوں نے آہستہ آہستہ کچھ کہا اور اس میں سے دو آدمی آگے بڑھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر میرے دونوں بازو پکڑ لئے تھے' میں کسی قدر چوکنا سا ہو گیا تھا۔ مجھے یوں پکڑنے کی کیا ضرورت تھی' وہ دونوں مجھے دھکیلتے ہوئے آگے لانے لگے۔

ایاز کے چہرے پر اضطراب کے آثار دیکھ کر میں نے اسے غیر محسوس انداز میں آنکھ ماری اور ایاز کسی قدر ٹھنڈا پڑ گیا۔ میرے ساتھ یہ سلوک ہوتا دیکھ کر' شاید اس سے برداشت نہیں ہو پا رہا تھا۔ تاہم میں نے اسے یہی اشارہ کیا تھا کہ وہ خود پر قابو رکھے اور حالات پر نگاہ رکھے۔

وہ لوگ مجھے لئے ہوئے' اسی کھنڈر نما عمارت کے ایک کمرے میں آ گئے۔ اس میں دروازہ لگا ہوا تھا' انہوں نے مجھے اندر دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا۔

"اچھا خاصا کشادہ کمرہ تھا جس میں نجانے کیا کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ پھٹے ہوئے لباس' جوتے' لوہے کی فضول چیزیں اور نجانے کیا کیا۔ یہ جگہ ایسی نہیں تھی جہاں چند منٹ بھی گزارے جائیں لیکن بہرصورت فی الوقت یہی میری آرام گاہ تھی' انہوں نے مجھے اندر دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا تھا اور خود شاید چلے گئے تھے۔ کمرے کے کھردرے فرش پر بیٹھنے کی جگہ بھی نہ تھی۔ لوہے کی کیلیں کرسیوں کے ٹوٹے ہوئے پائے اور نجانے کیا کیا چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ میں نے چند منٹ کھڑے ہو کر کچھ سوچا اور پھر لکڑی کا ایک بڑا سا کنڈا اٹھا کر نیچے پڑی ہوئی چیزیں صاف کرنے لگا۔ اس کے علاوہ چارہ کار بھی نہ تھا۔ نہ جانے کتنی دیر مجھے یہاں قید رہنا پڑے۔ تھوڑی سی جگہ صاف کرنے کے بعد میں نے اپنے لیے جگہ بنائی اور بیٹھ کر جوتے اتار دیئے۔ پیروں میں ریت چبھ رہی تھی جو موزوں میں بھی بھر گئی تھی۔ جس حد تک ممکن ہو سکا میں نے انگلیاں صاف کیں اور پھر پتلون کے پائینچے جھاڑنے لگا لیکن ابھی یہ پائینچے کافی گیلے تھے اس لئے ریت صاف نہیں ہو سکی تاہم کسی قدر سکون مل گیا تھا۔ البتہ قرب و جوار کی زمین پھر کرکری ہو گئی تھی۔

میں نے اس طرف سے توجہ ہٹا دی۔ رات بھر شدید طوفانی بارش میں کھڑے رہے تھے۔ پانی کے ریلوں نے بدن کو چور چور کر دیا تھا جس کا احساس اب ہو رہا تھا۔ دماغ چکرا رہا تھا اور آنکھیں جل رہی تھیں۔ دل چاہ رہا تھا کہ بس سو جاؤں لیکن یہ جگہ......

پھر نیند اور سولی کا مقولہ یاد آیا اور ایک بار پھر ہمت کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ جگہ کم تھی، تھوڑی سی جگہ اور بنائی تھی چنانچہ میں نے چند چیزیں صاف کیں اور انہیں سرہانے رکھ کر لیٹ گیا۔ بھیگا ہوا لباس بدن پر مصیبت لگ رہا تھا لیکن اب کوئی مصیبت مصیبت نہیں تھی۔ اس طرف سے توجہ ہٹا کر آنکھیں بند کر لیں۔ دل میں ایک ہی خواہش تھی کہ نیند آ جائے۔ دماغ بہت کچھ سوچنا چاہتا تھا، سمجھنا چاہتا تھا لیکن رات بھر کی صعوبتوں نے اسے اس قابل نہیں چھوڑا تھا۔ چنانچہ ان حالات میں بھی نیند آ گئی اور وہ تصور ثابت ہو گیا۔ نیند درحقیقت رب کریم کی بہت بڑی نعمت ہے نہ جانے کب تک سوتا رہا، نیند پوری ہوئی تو آنکھ خود بخود کھل گئی۔ کمرے میں گھپ تاریکی تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دے رہا تھا۔ ذہن ایاز کی طرف مڑ گیا۔ اسے مجھ سے دور کیوں رکھا گیا ہے۔ کوئی خاص وجہ ہے اس کی یا صرف اتفاق ہے۔ ممکن ہے انہوں نے تمام گرفتار شدگان کو الگ الگ رکھا ہو تاکہ ان کے خلاف کوئی سازش نہ کی جا سکے۔

ذہن سے کچھ اور گرد چھٹی تو میں نے ان لوگوں کے بارے میں سوچا۔ یہ کون اور یہ جزیرہ۔ کوئی باقاعدہ آبادی ہے یا صرف ایک جزیرہ ہے اور اگر صرف جزیرہ ہے تو یہ جزیرہ کس کی تحویل میں ہے؟ کوئی جواب نہیں بن پڑتا تھا۔ پھر گیشی یاد آیا۔ انہوں نے گیشی کے ساتھ بہتر سلوک کیا تھا۔ اس کی کوئی خاص وجہ تھی۔ کیا گیشی سے ان لوگوں کا کوئی تعلق تھا؟ اگر ایسا ہوا، پھر تو مصیبت ضرور آئے گی۔ گیشی انتقام لے گا۔

بہرحال جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں تو اس سفر کے حق میں ہی نہیں تھا بس چم کی فرمائش پوری کرنے والی بات تھی۔ ورنہ مجھے کون سا اسمگلر بننا تھا۔ ساری زندگی ا اور فریدہ کی تلاش میں صرف کر دیتا لیکن ان کا کوئی نشان ملتا جب نا...... اور اب تو مجھے ص آتا جا رہا تھا، جو تڑپ پہلے دل میں تھی وہ اب نہیں رہی تھی اور جو اب ہے وہ آئندہ نہیں رہے گی۔ آخر لوگ مرنے والوں کے لئے بھی تو صبر کر لیتے ہیں۔ ویسے اگر مجھے ا کی موت کا یقین ہو جاتا تب بھی صورت حال بدل سکتی تھی...... کم از کم یکسوئی مل جاتی دل میں یہ آگ تو نہ لگی ہوتی۔ حالانکہ دبے لفظوں میں، میں نے چمن سے اس سلسلے میں معذرت چاہی تھی لیکن وہ پیچھے ہی پڑ گیا۔ بڑی انوکھی کیفیت تھی۔ اگر غور کرتا تھا تو دما میں پن چکی سی چلنے لگتی تھی۔ کتنے لوگ میرے دشمن تھے اور کتنے لوگوں کا میں ممنون ک تھا۔ پروفیسر شیرازی، سرخاب، لیڈی جہانگیر، چمن، ان سب کے میرے اوپر بے پناہ احسانا تھے اور بڑا ہی قرض چڑھ گیا تھا میری ذات پر...... میں تو یہی محسوس کرتا تھا کہ میہ

اپنی شخصیت کچھ بھی نہیں رہ گئی، بس ان لوگوں کے سہارے زندگی پائی ہے ورنہ کسی جیل کی سلاخوں کے پیچھے پڑا سڑ رہا ہوتا، کیا یہ مناسب ہے؟

یہ سوال میرا، اپنے آپ سے تھا۔ کیا میں اسی طرح دوسروں کے ہاتھوں کھلونا بنا رہوں، پہلے دوسروں کی دشمنی کا شکار تھا اب دوسروں کی دوستی کا شکار ہوں۔ کیا اسی طرح میری زندگی گزر جائے گی، اگر نہیں تو مجھے کیا کرنا چاہئے تھا۔ کیا کہتا میں چمن سے؟ کیسے منع کرتا اسے کہ ابھی میں یہ سب کچھ کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ مجھے پہلے اپنی زندگی کا مقصد تلاش کرنے دیا جائے اس کے بعد میں ان لوگوں کے یہ احسانات بھی اتار دوں گا لیکن میں دل سے چاہنے کے باوجود یہ سب کچھ نہیں کہہ سکا تھا، کیوں۔ آخر کیوں؟

ایسا کب تک ہوتا رہے گا، کب تک، آخر زندگی کا کوئی لمحہ تو ایسا ہونا چاہئے جس پر صرف اور صرف میرا حق ہو۔ ٹھیک ہے ان لوگوں کے احسانات نے بے شک مجھے جھکا رکھا ہے لیکن اس کا مقصد یہ بھی نہیں ہے کہ میں کچھ نہ کہہ سکوں کچھ نہ بول سکوں۔ ذہن و دل پر شدید جھنجلاہٹ سوار ہو گئی اور میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس جھنجلاہٹ سے نجات پانے کے لئے کچھ کرنا ضروری تھا۔ ورنہ یہ احساسات مجھے پاگل کر دیتے بس ایک جنون سوار ہو گیا تھا۔ میں نے دھر ادھر دیکھا۔ اسی وقت دروازے پر آہٹ سنائی دی اور میں چونک کر اس طرف دیکھنے لگا۔ دروازہ کھولنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

نہ جانے میرے ذہن میں کیا سمائی کہ میں اپنی جگہ جا کر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ چند ثانیئے کے بعد دروازہ کھلا۔ میں نے نیم وا آنکھوں سے دیکھا۔ ٹارچ کی روشنی کمرے میں پھیلتی ہوئی آئی اور مجھ پر رک گئی۔ دو آدمی دروازے کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کے پاس ٹارچ تھی۔ اسٹین گنیں شاید اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھیں۔ میں نے ان میں سے ایک کی آواز سنی۔

”مزے سے سو رہا ہے کتا۔“

”جگاؤ اسے...... اپنے باپ کا گھر سمجھ لیا ہے۔“ دوسرے نے جواب دیا اور میں نے ان کے مزاج کا اندازہ لگا لیا۔ مجھے پتہ چل گیا کہ میں ان کے نزدیک کیا حیثیت رکھتا ہوں اور وہ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ ان میں سے ایک میرے نزدیک آ گیا اور پھر اس نے میری پسلی پر ٹھوکر لگانے کے لئے پاؤں اٹھایا ہی تھا کہ میں نے لپک کر اس کی ٹانگ پکڑ لی پھر نہایت پھرتی سے اسے مروڑ دیا۔ وہ بڑی بری طرح اوندھے منہ گرا تھا لیکن میں نے اسے یونہی نہ چھوڑا۔ میں نے اس کی گردن انگلیوں کے شکنجے میں کس کر اس کا منہ زمین سے رگڑ دیا تھا۔

دوسرا شخص جو ٹارچ لئے کھڑا تھا اپنے ساتھی کی یہ درگت دیکھ کر اچھل پڑا اور پھر وہ پوری قوت سے مجھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ لیکن میری لات کی ایک ہی ضرب سے وہ

لڑھکنیاں کھاتا ہوا دور جا گرا' اس کے منہ سے ایک کریہہ چیخ نکل گئی تھی۔ ٹارچ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ میں نے فوراً ٹارچ پر قبضہ کیا اور اسے بند کر کے اپنی تحویل میں لے لیا اور پھر کھڑے ہو کر ٹھوکروں سے ان کی تواضع شروع کر دی۔ چند ساعت کے بعد وہ دونوں بے ہوش پڑے تھے' ٹارچ میرے ہاتھ میں تھی' میں نے دروازے کی جانب دیکھا اور پھرتی سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا لیکن دروازوں کو اندر سے بند کرنے کا انتظام نہیں تھا۔ اندر کوئی چٹخنی وغیرہ نہیں لگی ہوئی تھی۔ اس لئے میں نے کواڑ بھیڑنے پر ہی اکتفا کیا' اس دوران میں' میں اپنے حواس بحال کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ پھر میں نے ٹارچ روشن کر کے ان دونوں کا دوبارہ جائزہ لیا ایک کا سر پھٹ گیا تھا اور دوسرے کی ناک اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک کھڑا انہیں دیکھتا رہا پھر دبے پاؤں دروازہ کھول کر پھرتی سے نکل آیا۔

سامنے کا حصہ تاریک پڑا تھا' دور دور تک کسی انسانی وجود کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ میں ایک گوشے میں کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ اب کیا کروں۔ کیونکہ یہاں سے فرار ہونے کا مسئلہ بے حد مشکل تھا۔ اول تو یہ ایسا ...... جزیرہ تھا جس کے بارے میں مجھے کچھ معلومات نہیں تھیں کہ کتنا وسیع و عریض ہے اور میں اس میں کہاں تک جا سکتا ہوں' سمندر کے راستے بھی آگے بڑھنا ناممکن تھا کیونکہ میں وہ ہوورکرافٹس دیکھ چکا تھا جو انتہائی برق رفتار تھے اور جن کے ذریعے کسی بھی فرار ہونے والے کو باآسانی پکڑا جا سکتا تھا۔ بس یہی ایک ترکیب تھی کہ میں اندھا قدم اٹھاؤں اور جزیرے کے کسی ایسے حصے میں نکل جاؤں' جہاں ان کی نگاہوں سے محفوظ رہ سکوں۔ ہر چند کہ مجھے اس کے بارے میں معلومات نہیں تھیں اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ یقیناً مجھے ڈھونڈ نکالیں گے اور اس کے بعد میرے ساتھ جو سلوک ہو گا اس کا تصور باآسانی کیا جا سکتا تھا۔ ویسے یہ مسئلہ بھی بہت زیادہ ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ میں نے ان کے دو آدمیوں کو شدید زخمی کر دیا تھا جس کے نتیجے میں فوری دشمنی کا آغاز ہو گیا تھا۔ یعنی یہ ناممکن تھا کہ وہ مجھ سے گفت و شنید کر کے کوئی رعایت کر دیتے گویا اب اپنے ساتھیوں کے اس حشر کے بعد تو ان کے نزدیک کسی رعایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ایک طرح سے مجھ سے بھی حماقت ہی ہوئی تھی' ان لوگوں کو زخمی نہ کیا جاتا بلکہ کوئی اور ترکیب کی جاتی لیکن ذہن پر جو چھپکلی سوار ہو گئی تھی اسے اتارنا بے حد مشکل کام تھا' بس ایک جنون تھا اور عجیب احساسات تھے جو میرے ذہن پر مسلط ہو گئے تھے' اس میں یہ احساس بھی تھا کہ خواہ مخواہ احسانات اتارنے کی حماقت نہیں کرنی چاہئے تھی۔ ابھی احسانات اتارنے کا وقت نہیں ہے ابھی تو مجھے خود ہی اپنے بچاؤ کے لئے کوئی بہتر بندوبست کرنا ہے' میں چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا تھا' دوستوں کی دوستی سر آنکھوں پر لیکن اس دوستی کا قرض ابھی ادا نہیں کیا جا سکتا تھا جب تک کہ اپنی کیفیت درست نہ ہو۔

ابھی میں اس حماقت کی تلافی کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک چار پانچ افراد اسی طرف آتے نظر آئے۔ یہ سب مسلح تھے۔ میں نے بے چینی سے ادھر ادھر دیکھا لیکن فرار کی کوئی راہ نہیں تھی۔ ان لوگوں کا رخ بھی اسی طرف تھا۔ ایک ہی ترکیب دماغ میں آئی۔ میں نے ٹارچ ایک طرف اچھال دی اور وہیں زمین پر لیٹ کر کراہنے لگا۔

"ٹارچ گرنے کی آواز پر ہی وہ چونک پڑے تھے اور پھر کئی ٹارچوں کی روشنیاں میرے چہرے پر پڑیں اور مجھے پہچان کر وہ میری طرف لپکے دوسرے لمحے وہ میرے گرد کھڑے تھے۔

"یہ باہر کیسے نکل آیا؟"

"کیا دروازہ بند نہیں کیا گیا تھا؟"

"پانی۔ آہ۔ مجھے پانی دو۔" میں نے کراہتے ہوئے کہا اور دو آدمی جھک کر ٹارچ کی روشنی میں میرا چہرہ دیکھنے لگے پھر انہوں نے اسی نامعلوم زبان میں ایک دوسرے سے کچھ کہا جو میری سمجھ میں نہیں آتی تھی اور اس کے بعد دو آدمیوں نے جھک کر دونوں طرف سے میری بغلوں میں ہاتھ ڈال دیئے۔

اس وقت وہ میری زد پر تھے۔ تھوڑی سی کوشش سے میں ان کے دماغ درست کر سکتا تھا لیکن یہ سب مسلح تھے اور اسٹین گنوں کی مسلسل گولیاں میرے پورے بدن میں روشندان کھول سکتی تھیں۔ ایک حماقت کرنے کے بعد دوسری حماقت بہتر نہ ہوتی۔

چنانچہ میں ان کے ساتھ گھسٹتا رہا۔ میں نے اپنا بدن ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔ وہ لوگ کافی دور تک گھسیٹتے رہے اور پھر ایک کمرے میں لا کر فرش پر ڈال دیا۔ کافی وسیع و عریض کمرہ تھا جس میں ایک میز کے گرد دو افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ رات کا وقت تھا اس لئے میں ان کے چہرے نہیں دیکھ سکا۔

"مجھے لانے والے اپنی اسی مخصوص زبان میں ان دونوں سے کچھ کہہ کر باہر نکل گئے۔ میں نے آنکھیں بند کر کے اپنا بدن ساکت کر لیا۔ آنکھوں سے انتہائی خفیف سی جھری پیدا کر کے میں انہیں دیکھ رہا تھا۔ ان میں سے ایک اٹھ کر میرے قریب آ گیا اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکا اور مجھے دیکھنے لگا۔

"شاید بے ہوش ہے۔"

"مگر کیسے؟"

"پتہ نہیں۔"

"ہوش میں لاؤ اسے۔" دوسرے نے کہا اور میرے نزدیک آنے والا ایک طرف بڑھ گیا چونکہ اب وہ میری طرف متوجہ تھے اس لئے میں نے آنکھوں کی جھری بھی بند کر لی مبادا انہیں شک ہو جائے۔

وہ شخص واپس پلٹ کر میرے پاس آیا اور یکایک پانی سے بھرا ہوا ایک جگ میرے سر پر الٹ دیا۔ میں نے آنکھیں کھول کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن پھر لڑکھڑا کر گر پڑا۔

اب دوسرا آدمی بھی نزدیک آ گیا تھا۔ دونوں نے مل کر مجھے اٹھایا اور ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ کمرے میں چند موم بتیاں جل رہی تھیں جن کی روشنی محدود تھی اور پورے کمرے کا ماحول صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ تاہم شمعوں کی کانپتی ہوئی روشنی میں' میں نے ان دونوں کا جائزہ لیا۔

ان میں ایک ایشیائی باشندہ تھا اور دوسرا غیر ملکی۔ دونوں تندرست و توانا اور خشک سے چہروں کے مالک تھے۔ ان کے بشرے سے خشونت ٹپکتی تھی اور صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سفاک اور سنگدل ہیں' دونوں گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

"کون ہو تم؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"ملاح۔" میں نے جواب دیا۔

"لانچ کس کی ہے؟"

"چمن کی۔"

"چمن کون ہے؟"

"اس لانچ کا مالک۔"

"لانچ انچارج کون ہے؟" اسی شخص نے پوچھا۔

"مارٹی۔" میں نے جواب دیا اور وہ دونوں بے اختیار ہنس پڑے۔

"مارٹی انچارج ہے؟"

"ہاں۔"

"مگر وہ کہتا ہے کہ لانچ کے انچارج تم ہو۔"

"انہوں نے مجھے صرف ایک ڈمی کی حیثیت سے رکھا ہوا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"کسر نفسی سے کام لے رہے ہو۔ لانچ پر تمہارے احکامات چلتے تھے۔" اس نے مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا نا' کہ میں ڈمی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اصل احکامات مارٹی کے ہی ہوتے تھے جو میری زبانی دوسروں تک پہنچتے تھے۔"

"تمہیں ڈمی کس نے مقرر کیا تھا؟"

"اس لانچ کے مالک چمن نے۔"

"کیا وہ اسمگلر ہے؟"

"ہاں!"

"لانچ پر کیا لدا ہوا ہے؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔"

"لیکن مال کے کاغذات تمہارے لباس سے برآمد ہوئے ہیں۔"

"جو کچھ ہوا ہے' سب ایک مذاق ہے۔ میں ایک معمولی سا انسان ہوں اور تم لوگوں کے لئے بالکل بیکار۔"

"پھر انکسار سے کام لے رہے ہو۔ اب اتنے معمولی بھی نہیں ہو تم۔ بہرحال یہاں ہماری تحویل میں رہ کر تمہیں خوشی ہوگی۔" اس نے کہا اور دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ خون کھول رہا تھا ان کی ہنسی پر۔ مگر صورت حال عیاں تھی۔ بے مقصد جان دینے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ چنانچہ میں خاموشی سے ان کی شکلیں دیکھتا رہا۔

کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ دفعتاً دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر دروازہ کھول کر تین چار افراد بگڑے ہوئے سانڈوں کی طرح اندر گھس آئے۔ ان کے چہرے خوفناک ہو رہے تھے۔

"مارو۔ مارو اسے مار مار کر ہلاک کر دو کتے کے بچے کو جان سے مار دو۔" ان میں سے ایک نے کہا اور وہ سب میری طرف لپکے لیکن وہ شخص آگے بڑھ کر زور سے چیخا جو اب تک مجھ سے گفتگو کرتا رہا تھا۔

"کیا بدتمیزی ہے۔ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟" وہ سب ایک دم رک گئے تھے۔

"اوہ مسٹر بل۔ اس کتے نے تھامس اور روبل کو شدید زخمی کر دیا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو۔"

"وہ دونوں اس کے کمرے میں بے ہوش پڑے تھے۔ شدید زخمی ہیں دونوں' انہیں اسپتال بھجوا دیا گیا ہے۔"

"تمہاری بکواس سمجھ میں آتی ہے؟ تم اسے بے ہوشی کی حالت میں یہاں لائے تھے۔"

"وہ اس کی اداکاری ہو سکتی ہے۔ مسٹر گیشی آپ کو اس شیطان کے بارے میں بتا چکے ہیں۔" اس شخص نے کہا اور دونوں آدمی چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگے۔ دفعتاً اس شخص کا چہرہ اتر گیا جس نے گیشی کا نام لیا تھا۔ میں بھی سن ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ میرا شبہہ درست تھا۔

"مم۔ معافی چاہتا ہوں جناب۔" وہ ہکلایا۔

"جاؤ۔ انسان کو پاگل پن کا خمیازہ بھگتنا ہوتا ہے۔ جاؤ آرام کرو تم اور ہاں سنو

جیگر اور کولین کو بھیج دو۔"

"یس سر۔ یس سر۔" وہ شخص سب سے پہلے باہر نکلا تھا۔ باقی لوگوں نے بدحواسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

"گیٹ آؤٹ۔" بل حلق پھاڑ کر چیخا اور وہ سب باہر نکل گئے۔ تب بل میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "کیا یہ حقیقت ہے؟"

"کیا؟" میں نے پوچھا۔

"تم نے کسی کو مارا ہے؟"

"کیا آپ میری حالت ایسی پا رہے ہیں مسٹر بل؟ ہاں اتنی حقیقت ضرور ہے کہ نشے میں ڈوبے ہوئے دو آدمی لڑتے ہوئے میرے کمرے میں گھس آئے تھے اور وہاں بھی لڑ رہے تھے۔"

"پھر؟"

"پھر وہ گر پڑے۔ ان کے گرنے کے بعد ہی میں باہر نکلا تھا۔ اتنی دیر میں دو نئے آدمی اندر گھس آئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں بھی اسٹین گنیں دبی ہوئی تھیں۔

"اسے لے جاؤ اور بارہ نمبر میں بند کر دو۔ دو آدمیوں کا پہرہ لگا دو۔ جاؤ اور اگر تمہاری خوش بختی اجازت دے تو سکون سے وقت گزارو۔ اگر دوسری کوئی حرکت ہوئی تو دونوں ٹانگیں درمیان سے چیر دی جائیں گی۔ یہاں اس کا معقول انتظام ہے۔"

"چلو۔" نئے آنے والوں میں سے ایک نے اسٹین گن کی نال میری گردن میں چبھوئی اور میں تھکے تھکے انداز میں کرسی سے اٹھ کر ان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ اس احاطے کی پہلی کوٹھری نمبر بارہ تھی مجھے اس تنگ و تاریک کوٹھری میں داخل کر دیا گیا اور دروازہ باہر سے بند ہو گیا۔

یہ کوٹھری بہت مختصر تھی۔ زمین کھردری تھی اور وہاں کوئی چیز نہیں تھی سوائے زمین اور دیواروں کے۔ میں زمین پر بیٹھ گیا۔ دیکھنا تھا کہ تقدیر اب کون سے نئے گل کھلاتی ہے۔ دوسری صبح کوٹھری کا دروازہ کھلا اور دو آدمی میرے لئے ناشتہ لے کر آئے اور اسے اندر رکھ کر چلے گئے۔

چائے کا ایک کپ اور دو روٹیاں تھیں جو بالکل کچی اور ..... موٹی موٹی تھیں۔ میں نے صرف چائے پی لی جو پھیکی اور بدمزہ تھی۔ اس کے بعد پورا دن گزر گیا اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی بھوک لگ رہی تھی اور طبیعت کسی قدر نڈھال ہو گئی تھی۔ صبح کے ناشتے کے بعد وہ مجھے بھول گئے تھے لیکن رات کو ایک بار پھر کوٹھری کا دروازہ کھلا اور وہ دونوں افراد نظر آئے جو دن میں ناشتہ رکھ گئے تھے۔

"باہر آؤ۔" ان میں سے ایک نے کہا اور میں باہر نکل آیا۔ دونوں مسلح تھے لیکن

اب میں کوئی احمقانہ جدوجہد کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ہاں کوئی ٹھوس قدم اٹھانے کا موقع مل جائے تو سوچا جا سکتا ہے۔ میں ان کے ساتھ چلتا ہوا دوبارہ اسی عمارت میں آ گیا جہاں پہلے قید تھا۔

اس بار مجھے دو بالکل نئے لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور یہ دونوں یقیناً میرے ملک کے باشندے تھے۔ میرے اس کمرے میں داخل ہونے کے بعد جو تیسری شخصیت اس کمرے میں داخل ہوئی وہ چونکا دینے والی تھی۔

یہ گیشی تھا جو اپنے قدموں سے چلتا ہوا آیا تھا۔ اس کے جسم پر ایک عمدہ تراش کا سوٹ تھا اور وہ بدلا بدلا سا نظر آ رہا تھا۔ اس نے خونی نگاہوں سے مجھے گھورا اور ان دونوں کے پاس پہنچ گیا۔ تینوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ان کے علاوہ کمرے میں چار افراد اور تھے جو اسٹین گنیں تانے کھڑے ہوئے تھے۔

"شروع کریں مسٹر گیشی!" پہلے سے موجود لوگوں میں سے ایک نے کہا اور گیشی مجھے گھورتا ہوا بولا۔

"کیسے مزاج ہیں انچارج صاحب؟" میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"کچھ معلومات درکار ہیں آپ کے بارے میں؟" گیشی پھر بولا۔ میں خاموشی سے اس کی شکل دیکھتا رہا۔ "زبان نہیں کھولو گے؟" گیشی دھاڑا..... اور پھر اس نے نزدیک بیٹھے ہوئے ایک آدمی سے کچھ کہا اور اس نے گردن ہلا دی پھر وہ زور سے بولا۔

"ہیڈ لینو۔ مارکو!" ایک اسٹین گن بردار باہر نکل گیا اور چند ساعت کے بعد گٹھے ہوئے بدن کے دو افراد کے ساتھ اندر آ گیا۔ دونوں کے چہرے بری طرح بگڑے ہوئے تھے۔ دانت غائب تھے۔ درجنوں زخموں کے نشانات صرف ان کے چہروں پر تھے۔ بدن تک تو نہ جانے کیا کیفیت ہو گی۔ چست سیاہ لباس پہنے ہوئے تھے اور کلائیوں پر موٹے چمڑے چڑھے ہوئے تھے۔

"اپنی مرمت یاد ہے گیشی؟" میں نے مسکرا کر کہا اور گیشی شدید طیش کے عالم میں کھڑا ہو گیا۔

"مارو۔ مارو اسے۔" اس نے کہا اور وہ دونوں گردن جھکا کر سیدھے ہو گئے۔ میرے ذہن میں پھر وہی جنون ابھرنے لگا تھا زندگی اتنی دلکش نہیں ہے کہ میں مصلحت کے لبادے اوڑھ لوں دونوں میرے قریب آ گئے۔

"ٹھہرو۔" گیشی نے کہا اور وہ دونوں رک گئے۔ "میرے سوالات کے جواب دو گے یا نہیں؟" اس بار وہ مجھ سے مخاطب تھا۔

"دے دوں گا گیشی۔ جلدی کیا ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اسے زبان کھولنے کے لئے تیار کرو۔" گیشی نے میرے نزدیک کھڑے دونوں آدمیوں سے کہا اور ان میں سے ایک میرے سامنے آگیا۔ اس نے دونوں انگلیاں سیدھی کر لی تھیں یہ انگلیاں یقیناً فولاد کی طرح مضبوط ہوں گی اور وہ انہیں میرے بدن کے نازک حصوں میں چبھو کر مجھے اذیت دینا چاہتا تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ بلند کئے اور وہ ان کی طرف متوجہ ہو گیا لیکن اصل کام پیروں کا تھا۔ میری ٹھوکریں اس کی پنڈلیوں پر پڑیں اور پھر میں برق کی طرح کوند کر دوسرے پر جاگرا جو اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ میں اسے لئے ہوئے زمین پر ڈھیر ہو گیا اور اس وقت مضروب نے مجھ پر چھلانگ لگا دی۔ ظاہر ہے وہ بھی لڑاکا تھا اور صرف میری ٹھوکروں سے ہی ناکارہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن میں اس کی چھلانگ کو محسوس کر چکا تھا۔ اس لئے ایک دم اپنے شکار سے ہٹ گیا اور چھلانگ لگانے والا پوری قوت سے اپنے ساتھی پر گرا۔ دفعتاً میرے ذہن میں بجلی سی کوند گئی۔ جلال بابا کا ایک داؤ یاد آگیا تھا۔ دوسرے لمحے میں ان دونوں پر جا پڑا۔ میں نے ان کے پیٹ کے نازک حصوں پر دونوں کہنیاں ماریں اور ان کی کراہیں نکل گئیں۔ میں صرف ان کے بدن ایک لمحے کے لئے ڈھیلے کرنا چاہتا تھا اور اپنی اس کوشش میں' میں کامیاب ہو گیا۔ جونہی ان کے بدن ڈھیلے پڑے میں نے مخصوص انداز میں ان دونوں کی ٹانگیں آپس میں پھنسا دیں اور پھر ان میں سے ایک کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے الٹ دیا۔ ایک دلچسپ منظر نگاہوں کے سامنے آگیا۔

"ان کی ٹانگیں بری طرح آپس میں پھنسی ہوئی تھیں اور بالکل مخالف سمت م گئی تھیں جس سے وہ شدید اذیت کا شکار ہو گئے تھے...... ہاتھ سرپٹخ رہے تھے لیکن ان کی ہر جنبش ان کی ٹانگیں توڑے دے رہی تھی۔ دونوں آمنے سامنے تھے اور کرب و اذ کے آثار ان کے چہروں پر منجمد تھے۔ شدید تکلیف سے وہ بے حال ہوئے جا رہے تھے ا اب ان میں جنبش کرنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔

"ہاں مسٹر گیشی اب فرمائیے۔ کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ مجھ سے......؟"

گیشی کی آنکھوں سے خوف کے آثار نمایاں تھے۔ دوسرے لوگ بھی حیرت سے منہ کھولے ان دو مرغوں کو دیکھ رہے تھے جو آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے بگڑے ہوئے چہرے اور بگڑ گئے تھے۔

گیشی نے خود کو سنبھال لیا۔ دوسرے لوگ بھی سنبھل گئے اسٹین گن وا مجھ پر گولیاں برسانے کے لئے تیار تھے لیکن شاید کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا جائے۔ اصولی طور پر گیشی کو ایک اور شکست ہوئی تھی۔

"سوال کرو گیشی۔" میں نے کہا لیکن اب گیشی خاموش تھا پھر اس نے دا پیس کر اپنے قریب بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں سے کہا۔

"یہ کیا ہے مسٹر ڈی سوزا۔ یہ آپ کے لڑاکے ہیں؟"

"بہت کچھ ہے مسٹر گیشی۔ اس وقت پوچھ گچھ نہ کریں۔ بہتر ہے یہ کام کسی دوسرے وقت کے لئے اٹھا رکھیں۔" ڈی سوزا نے جواب دیا۔ گیشی تلملا کر رہ گیا۔

"میں تمہارے سوالات کے جواب دینے کے لئے تیار ہوں گیشی۔ پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" لیکن گیشی کی حالت عجیب ہو گئی تھی۔ وہ مجھ پر دانت پیس رہا تھا لیکن میرے نزدیک آنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ تب ڈی سوزا نے جو کوئی دیسی عیسائی تھا دوسرے آدمیوں کو اشارہ کیا اور وہ اسٹین گنیں تانے میرے پاس آگئے تھوڑی دیر کے بعد مجھے دوبارہ اسی کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔

دو دن اور دو راتیں گزر گئیں۔ کوٹھری کے پاس کوئی آہٹ نہیں ہوئی تھی۔ ں دوران میں مجھے کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں دی گئی۔ بھوک اور پیاس نے جو کیفیت را کر دی تھی۔ وہ بتانے کی بات نہیں۔ نڈھال ہو گیا۔ پورے بدن میں سنسنی سی پھیل گئی ی۔ ہاتھ پاؤں ہلانے میں بھی دقت ہوتی تھی۔ خاص طور سے پیاس نے بے حال کر رکھا ا۔

"تیسرے دن صبح کوٹھری کا دروازہ کھلا اور کئی آدمی اندر گھس آئے۔ میں اب ئی تعرض کرنے کے قابل نہیں رہا تھا...... ایک بار پھر مجھے اسی ہال میں جانا پڑا۔ آ ف گیشی یہاں موجود تھا۔

اس نے مسکرا کر مجھے دیکھا اور بولا۔ "اب کیا حال ہے مسٹر منصور؟"

"اس کے علاوہ کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی تھی مسٹر گیشی۔" میں نے آہستہ ا۔

"تشریف رکھیئے۔" اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور میں بیٹھ گیا۔ "آ ے میں بڑی تشویش ہے ذہن میں۔ ارے ہاں کسی چیز کی حاجت تو نہیں مح ہے۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں۔"

"نہیں شکریہ مسٹر گیشی۔"

"تاہم کچھ چائے وغیرہ۔ جاؤ بھئی مسٹر منصور کے لئے ناشتے وغیرہ ک ے۔" گیشی نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد عمدہ کھانا میرے سامنے آگیا۔ اب دری دکھانے کی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے سامنے رکھی ہوئی ٹرے صاف ری کیتلی میں نے خالی کر دی تھی۔

"بہتر ہے' اب ذرا صاف ستھری گفتگو ہو جائے مسٹر منصور۔ کیا خیا

"نہایت مناسب۔"

"میں آپ سے اپنا تعارف کرا دوں۔ نام تو میرا گیشی ہے لیک

دوست ہوں۔ طارق یاد ہے آپ کو؟“

”اوہ۔“ میں نے گہری سانس لی۔ ”تو یہ بات ہے؟“

”ہاں۔ اور مجھے آپ سے شدید نفرت ہے۔“

”ہونی چاہیے۔“

”تم نے ایک بہترین انسان کو ضائع کر دیا۔“

”میری نگاہ میں وہ ایک بدترین انسان تھا۔“

”تم گدھے ہو۔ بالکل احمق۔“ گیشی غصے سے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

”آپ نے صاف ستھری گفتگو کرنے کا وعدہ کیا تھا مسٹر گیشی۔“ میں نے ہونٹ بھینچ کر کہا اور گیشی ایک دم سنبھل گیا۔

”سوری، میں جذباتی ہو گیا تھا۔ دراصل طارق بے مثال آدمی ہے اور مجھے اس کی حالت سے شدید دکھ ہوا ہے، بہرصورت یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، میں تمہارے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتا۔ طارق سے تمہاری دشمنی کیوں ہوئی تھی؟“

”پہلے یہ بتاؤ مسٹر گیشی کہ طارق سے تمہاری دوستی کی نوعیت کیا ہے؟“

”تم خود اندازہ لگا سکتے ہو۔“

”یعنی؟“ میں نے پوچھا۔

”ہم دونوں ایک ہی راستے کے مسافر تھے، وہ عموماً بیرونی سفر کرتا تھا۔ مال لے جاتا تھا اور میں لانچ انجینئر ہوا کرتا تھا۔ ہم دونوں بہت گہرے دوست تھے۔“

”ہوں..... لیکن طارق میرا بدترین دشمن ہے مسٹر گیشی۔ ان لوگوں نے مجھ جیسے انسانوں سے محبت کرنے والے آدمی کو زندگی سے بیزار کر دیا تھا۔ طارق نے میرے خلاف سازشیں کیں۔ اپنے آقا سیٹھ جبار کے اشارے پر مجھے جیل بھجوا دیا۔ پانچ سال کی قید بھگتنی پڑی مجھے اور ان پانچ سالوں کے بعد جب میں واپس آیا تو میری ماں اور بہن غائب تھیں۔ میں سب کچھ برداشت کر سکتا تھا لیکن ماں اور بہن کی گم شدگی میرے لئے ناقابل برداشت تھی، چنانچہ طارق سے دشمنی کی بنیاد یہیں سے شروع ہوئی۔ مجھے بتاؤ گیشی کیا مجھے اس کے ساتھ بہتر سلوک کرنا چاہیے تھا؟“

”لیکن سیٹھ جبار تمہیں اپنے آدمیوں میں جگہ دینا چاہتا تھا۔ تم اب بھی تو اسمگلر کی حیثیت سے سفر کر رہے تھے۔ تم نے سیٹھ جبار کی بات کیوں نہ مانی؟“

”اس لئے کہ میں اسمگلر بننا نہیں چاہتا تھا۔ سیٹھ جبار نے بالآخر مجھے برائی کے راستے پر کھڑا کیا۔ جب کہ میں شرافت اور نیکی کے راستے پر چلنا چاہتا تھا۔“

”یہی تو لوگ نہیں چاہتے۔“ گیشی مسکرایا۔

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ تم جیسے باصلاحیت اور ہنرمند انسان کو ایک اعلیٰ پائے کا اسمگلر ہونا چاہیے۔ ایسا اسمگلر جس کا گروہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہو، کیا فائدہ ہوا ہے تمہیں آج تک کی زندگی سے، کیا مل سکا ہے، مجھے بتاؤ ذلت و رسوائی کے سوا؟“

”بہرصورت مسٹر گیشی، یہ میری اپنی سوچ ہے۔ میں کسی طور سیٹھ عبد الجبار کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔“

”لیکن اب تو تم اس فیلڈ میں آ چکے ہو؟“

”ہاں آ چکا ہوں لیکن سیٹھ جبار کا مخالف بن کر اس کا دوست بن کر نہیں۔“ میں نے جواب دیا اور گیشی ہنس پڑا۔

”منصور! مجھے معاف کرنا، تم واقعی احمق ہو، اپنی نئی دنیا بسا رہے ہو اور سیٹھ جبار کے ساتھ دشمنی پر آمادہ ہو۔ شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ سیٹھ جبار کی دشمنی بڑے بڑوں کو راس نہیں آئی اور وہ شدید نقصانات اٹھانے کے بعد پسپا ہو گئے، کچھ بھی نہیں جانتے تم سیٹھ جبار کے بارے میں...... اگر جان جاؤ تو تمہیں اپنی حیثیت..... ایک حقیر چیونٹی کی طرح محسوس ہو، جو ہزارہا ہاتھیوں کے قدموں تلے پڑی ہو اور سوچ رہی ہو کہ ان میں سے کس کو ہلاک کروں۔ بہرصورت یہ تمہارا اپنا مسئلہ ہے۔ چند باتیں اور بتاؤ منصور؟“

”ہاں ہاں پوچھو؟“

”وہاں تمہارے پراسرار مددگار کون تھے؟“

”کیا مطلب؟“

”ظاہر ہے تمہیں اپنے طور پر اتنی سہولتیں حاصل نہیں تھیں کہ تم روپوش ہو سکتے یا ان تمام ہنگامہ آرائیوں سے گلو خلاصی حاصل کر سکتے۔ تم پر سے قتل کا مقدمہ بھی ہٹ گیا اور اس کے بعد تم محفوظ ہو گئے، طارق کے بارے میں تمہیں معلومات حاصل ہوتی رہیں، آخر کہاں سے، تمہاری مخبری کا ذریعہ کیا تھا؟“

”اوہ۔“ میں نے گہری سانس لے کر معنی خیز انداز میں گیشی کو دیکھا۔ ”اور اس کے باوجود آپ کہتے ہیں مسٹر گیشی کہ آپ کو میرے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں۔“

”ہاں ہاں۔ میں نے جو کچھ کہا ہے، بالکل درست کہا ہے لیکن میں جو سوالات کر رہا ہوں وہ بھی اپنی جگہ ایک مسلم حیثیت رکھتے ہیں، مجھے اس بات کے لئے مخصوص کیا گیا ہے کہ میں ان سوالات کے جوابات حاصل کروں۔“

”کس نے کیا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”تم خود سمجھ دار ہو۔“ گیشی نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

”سیٹھ جبار نے؟“

"ہاں ہاں سیٹھ جبار نے۔"

"گویا تم سیٹھ جبار کے آدمی ہو؟"

"اس بات سے تو میں انحراف نہیں کر سکتا۔" گیشی نے جواب دیا۔

"تو مسٹر گیشی، سیٹھ جبار کے آدمی ہونے کی حیثیت سے ہمارے اور تمہارے درمیان مفاہمت کبھی نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا سیٹھ جبار کے ہاں سے مخبری کا مسئلہ تو اس کے لئے بھی میں نے کسی کو مخصوص نہیں کیا تھا، بلکہ طارق ہی کی ایک محبوبہ پنی نامی لڑکی اس بات پر آمادہ ہو گئی تھی کہ وہ مجھے سیٹھ جبار کے ہاں کی معلومات فراہم کرے گی۔"

"اوہو، اوہو، اس کا مطلب ہے کہ طارق نے جو قدم اٹھایا تھا بالکل درست اٹھایا تھا۔ طارق بھی تم سے کم نہیں ہے منصور، بلکہ میرا خیال ہے تم ذہین نہیں ہو جبکہ طارق ذہین ہے۔ اگر تم ذہین ہوتے تو ان مصائب کا شکار نہ ہوتے۔"

"خیر میں جو کچھ ہوں، میں جانتا ہوں، اس کے علاوہ تمہیں اور کچھ معلوم کرنا ہے۔"

"ہاں۔" گیشی نے جواب دیا۔

"وہ بھی پوچھو۔"

"وہ سارے کاغذات اور فائل کہاں ہیں جو تم نے طارق کی رہائش گاہ سے حاصل کئے تھے۔"

"اس سوال کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔"

"مگر جواب ضروری ہے۔" گیشی نے کہا۔

"تو تم سمجھ لو کہ اس کا جواب تمہیں کبھی بھی نہیں دیا جا سکتا۔" میں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا اور گیشی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"سوچ لو منصور، ابھی تک ہم سب نہایت شرافت سے تم سے پیش آتے رہے ہیں، اس کے بعد کچھ ہو جائے گا۔"

"کچھ ...." میں نے کہا اور ہنس پڑا۔ گیشی خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت میں نے عقب میں آہٹیں سنیں۔ وہ چار یا پانچ افراد تھے۔ اندر آتے ہی وہ مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ گھونسے، لاتیں اور تھپڑوں کی بارش شروع ہو گئی۔ دو دن بھوکے رہنے کے بعد کھانا ملا تھا۔ بدن پر ایک نڈھال سی کیفیت طاری تھی اور پھر اس کے علاوہ اسٹین گن بردار بھی موجود تھے۔ میں نہ سنبھل سکا اور پھر میرے ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا، وہ لوگ مجھے بری طرح مار رہے تھے، میں زمین پر گر پڑا، تب بھی لاتوں، گھونسوں اور تھپڑوں سے میری تواضع کی جاتی رہی اور میری حالت خراب ہو گئی۔ میرے جسم کے مختلف حصوں سے خون جاری ہو گیا تھا اور جب میں بالکل ہی بے سکت ہو گیا تو

گیشی کے اشارے پر وہ لوگ رک گئے۔

"بس ٹھیک ہے، اسے بند کر دو اور جب بھی اس کی حالت بہتر ہو، اسے میرے سامنے پیش کر دو۔" گیشی نے کہا اور وہ لوگ مجھے گریبان سے پکڑ کر اٹھا کر گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔ البتہ اس بار مجھے ایک اور کوٹھری میں بند کیا گیا تھا جو خاصی کشادہ تھی اور جس کے دروازے پر سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔

میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں، بہت سے گھونسے، پیشانی اور آنکھوں کے عین اوپر بھی پڑے تھے جس کی وجہ سے آنکھیں متورم ہو گئی تھیں اور بند ہوئی جا رہی تھیں۔ میں صحیح طرح دیکھنے کے قابل بھی نہیں تھا لیکن جب حالت بہتر ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہاں ویسی ہی چند کوٹھریاں اور بھی ہیں جن میں بہت سے افراد بند ہیں۔ مجھے حیرت ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ شاید خوشی بھی کہ شاید ایاز بھی یہاں موجود ہو۔ میں نے بمشکل تمام ان سب کو دیکھا لیکن اس وقت میری ایسی حالت تھی کہ میں ان دوسرے قیدیوں کی مزاج پرسی نہیں کر سکتا تھا۔ میں کوٹھری کے فرش پر لیٹ گیا۔ ذہنی قوتیں جواب دیتی جا رہی تھیں۔ اور شدید تکلیف کی وجہ سے آنکھوں پر دھند چھاتی جا رہی تھی لیکن بے ہوش نہیں ہوا اور اسی عالم میں خاموش پڑا رہا۔

نہ جانے کتنا وقت گزرا۔ میری حالت کچھ بہتر ہونے لگی تھی۔ دفعتاً میرے اوپر پانی کے کچھ چھینٹے پڑے اور میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ "اے۔ اے ہوش میں آؤ، کیا بات ہے۔"

سامنے والی کوٹھری کے جنگلے سے آواز آ رہی تھی۔ ایک دبلا پتلا شخص ہاتھ میں پانی کا گلاس لیے کھڑا مجھے مخاطب کر رہا تھا۔ پانی اسی نے پھینکا تھا۔ کوٹھریوں کی درمیانی راہ داری صرف چار فٹ چوڑی تھی۔ اس لئے سامنے والی کوٹھری کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"پانی ہے تمہارے پاس؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں ہے۔ تمہاری کوٹھری میں نہیں ہے؟"

"شاید نہیں۔"

"زخمی ہو؟"

"ہاں۔"

"ٹھہرو۔ میں تمہیں پانی دیتا ہوں۔" اس نے کہا اور سلاخوں کے پاس سے ہٹ گیا۔ چند منٹ کے بعد وہ دوبارہ نمودار ہوا۔ پانی کا گلاس اس نے سلاخوں سے باہر رکھا اور پھر زمین پر لیٹ کر گلاس کو پاؤں سے سرکانے لگا۔ گلاس آدھی راہ داری تک آ گیا۔ پھر میں زمین پر اوندھا لیٹ کر اپنا ہاتھ باہر نکالنے لگا۔ اور بالآخر میری انگلیاں گلاس کے کناروں کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئیں۔

پانی پی کر بے حد سکون محسوس ہوا تھا۔ میں نے اس قیدی کا شکریہ ادا کیا اور اس نے محبت سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ کاش میں تمہاری کچھ اور خدمت کر سکتا۔"

"شکریہ۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"فضل... !"

"اوہ ! اس کا مطلب ہے میرے ہم نسل ہو۔"

"تمہارا کیا نام ہے؟"

"منصور.... !"

"نئے آئے ہو جزیرے پر؟"

"ہاں..... !"

"دوبئی میں ملازمت کرنے جا رہے ہو گے۔" فضل نے تلخ لہجے میں کہا اور میں چونک پڑا۔

"کیا مطلب؟"

"سنہرے مستقبل کی تلاش میں۔ بیوی نے کہا ہو گا کہ اس ملک میں رہ کر نہ کبھی گھر بنا سکو گے نہ پیٹ بھر کھا سکو گے۔ اس کی فرمائش ہو گی کہ رنگین ٹی وی، فریج، ائرکنڈیشنز اور ایسی ہی دوسری چیزوں سے گھر بھر جائے اور تم گھر بھرنے چل پڑے ہو گے۔"

میں عجیب سی نگاہوں سے فضل کو دیکھنے لگا۔ "یہی بات ہے نا؟" اس نے دوبارہ پوچھا۔

"کیا تم ایسی ہی کسی کہانی کے کردار ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں چار سال گزر گئے۔ پورے چار سال مجھے اپنے گھر سے نکلے ہوئے۔ کسی کو میری خبر نہیں ملی ہو گی اور اب تو مذہبی طور پر بھی وہ آزاد ہو گی۔ ممکن ہے دوسری شادی بھی کر لی ہو اس نے اور اب...... اپنے نئے شوہر سے کہہ رہی ہو کہ وہ ملک سے باہر جائے آخر سب کما کر لا رہے ہیں۔"

"کون فضل؟"

"فرزانہ کی بات کر رہا ہوں۔ بڑی لالچی عورت تھی اس کی آنکھوں میں ہمیشہ دولت کے خواب ناچتے رہتے تھے۔"

"مجھے اپنے بارے میں تفصیل سے بتاؤ گے فضل؟"

"ضرور بتاؤں گا۔ اس ایک مشغلے کے سوا اور کیا ہے۔ ان چار سالوں میں، کئی بار اپنی کہانی دہرا چکا ہوں۔ بڑا سکون ملتا ہے اس میں، تم اس کوٹھری کے چوتھے آدمی ہو۔ این خان سب سے پہلا آدمی تھا۔ مر گیا بے چارہ پھر دو اور آئے نہ جانے کہاں گئے مر کھپ

گئے ہوں گے۔ اس شیطانی علاقے سے زندہ نکل جانے کا کیا سوال ہے۔"

مجھے فضل کی باتیں بہت دلچسپ معلوم ہو رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے لئے میں اپنی چوٹوں کو بھول گیا اور اس کی باتوں میں کھو گیا۔ "کہاں کے رہنے والے ہو فضل؟"

"بڑے ہی خوبصورت شہر کا۔ موٹر مکینک تھا۔ ایمانداری سے کام کرنے والا۔ جس کا کام کیا وہ خوش ہوا لیکن ایمان داری سے کام کرنے کی بہت تھوڑی اجرت ملتی ہے۔ اتنی کہ گھر میں گوشت پک جائے۔ سال میں دو ایک جوڑی کپڑے بن جائیں اور بس۔ ٹی وی، فریج اور ایسے دوسرے لوازمات نہیں آ سکتے، خوبصورت گھر نہیں بن سکتا۔ جس کی کھڑکیوں اور دروازوں پر حسین پردے پڑے ہوں اور جس کا فرش ایسے چمکے جس میں اپنی صورت دیکھ لی جائے مگر فرزانہ کو یہی سب کچھ پسند تھا۔ دوسروں کے گھروں میں جھانکتی پھرتی تھی اور پھر گھر آ کر مجھ سے لڑتی جھگڑتی تھی، اس کا خیال تھا کہ اس کی شادی ایک نکھٹو سے ہوئی ہے جو اسے اس زندگی میں کچھ نہیں دے سکتا۔ مگر مرد بھی بڑا بدنصیب جانور ہے، عورت کے چکر میں ایسا پھنستا ہے کہ اپنے آپ کو بھول ہی جاتا ہے۔ بس یہی کہانی ہے میری.... ماں باپ نے شادی کر دی تھی، میں نے زندگی بھر اپنے بازوؤں سے خوشحال ہونے کا عہد کیا تھا اور اسی میں مصروف تھا، بارہ بارہ، چودہ چودہ گھنٹے محنت کرتا تھا میں، یہ دوسری بات تھی کہ میرے پاس اپنا گیراج کھولنے کے لئے پیسے نہیں تھے اور جن کے لئے کام کرتا تھا وہ بہرصورت سرمایہ لگانے کے بعد اس سے چار گنا زیادہ کمانے کی فکر میں رہتے تھے، میری محنت کا معاوضہ مجھے بہت کم ملتا تھا۔ ہاں کبھی کوئی بخشش دے دیتا تو دوسری بات ہوتی تھی، مگر ہوتا یہی تھا کہ اس بخشش کی رقم کو بھی میں فرزانہ ہی کے حوالے کر دیتا تھا، ایک بچہ تھا میرا صرف ایک بیٹا...... اور فرزانہ کے پاس مجھے مجبور کرنے کے لئے وہ سب سے بہترین ہتھیار تھا۔ وہ جب بھی کہتی یہی کہتی کہ قاسم کی بہترین زندگی کے لئے مجھے کچھ اور بھی کرنا پڑے گا، پھر وہ بدنصیب ایک تجویز لے کر میرے پاس آئی، کہنے لگی۔ دنیا کے لوگ ملک سے باہر جا رہے ہیں، کما کر لا رہے ہیں، آپ بھی یہاں رہ کر زندگی بھر کچھ نہ کر سکیں گے، باہر نکل جائیے۔ دولت کمائیے اور واپس آ کر ایک خوبصورت سا گھر بنا لیں۔ بڑا سمجھایا میں نے دیوانی کو کہ گھر میں جو کچھ مل رہا ہے وہ ہی بہتر ہے، ہمارے وسائل ایسے نہیں ہیں کہ باہر جا سکیں۔ باہر جانے کے لئے رقم درکار ہوتی ہے، مگر وہ کہاں سننے والی تھی، جان کو آ گئی۔ جینا حرام کر دیا۔ قاسم کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگی اور ایسے ایسے مناظر میرے سامنے پیش کئے کہ میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ واقعی میں اس ملک میں رہ کر کچھ نہ کر سکوں گا۔ ملک سے باہر جا کر دولت کمانا بری بات نہیں ہے بھیا! لیکن جائز طریقے سے جانا اچھا ہوتا ہے، بجائے اس کے کہ اپنی زندگی خطرے میں ڈالی جائے.... پھر کیا کیا جاتا، فرزانہ نے مجھے مجبور کر دیا۔ گو میں اپنا گھر چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ جسے میں اپنی محنت سے کسی نہ

دن بڑا ضرور بنا لیتا...... مگر میں فرزانہ کے ہاتھوں مجبور ہو گیا۔ تب میں نے انسانوں کی اسمگلنگ کرنے والے ایک گروہ سے رابطہ قائم کیا' آٹھ ہزار روپے دیئے میں نے اسے' اور وہ لوگ مجھے ایک کشتی میں لے کر چل پڑے۔ بارہ آدمی تھے۔ ہم سب کو اس جزیرے پر اتار دیا گیا اور اس کے بعد ہمیں ہماری تقدیر کا حال سنا دیا گیا' ہم سے کہا گیا کہ ہم اس جزیرے پر قیدیوں کی حیثیت رکھتے ہیں' لہٰذا ہمیں ان کے احکامات ماننا ہوں گے' ورنہ ہم زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے' یہ ہے بھیا اپنی کہانی۔ چار سال ہو گئے ہیں پورے چار سال...... اس وقت سے یہیں ہوں۔" فضل نے کہا اور اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

میں حیرت اور دلچسپی سے فضل کی کہانی سن رہا تھا۔ مجھے وہ لوگ یاد آ گئے جو لانچ پر ہمارے ساتھ آئے تھے' کیا انہیں بھی ہمارے ساتھ قید کر دیا گیا۔' کیا وہ بدنصیب بھی یہاں زندگی گزارنے کے لئے آ گئے۔ چند ساعت میں' سوچتا رہا پھر میں نے فضل سے کہا۔

"یہاں تمہیں کیا کام کرنا پڑتا ہے فضل؟"

"بس لانچوں سے مال اتارنا پڑتا ہے' چڑھانا پڑتا ہے اور جو بھی کام ہو' کبھی کبھی مکانوں کی مرمت کرنی پڑتی ہے' کنویں کھودنے پڑتے ہیں' بس یہی سب کچھ' اس کے نتیجے میں دو وقت کی روٹی ملتی ہے۔ کپڑے پھٹ جاتے ہیں تو نئے کپڑے ملتے ہیں اور زندگی اس کوٹھری میں گزر رہی ہے' جب بھی لانچیں آتی ہیں ہماری ڈیوٹی لگ جاتی ہے۔" فضل نے بتایا۔

"کل کتنے آدمی ہیں یہاں؟"

"سینکڑوں بھیا' میرا خیال ہے سو دو سو آدمی ہوں گے جب ان میں سے کچھ مر جاتے ہیں تو نئے لوگ لائے جاتے ہیں کون سی بڑی بات ہے۔ فرزانائیں تو ہر گھر میں موجود ہیں' وہ اپنے شوہروں کو مجبور کر کے زندگی کے آخری سفر پر روانہ کر دیتی ہیں۔" فضل نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"اس کے علاوہ تمہیں کچھ نہیں ملتا فضل؟"

"روٹی ہی مل جاتی ہے یہ احسان کم ہے ان کا؟"

"یہاں سے کسی نے فرار ہونے کی کوشش نہیں کی؟"

"کی ہو گی۔ پتہ نہیں۔ ویسے لوگ کم ہوتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے بھاگ جاتے ہوں۔ امید نہیں ہے ایسی۔"

"کیوں......؟"

"بھاگ کر کہاں جائیں گے۔ یا تو سمندر میں ڈوب مریں گے یا پھر درندوں کا شکار ہو جائیں گے۔ اترائیوں کے بعد خطرناک جنگل ہے۔ رات ہوتے دو' جانوروں کی آوازیں سن لینا۔ کبھی کبھی وہ چڑھ بھی آتے ہیں لیکن یہ لوگ انہیں ہلاک کر دیتے ہیں۔

نہیں دوسری طرف کیا ہے یہ آج تک کسی کو نہیں معلوم ہو سکا۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تو یہ لوگ اسمگلر ہیں؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔"

"کوئی نئی کھیپ آئی ہے مزدوروں کی؟"

"پتہ نہیں۔ اس بیرک میں تو نہیں آئی۔ کئی بیرک ہیں یہاں۔"

"اس بیرک میں کوئی نہیں آیا؟"

"تمہارے علاوہ کوئی نہیں۔" فضل نے جواب دیا اور پھر بولا۔ "تم اپنی کہانی نہیں سناؤ گے؟"

"میری کہانی ذرا مختلف ہے فضل۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور پھر فضل کے اصرار پر میں نے اسے اپنی کہانی سنا دی' فضل بہت متاثر ہوا تھا۔ دیر تک وہ مجھے تسلیاں دیتا رہا۔ رات ہو گئی اور ہمیں کھانا دیا گیا۔ پتلی دال' تین روٹیاں اور پانی کا ایک گھڑا اور ایک گلاس مجھے بھی دے دیا گیا تھا۔

○

تقریباً پندرہ دن گزر گئے۔ ان پندرہ دنوں کے ہر لمحے میں' میں نے ایاز کو یاد کیا تھا۔ سب سے زیادہ فکر مجھے اسی کی تھی۔ میں اس کی بے چینی' اس کے کرب سے واقف تھا۔ نہ جانے بے چارے پر کیا گزری۔ اس کا پتہ چل جاتا' اس کے بعد مجھے کوئی فکر نہیں تھی۔ ویسے یہ لوگ مجھے بھول گئے تھے۔ نہ جانے کیوں۔ جب کہ میں ان کے لئے دوسری نوعیت کا آدمی تھا۔ اس دوران میں' میں نے اس جزیرے اور ان اسمگلروں کے بارے میں بھی بہت کچھ سوچا تھا۔ گیشی کے بارے میں پتہ چل گیا تھا کہ وہ سیٹھ جبار کا آدمی ہے اور اس کی ان لوگوں سے دوستی تھی۔ ممکن ہے سیٹھ جبار کا بھی ان سے کوئی تعلق ہو لیکن چمن...... اس نے مجھے کیسے فراموش کر دیا۔ ظاہر ہے لانچ طوفان کا شکار ہو کر ادھر آ نکلی تھی۔ اسے پتہ تو چل گیا ہو گا۔"

ان فضول خیالات سے مجھے الجھن ہونے لگی تھی۔ خود پر غصہ آ رہا تھا۔ آخر میں کیوں اس کے جال میں پھنسا۔ میں اس سے صاف انکار کر سکتا تھا۔ مجھے اتنا نرم نہیں بننا چاہئے تھا۔ اس دنیا میں بھیڑیا بن کر زندہ رہا جا سکتا ہے۔ اس کے بغیر زندگی ناممکن ہے کسی کی مدد قبول نہ کرو' کسی کی مدد نہ کرو' یہی زندگی گزارنے کے اصول ہیں۔ انسان خواہ مخواہ دوسروں کی الجھن میں پھنس کر خود کو خراب کر لیتا ہے۔ ایسے ہی خیالات میرے ذہن میں آتے رہے......

بعض اوقات گیشی کا خیال بھی آ جاتا تھا۔ نہ جانے اس دن کے بعد' اس نے کیوں مجھے نظر انداز کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ طارق کا بلیک میلنگ کا مواد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ نہ جانے کیوں اس نے دوسری کوشش نہیں کی تھی۔

سولہویں دن چند مسلح افراد اس بیرک میں آئے اور کوٹھریوں کے دروازے کھول کھول کر قیدیوں کو نکالنے لگے۔ شاید کوئی لانچ آئی تھی۔ میری کوٹھری کا دروازہ بھی کھول دیا گیا تھا۔ میں بھی باہر نکل آیا۔ ہم سب ایک قطار کی شکل میں وہاں سے نکل آئے اور ساحل کی طرف چل پڑے۔

قیدیوں کو کنٹرول کرنے کے لئے تقریباً پندرہ افراد موجود تھے۔ یہ سب اسٹین گنوں سے مسلح تھے۔ ایک بہت بڑی لانچ ساحل سے لگی ہوئی تھی اور اس پر سیڑھیاں لگا دی گئی تھیں۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ایاز کو تلاش کیا لیکن ایاز کہیں نظر نہیں آیا۔

اسے کوئی نقصان تو نہیں پہنچا دیا گیا۔ اس خیال سے میرے ذہن میں انگارے بھر گئے تھے لیکن صورت حال موافق نہیں تھی۔

میں بھی لانچ پر چڑھ گیا اور سامان کی پیٹیاں اٹھا اٹھا کر نیچے لانے لگا پھر دفعتاً میری نگاہ ایک طرف اٹھ گئی۔ بہت دور۔ ایک ٹیلے کے پاس مارٹی چند لوگوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔

مارٹی کو دیکھ کر میں ساکت رہ گیا۔ مارٹی جس انداز میں کھڑا ہوا تھا اس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ قیدی نہیں ہے۔ وہ اطمینان سے سگریٹ پی رہا تھا۔ میرے دل و دماغ میں ہلچل مچ گئی۔ مارٹی آزاد ہے۔ کیوں؟ اس کا ان لوگوں سے کیا تعلق ہے۔ وہ تو چمن کا آدمی ہے۔ اگر وہ آزاد ہے تو کیا اسی جگہ رہ رہا ہے یا لانچ کے ساتھ دوبارہ آیا ہے۔ کیا چمن کو میری گرفتاری کے بارے میں معلوم ہے؟ کیا مارٹی چمن کا غدار ہے؟

لیکن اس سے آگے میری سوچ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ میں وہ مذموم بات نہیں سوچ سکتا تھا۔ چمن میرا دوست تھا' ہمدرد تھا اس نے نہایت نازک وقت میں مجھے سہارا دیا تھا۔ میں اس کے بارے میں کوئی بری بات نہیں سوچ سکتا تھا۔ مارٹی غدار ہو سکتا ہے' ممکن ہے مارٹی خود بھی ان لوگوں سے مل گیا ہو جو بڑے طاقتور تھے اور نجانے کیا کیا وسائل رکھتے تھے۔ مگر مارٹی میرے ذہن میں چبھتا رہا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا' کوئی ایسی ترکیب نہیں تھی جس سے' میں لوگوں کی نگاہوں سے بچ کر مارٹی تک پہنچ سکتا' مارٹی سے میں کچھ اور نہیں پوچھنا چاہتا تھا سوائے اس کے کہ ایاز کہاں ہے؟ لیکن لانچ سے مال اتارا جا رہا تھا اور ابھی کافی مال لانچ پر موجود تھا۔ کام نہایت سست روی سے ہو رہا تھا' اس سے زیادہ تیز رفتاری سے کام کیا بھی نہیں جا سکتا تھا' چونکہ لانچ بہرصورت پانی میں کھڑی تھی اور اس پتلی سی سیڑھی سے مال اتارتے ہوئے کافی احتیاط رکھنا پڑ رہی تھی۔ کوئی بھی پیٹی کسی بھی وقت پانی میں گر سکتی تھی اور اس کے بعد صورت حال بہتر نہ ہوتی۔

میں خاموشی سے اپنا کام کرتا رہا لیکن میری نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا ترکیب کی جائے اور پھر ایک خیال میرے ذہن میں آ گیا۔ میں نے سوچ لیا کہ جب اس بار میں لانچ پر جاؤں گا تو اپنے اس خیال کا جائزہ لوں گا۔ پیٹیاں لانچ کے سامنے کے حصے میں رکھی ہوئی تھیں اور لوگ اوپر آ جا رہے تھے۔ چند افراد مال اتارنے کی نگرانی بھی کر رہے تھے' اس بار میں لانچ پر پہنچا تو میں نے خود ہی تھوڑا سا وقفہ دے دیا۔ اس دوران میں تین چار آدمی اور اوپر پہنچ گئے تھے وہ پیٹیاں اٹھانے لگے' بڑی بڑی پیٹیاں تھیں جنہیں اٹھانا ایک آدمی کے بس کی بات نہیں تھی۔ ان پیٹیوں کو کئی کئی افراد مل کر اٹھاتے تھے' تب وہ اپنی جگہ سے آگے کھسکتی تھیں۔ کرین وغیرہ کا یہاں بندوبست نہیں تھا۔ حالانکہ اتنی بڑی پیٹیاں کرینوں کی مدد سے ہی اٹھائی جانی چاہئے تھیں' یہ

پیٹیاں بھی ایک سمت چنی ہوئی تھیں اور میں اس بار انھی کا جائزہ لے رہا تھا۔ تب میں نے محسوس کیا کہ ان پیٹیوں کے عقب میں جگہ خالی ہے۔ بس ذرا پھرتی کی ضرورت ہے اور شاید تقدیر کی بھی۔ دوسروں کی نگاہوں سے بچنا ضروری تھا۔ چنانچہ دوسری بار جب میں پیٹی رکھنے آیا تو میں نے جان بوجھ کر وقفہ دیا' اس دوران چار پانچ مزدور اوپر آ گئے' انہوں نے پیٹیاں اٹھا لی تھیں' پھر وہ پیٹیاں اٹھا کر آگے بڑھانے لگے۔ میں نے بھی ایک پیٹی اٹھائی لیکن صرف دکھانے کے لئے' اس پیٹی کو اٹھا کر میں نے دوسری پیٹی پر رکھا اور نیچے بیٹھ گیا۔

مال اتارنے کی نگرانی والوں کی توجہ ان مزدوروں کی جانب تھی جو پیٹیاں پشت پر لادے آہستہ آہستہ سیڑھی کی جانب بڑھ رہے تھے' اس طرح مجھے مہلت مل گئی اور میں اس طرح چھپے چھپے پیٹیوں کے پیچھے سے بڑی پیٹیوں کی طرف رینگ گیا۔ جس ...... وقت مزدور پیٹیاں لے کر لانچ کے کنارے سے نیچے اترنے لگتے تھے تو نگرانی کرنے والے محافظ کنارے پر پہنچ جاتے تھے' ان کی تعداد چار تھی اور یہ چاروں مسلح تھے' اس بار بھی یہی ہوا' جونہی وہ کنارے پر پہنچے' میں پیٹیوں کے عقب سے نکل آیا اور رینگتا ہوا لانچ کے انجن روم کی جانب چل پڑا۔ پیٹیوں کے پیچھے اس طرح چھپے رہنا خطرناک تھا۔ کیونکہ کوئی بھی آدمی کسی بھی وقت اس طرف آ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی واضح تھی کہ ان پیٹیوں کو بھی اتارا جانے والا تھا۔

میں آگے کھسکتا رہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے اس بڑی لانچ میں کوئی ایسی جگہ میسر آ جائے جہاں مجھے چھپنے کا موقع مل سکے' انجن روم کے پاس پہنچ کر میں نے ایک لمحے کے لئے ادھر ادھر کا جائزہ لیا' یہاں اس وقت کوئی موجود نہیں تھا' لانچ کا انجن اس وقت بند تھا لیکن چھپنے کی بھی یہاں کوئی جگہ نہیں تھی' ایک آدمی بھی اندر آ جاتا تو مجھے دیکھ لینا یقینی تھا۔ چنانچہ اس جگہ رکنا بے سود تھا پھر میں وہاں سے بھی رینگتا ہوا آگے بڑھ گیا پھر لانچ کے نچلے سرے سے ہوتا ہوا میں اس کے دوسرے سرے پر پہنچ گیا۔ اس جگہ مال نہیں تھا' یہ جگہ سنسان پڑی ہوئی تھی' کسی انسان کا یہاں وجود نہیں تھا البتہ یہاں رسوں کا ایک بہت بڑا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا اور دوڑ کر رسیوں کے اس ڈھیر کے نزدیک پہنچ گیا اور پھر میں رسیوں کے اس ڈھیر میں اتر گیا میرے سر پر کھلا آسمان تھا۔ ہرچند کہ یہ جگہ چھپنے کے لئے قطعی موزوں نہیں تھی لیکن اس کے علاوہ چارہ کار بھی نہیں تھا۔ اس وقت تک دیکھا جانا ممکن نہیں تھا جب تک کسی کو ان رسیوں کی ضرورت نہ پیش آ جائے۔

وقت گزرتا رہا۔ میں نے کھڑے ہو کر باہر دیکھنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ دن کا وقت تھا اور ذرا سی لغزش نقصان دہ ہو سکتی تھی۔ اس طرح خاموش بیٹھے رہنا بے حد

مشکل کام تھا لیکن اس کے سوا چارہ کار بھی نہیں تھا۔ پورا دن میں نے وہیں گزارا۔ رات ہو گئی۔ پتہ نہیں ان لوگوں کو میری گم شدگی کا احساس بھی ہوا یا نہیں ویسے چھپنا مشکل تھا۔ میری کوٹھری خالی ہو گی۔

اس وقت رات کے آٹھ بجے تھے جب فضا میں اچانک سائرن کی آواز ابھری۔ میں چونک پڑا تھا۔ اس سے قبل یہ سائرن نہیں سنا گیا تھا ممکن ہے یہ میری گم شدگی کی اطلاع ہو یا پھر لانچ والوں کے لئے کوئی اشارہ۔

سائرن دیر تک بجتا رہا پھر خاموش ہو گیا۔ اب کیا کرنا چاہیئے۔ اندھیرا پھیل چکا ہے پھر میگا فون پر ایک آواز ابھری۔ "تمام لوگوں سے التماس ہے کہ اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں۔ کوئی ادھر ادھر نہ بھٹکے ورنہ نقصان اٹھا سکتا ہے۔ لانچ پر موجود لوگ لانچ سے نیچے نہ اتریں۔ ورنہ انہیں خطرات پیش آ سکتے ہیں۔"

"اب اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ انہیں میری غیر موجودگی کا علم ہو چکا ہے۔ دفعتاً لانچ کے اس حصے میں قدموں کی چاپ سنائی دی جو ایک سے زیادہ آدمیوں کی تھی۔

میں ہمت کر کے کھڑا ہو گیا۔ تب میں نے دو آدمیوں کو اسی طرف آتے دیکھا۔ وہ دونوں سگریٹ پی رہے تھے۔ "کوئی قیدی بھاگ گیا ہے۔" ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔

"کہاں بھاگ گیا؟"

"بس سوجھ گئی ہو گی۔ کون خوشی سے قید رہتا ہے۔"

"لیکن جائے گا کہاں؟"

"کہیں نہیں۔ ابھی گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں گی اور تھوڑی دیر کے بعد اس کی لاش آ جائے گی۔"

"اگر وہ سمندر میں کود گیا ہو؟"

"ہوورکرافٹ دوسرے پوائنٹ سے چل پڑے ہیں۔ سمندر کا بھی جائزہ لیا جا رہا ہے۔"

"اور اگر جنگل میں گھس گیا ہو؟"

"اس جنگل میں۔ ناممکن...... بڑے سے بڑا جیالا بھی اس میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ کہا جاتا ہے یہ جنگل افریقہ کے ان روایتی جنگلوں سے زیادہ بھیانک ہے۔ یہاں کے رہنے والے بھی اس جنگل سے خوفزدہ رہتے ہیں اور اگر وہ اس طرف چلا بھی گیا تو...... اس کی موت ہی اسے اس طرف لے گئی ہے۔" دوسرے نے جواب دیا۔

میں خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا۔ ابھی تک میں اپنے ذہن میں فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ ساری رات تو اس جگہ چھپے رہنا بیکار ہے۔ دن کی روشن

میں کوئی بھی رسیوں کے اس ڈھیر کی طرف آ سکتا ہے...... پھر اب کیا کرنا چاہئے۔

دفعتاً ایک اور آواز سنائی دی۔ "گوا سکر۔ کیا تم یہاں ہو.....؟"

"ہاں۔ کیا بات ہے؟"

"مسٹر مارٹی بلا رہے ہیں۔"

"اوہ۔ اچھا آؤ۔" کسی نے کہا اور دونوں وہاں سے چل پڑے لیکن میں خوش ہو گیا تھا۔ مارٹی لانچ پر موجود ہے۔ یہ بہت دل خوش کرنے والی بات تھی لیکن کہیں وہ یہاں سے چلا نہ جائے۔ کیا کرنا چاہئے اور پھر میں خدا کا نام لے کر رسیوں کے اس ڈھیر سے نکل آیا۔

آج آسمان صاف تھا۔ تارے نکلے ہوئے تھے اور لانچ میں ٹھنڈی روشنی پھیلی ہوئی تھی، اس روشنی میں دو تین سائے نظر آ رہے تھے جو لانچ کے عین درمیان بنے ہوئے کیبن کے دروازے کے پاس تھے پھر وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے گویا مارٹی اس کیبن میں موجود تھا۔

میں ہر خطرہ مول لینے پر تیار ہو گیا۔ چنانچہ نتائج سے بے پرواہ ہو کر کیبن کے پاس پہنچ گیا۔ کیبن میں روشندان بنے ہوئے تھے۔ وہ کافی کشادہ اور آرام دہ تھا۔ میں اس کی چھت پر چڑھ گیا جو خاصی بلند تھی اور پھر چھت پر اوندھا لیٹ کر ایک روشندان پر جھک گیا۔ اندر تیز روشنی تھی اور اس روشنی میں مارٹی نظر آ رہا تھا لیکن بدبختی سے روشندان کا شیشہ بند تھا۔ میں مارٹی کو دیکھ تو سکتا تھا لیکن اس کی باتیں نہیں سن سکتا تھا۔ روشندان کا شیشہ تو باآسانی کھولا جا سکتا تھا لیکن اس طرح آواز ہوتی اور مجھے دیکھ لیا جاتا اس لئے میں نے ایسی کوشش نہیں کی۔ مارٹی کے سامنے میز پر شراب کی بوتل رکھی ہوئی تھی۔ اس کا موڈ خراب نظر آ رہا تھا۔ کئی بار اس نے میز پر ہاتھ مارا تھا اور پھر ان لوگوں کو باہر نکل جانے کا اشارہ کیا۔ وہ تینوں خاموشی سے باہر نکل گئے۔

"مارٹی نے اٹھ کر کیبن کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور پھر سادہ شراب سے سامنے رکھا ہوا گلاس بھر لیا۔ اس کے بعد وہ کرسی کی پشت سے ٹک کر اس کے گھونٹ لینے لگا۔ میں اب اپنے آئندہ قدم کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مارٹی کی شخصیت میری نگاہ میں مشکوک ہو گئی تھی اور اسی سے ملاقات کے لئے میں نے یہ خطرہ مول لیا تھا۔ کیبن کا دروازہ اندر سے بند ہو گیا تھا۔ میں جس جگہ موجود تھا یہ لانچ کی سب سے اونچی جگہ تھی چنانچہ یہاں مجھے دیکھ لیے جانے کے امکانات نہیں تھے۔ لانچ پر ابھی کافی مال موجود تھا جسے دوسرے دن پر ملتوی کر دیا گیا ہو گا۔

بہر حال میں رات گہری ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ اب چاروں طرف سناٹا چھا گیا تھا اور دور دور تک لہروں کے شور کے علاوہ کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ میں

خاموش لیٹا رہا......

مارٹی نے خوب شراب پی لی تھی۔ اس کے ساتھ اس کی محبوبہ نہیں تھی۔ نہ جانے وہ کہاں گئی۔ بہر حال پھر اس نے بستر سنبھال لیا اور تیز روشنی گل کر دی۔ اس کی جگہ اس نے مدھم روشنی کا ایک بلب جلا لیا تھا۔ مزید کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد میں نے روشندان کے شیشے کو چیک کیا۔ اس کے قطر کا میں اندازہ کر چکا تھا۔ اس سے اندر داخل ہونے میں کوئی دقت نہیں تھی۔ شیشہ بھی اندر کی طرف کھل جانے والا تھا لیکن جو کچھ کرنا تھا، پلک جھپکتے میں کرنا تھا ورنہ مارٹی غیر مسلح نہیں ہو گا۔ اپنے بدن کو پوری طرح تول کر، میں نے پوری مہارت سے شیشہ کھولا اور برق رفتاری سے اس میں داخل ہو کر دوسری طرف کود گیا۔ میرے کودنے سے خاصی آواز ہوئی جس سے مارٹی چونک کر اٹھ گیا۔ اس نے ہونقوں کی طرح مجھے دیکھا۔ مدھم روشنی بھی اتنی تھی کہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔

"تم.....؟" مارٹی کے حلق سی گھگھیانی ہوئی آواز ابھری۔ میں ہونٹ بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً مارٹی سانپ کی طرح پلٹا۔ اس کا ہاتھ نزدیک کے ریک کی طرف بڑھا تھا لیکن میں اس کے لیے تیار تھا۔ میں نے مارٹی پر چھلانگ لگا دی۔ اس نے ریک کھول لیا تھا اور اس کا ہاتھ اندر ہی تھا۔ میں نے گھٹنے سے ریک دبا دیا اور مارٹی کے حلق سے کراہ نکل گئی۔ اس نے میرے پیٹ میں گھونسا مارنے کی کوشش کی لیکن میں نے ریک اور زور سے دبا دیا اور وہ بل کھا کر رہ گیا۔

"ہاتھ باہر نکالو۔" میں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"آہ..... آ آ آہ۔" مارٹی حلق پھاڑ کر چیخا لیکن میں نے الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ میں اس کی چالاکی سمجھ رہا تھا۔ اس طرح چیخ کر وہ دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا۔ میرے ہاتھ کی ضرب سے اس کے ہونٹ کٹ گئے اور وہ دوسری بار چیخنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

اب مارٹی کے دشمن ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا تھا۔ ویسے میرے خیال میں اس نے حماقت کی تھی۔ اگر وہ چالاکی سے کام لینے کی کوشش کرتا اور مجھ سے مفاہمت کا اظہار کرتا تو ممکن ہے میں اس کے فریب میں آ جاتا لیکن شاید شراب کے نشے نے اسے یہ بات نہیں سوچنے دی تھی۔

"ہاتھ باہر نکال لو مارٹی۔ تمہیں گیشی کا حشر یاد ہو گا۔ میری زندگی تو یوں بھی خطرے میں ہے لیکن اگر تم نے چالاکی کرنے کی کوشش کی تو تمہیں ضرور قتل کر دوں گا۔"

"میں... ہاتھ نکال رہا ہوں۔" اس نے بمشکل کہا۔ اس کے منہ میں خون بھر گیا تھا۔ میں نے ریک تھوڑا سا ڈھیلا کیا اور مارٹی نے ہاتھ باہر نکال لیا اور میں ریک میں رکھا

ہوا پستول نکال کر چند قدم پیچھے ہٹ گیا اور پھر اس کے چیمبر چیک کیے۔ پستول لوڈ تھا۔

مارٹی خون تھوک رہا تھا اور میں خاموشی سے اسے گھور رہا تھا۔ اس دوران میں مارٹی سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا لیکن اس کی نگاہوں میں اب بھی خوف کے آثار تھے۔

"زیادہ تکلیف نہیں دوں گا مارٹی۔ بس کچھ سوالات کرنے ہیں جن میں میرا ذہن الجھا ہوا ہے۔"

"منصور۔ تم غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہو۔ میں تمہیں پہچان نہیں سکا تھا۔ تمہارا تو تصور بھی نہیں تھا میرے ذہن میں۔"

"دیکھو مارٹی۔ اب ان باتوں کا وقت گزر چکا ہے۔ وقت ضائع کرنے کی کوشش بے سود ہوگی۔ صرف پندرہ منٹ ہیں میرے پاس اور تمہیں پوری رفتار سے بولنا ہوگا۔ درمیان میں رکے، یا الٹی سیدھی بکواس کرنے کی کوشش کی تو میں تمہاری آنکھیں پھوڑ دوں گا۔"

"منصور۔ منصور میں تمہارا دوست ہوں۔" مارٹی نے گھگھیاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ لانچ کس کی تھی جس پر میں یہاں آیا تھا؟"

"چمن کی۔"

"اور اس پر لدا ہوا مال کس کا تھا؟"

"چمن کا۔"

"جزیرے پر موجود لوگ کون ہیں؟"

"اسمگلر......؟"

"ان کا تعلق کس سے ہے؟"

"سیٹھ جبار سے۔ یہ جزیرہ سیٹھ جبار کی ملکیت ہے۔"

"علاقہ کون سا ہے یہ؟"

ساؤتھ اینڈ کہلاتا ہے۔ عام آبادیوں سے بہت دور ہے۔"

"ہمارے ملک سے کتنی دور ہے؟"

"بہت دور...... یہاں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"لانچ ادھر کیسے آ گئی؟"

"خدا کی قسم اتفاق سے۔" مارٹی بولا۔

"گیشی کا سیٹھ جبار سے کیا تعلق ہے؟"

"کسی کو نہیں پتہ تھا۔ وہ درحقیقت سیٹھ جبار کا آدمی ہے۔"

"اور تمہارا....؟"

"کک.... کیا مطلب؟"

"تمہارا تعلق کس سے ہے؟"

"چ ......چمن سے۔"

"خوب۔ ایاز کہاں ہے؟" میں نے مسکرا کر پوچھا اور مارٹی ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گیا پھر ہچکچائی آواز میں بولا۔

"مجھے نہیں معلوم۔"

"لانچ کے دوسرے گرفتار شدگان میں سے بھی کوئی نہیں ہے وہ سب کہاں چلے گئے؟" میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"میں ان تمام باتوں سے لاعلم ہوں۔"

"مارٹی میری جان تم کیسے آزاد ہو گئے؟"

"منصور۔ شاید تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں آیا؟"

"سور کے بچے۔ بے وقوف سمجھتا ہے مجھے۔ تو نے ابھی تک کوئی بات صحیح نہیں بتائی ہے۔ اس کے بعد بھی کیا تو میری ہمدردی کا مستحق ہے؟" میں نے پستول جیب میں رکھ لیا اور داہنے ہاتھ کی دونوں انگلیاں سیدھی کر لیں۔ مارٹی نے سہم کر دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے تھے۔ ایک بار پھر وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ بچاؤ۔ بچاؤ۔ بچاؤ۔ میں نے لپک کر اس کی گردن پکڑ لی اور پھر میرا کھڑا ہاتھ پوری قوت سے اس کی گردن پر پڑا۔ دوسرا تیسرا اور پھر چوتھا۔ میں جنون کے عالم میں اس کی گردن پر ایک ہی جگہ ضربیں لگا رہا تھا پھر گردن کی ہڈی کی چیخ صاف سنائی دی تھی۔ مارٹی کے حلق اور ناک سے خون ابل پڑا اور پھر اس کے کانوں سے بھی خون بہنے لگا۔ جنون کے عالم میں پڑنے والے ہاتھوں نے کچھ زیادہ ہی کام دکھا دیا تھا حالانکہ مارٹی کافی قوی ہیکل تھا لیکن وہ اس ضرب کو برداشت نہیں کر سکا۔ اس نے دو تین ہچکیاں لیں اور دم توڑ دیا۔ مجھے اس کی امید نہیں تھی بہرحال مارٹی کی موت کا مجھے کوئی افسوس نہیں ہوا۔ افسوس صرف اس بات کا تھا کہ مجھے سوالات کے جواب نہیں مل سکے اور میری الجھنیں بدستور قائم رہیں۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ اب اس کیبن میں رکنا بے سود تھا۔ یہاں پستول کے علاوہ میرے مطلب کی اور کوئی چیز بھی نہیں تھی۔ اس لئے میں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ البتہ پستول میں نے نکال کر ہاتھ میں لے لیا تھا۔

باہر سناٹا معلوم ہوتا تھا۔ غالباً مارٹی کی چیخیں کسی نے نہیں سنی تھیں لیکن یہ میری خام خیالی تھی۔ جونہی میں نے سر باہر نکالا میری آنکھوں میں ستارے ناچ گئے۔ کسی ٹھوس شے کی ضرب میرے سر کی پشت پر پڑی تھی۔ مین نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن دوسری ضرب میری کلائی پر پڑی اور پستول میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ میں اوندھے منہ گرا

تھا اور پھر نہ جانے کتنے انسانوں کا وزن مجھ پر آ پڑا۔ میں تو پہلے ہی نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھا۔ اس وزن کو برداشت نہ کر سکا اور بے ہوش ہو گیا۔

نہ جانے کتنی دیر کے بعد ہوش آیا تھا۔ غالباً پوری رات گزر گئی تھی کیونکہ جس جگہ میں تھا وہاں چھت کے پاس ایک روشندان نظر آ رہا تھا اور اس سے سورج کی کرنیں جھانک رہی تھیں۔

میں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ پاؤں بھی بندھے ہوئے تھے۔ میں ٹھنڈی سانس لے کر ساکت ہو گیا۔ گزرے ہوئے واقعات میرے دماغ میں چکرانے لگے اور دفعتاً مجھے اپنے سر میں ٹیسیں سی اٹھتی ہوئی محسوس ہوئیں سر کی چوٹ دکھنے لگی تھی، کلائی بھی زخمی تھی اور اس پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ تب میں نے ذہن کو سنبھال کر اس جگہ کا جائزہ لیا۔ میں ایک فوم کے گدوں والی مسہری پر پڑا تھا۔ گو مکان یہ بھی پہاڑی پتھروں کو چن کر بنایا گیا تھا لیکن یہاں عمدہ فرنیچر موجود تھا۔ فرش پر قالین بھی تھا......

سامنے ہی دروازہ نظر آ رہا تھا۔ کمرے میں میرے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ میں تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر یہ فیصلہ کیا کہ سوچنا بیکار ہے کچھ کرنا چاہئے۔ "کوئی ہے؟" میں حلق پھاڑ کر چیخا۔ اس طرح چیخنے سے چکر آ گیا تھا۔ لیکن میری اس آواز کے جواب میں کمرے کا دروازہ کھل گیا..... پہلے اسٹین گن نظر آئی اس کے بعد دو آدمی۔ "کیا بات ہے؟" ان میں سے ایک نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

"برزخ۔ روحوں کا اجتماع ہے یہاں۔" دوسرے آدمی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا اور میں اسے گھورنے لگا۔ "آرام سے لیٹے رہو۔ داروغہ برزخ بہت سخت مزاج انسان ہے اگر اس نے تمہاری یہ چیخیں سن لیں تو الٹا لٹکا دے گا۔" اس نے دوبارہ کہا اور وہ دونوں پھر باہر نکل گئے۔

غصے سے خون کھولنے لگا تھا لیکن خون جلانے سے کیا فائدہ۔ ابھی تقدیر یاور نہیں تھی۔ ابھی انتظار کرنا تھا آنے والے لمحات کا، ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ سب سے افسوسناک بات یہ تھی کہ میری زندگی کا کوئی لائحہ عمل نہیں تھا۔ ذہن اتنا منتشر تھا اور اقدامات اتنے محدود تھے کہ کوئی کام کی بات نہیں ہو پا رہی تھی بہرحال ان حالات میں خاموشی کے سوا کیا چارہ کار تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہی دونوں مسخرے دوبارہ اندر داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا جس کے ہاتھوں میں ٹرے تھی۔ اس ٹرے میں چند پھل، عمدہ قسم کے بسکٹ اور چائے کی کیتلی پیالی کے ساتھ تھی۔

"ناشتہ کر لو۔ پھل تمہیں تقویت دیں گے۔" اسی شخص نے کہا جو خود کو بہت چرب زبان سمجھتا تھا۔ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہت دلچسپ گفتگو کرتے ہو جان من۔ کبھی تنہائی میں آؤ کچھ تفصیلی بات چیت کریں گے۔ کیا خیال ہے؟"

"اوہو ہو ہو۔ میں نامحرموں سے تنہائی میں نہیں ملتا۔ باعزت آدمی ہوں اور تم تو شکل ہی سے مجھے لفنگے نظر آتے ہو۔ چلو یار، مجھے اس شخص کی نیت خراب معلوم ہوتی ہے۔" اس نے اپنے ساتھی سے کہا اور مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ واقعی مسخرہ تھا۔

کھانے پینے میں، میں نے کوئی تکلف نہیں کیا اور جو کچھ موجود تھا، صاف کر دیا۔ کیتلی میں جتنی چائے تھی وہ بھی پی لی اور اس کے بعد آرام کرنے لیٹ گیا۔

دوپہر کو کھانا آیا۔ شام کو چائے آئی۔ بڑی باقاعدگی برتی جا رہی تھی پھر رات کو بلاوا آ گیا۔ چار مسلح افراد مجھے لے کر چل پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے ایک اور بڑے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں جنریٹر سے روشنی کی گئی تھی۔ جنریٹر چلنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

برقی قمقموں کی روشنی میں، میں نے تین افراد کو ایک میز کے گرد پڑی کرسیوں پر بیٹھے دیکھا لیکن ان میں سے ایک کو دیکھ کر میرے ذہن میں اتنا شدید دھماکا ہوا............ کہ چکر آ گیا۔ میں نے بمشکل خود کو گرنے سے روکا............ یہ چمن تھا۔

ہاں یہ چمن ہی تھا۔ ناممکن۔ ناقابل یقین۔ میری بینائی دھوکا دے رہی ہے۔ یہ حقیقت نہیں ہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔ فریب ہے۔ صرف میرے ذہن کی اختراع ہے۔

میں آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہا۔ لیکن نظر ہر بار تو دھوکہ نہیں دیتی۔ وہ چمن ہی تھا۔ سو فی صد چمن۔ بڑی سنجیدگی تھی اس کے چہرے پر۔ بڑا ٹھہراؤ اور بڑا ہی اجنبی پن تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" مجھے لانے والوں میں سے ایک نے کہا اور میں نے بیٹھ جانا ہی مناسب سمجھا۔ سبکی کرانے سے یہی بہتر تھا کہ حکم کی تعمیل کروں۔ ورنہ یہ شدید حیرت میرے پیروں کی لرزش بنی جا رہی تھی۔ میں ان کے اشارے پر ایک کرسی پر بیٹھ گیا جو اس میز کے سامنے پڑی ہوئی تھی لیکن میرے ذہن میں اب بھی دھماکے ہو رہے تھے.......

"کیسے ہو منصور؟" چمن کی آواز ابھری۔

"کون ہو تم؟" میں نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"چمن۔" اس نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"یقین نہیں آتا۔"

“یہ تمہارے محدود تجربے کا قصور ہے۔” چمن کے لہجے میں کوئی لکنت نہیں تھی۔

“میں خود کو کرہ ارض پر نہیں محسوس کرتا۔”

“یہ بھی ایک جذباتی حماقت ہے۔”

“گویا میں احمق ہوں؟”

“نہیں۔ ایک ناتجربے کار نوجوان ہو۔”

“اور تم واقعی چمن ہو۔ میرے دوست۔ میرے ہمدرد۔”

“ہاں۔ میں چمن ہوں۔ تمہارا دوست‘ تمہارا ہمدرد۔” چمن کے لہجے میں وہی ٹھوس کیفیت برقرار تھی۔ میں نے سر کو جھٹکا دیا‘ اگر میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نہ پڑی ہوتیں تو میں دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیتا۔ میں نے عجیب سی نگاہوں سے چمن کو دیکھا اور پھر اسی طرح حیران لہجے میں پوچھا۔

“تم چمن ہو میرے دوست‘ میرے ہمدرد‘ میری یہ کیفیت دیکھ رہے ہو؟”

“ہاں دیکھ رہا ہوں۔”

“اس وقت تمہارے دل سے دوستی کے جذبے فنا ہو گئے ہیں یا تم نے ہمیشہ میرے بارے میں اسی انداز میں سوچا ہے؟ تم مجھے جذباتی حماقتوں میں مبتلا کر کے خود اپنا الو سیدھا کرتے رہے ہو‘ بات یہ ہے چمن‘ میں خود کو نا تجربے کار‘ بے وقوف‘ احمق تسلیم کرتا ہوں لیکن مجھے اس کرہ ارض کے بارے میں بتا دو کیا فیصلہ کروں اس کے بارے میں‘ کیا سوچوں انسانوں کے بارے میں‘ کیا سمجھوں ان لوگوں کو جو محبت اور نیکیوں کی تلقین کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے کیا کہوں ان کتابوں کو‘ جن میں اقدار‘ اخلاق‘ محبت‘ مروت اور انسانیت کے بارے میں احمقانہ باتیں لکھی ہوئی ہیں‘ جن کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے‘ مجھے بتاؤ چمن‘ دنیا کے کون سے رخ کو سچا سمجھوں اور کون سے رخ کو غلط‘ اگر اس وقت تم ایک سپاٹ اور اجنبی انسان کی حیثیت سے میرے سامنے آئے ہو تو مجھے بتاؤ کہ ان گزرے ہوئے لمحات کے بارے میں کیا سوچوں۔ جب میں نے آنکھیں بند کر کے تمہیں اپنا دوست اور ہمدرد [illegible] محسوس کیا تھا بلکہ حسرت کی ہے اس بات پر کہ کاش برا وقت آنے سے پہلے [illegible] ہمدرد دوست اور رہنما مل جاتے‘ جو مجھے برائیوں کے راستے پر جانے سے روکتے۔ مجھے بتاؤ چمن‘ زندگی کے کون سے لمحات کو ناکارہ سمجھوں اور کون سے کو کار آمد‘ میں فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں۔”

“تمہاری اسی کمی نے تمہیں اب تک خوشیوں سے دور رکھا ہے منصور.....” چمن کا لہجہ اب بھی سپاٹ تھا۔

“یہ کمی ہے؟”

“ہاں بہت بڑی کمی۔”

“تو پھر یہ کتابیں بازار میں کیوں آتی ہیں چمن‘ لکھنے والے حقیقتیں کیوں نہیں لکھتے؟”

“اس لئے کہ دنیا کے نوے فی صد آدمی خود کو دھوکا دینے میں مصروف ہیں‘ اخلاق‘ آداب‘ تہذیب‘ شرافت‘ نیکی بلاشبہ ایک حیثیت رکھتی ہیں بلکہ رکھتی تھیں لیکن ہم زمانہ حال کے لوگ ہیں اور جتنی تاریخیں چاہو اٹھا کر دیکھ لو‘ ابتدائے آفرینش سے انسان کا ایک کردار رہا ہے۔ ہر مزاج کے دو مختلف روپ ہوتے ہیں نیگیٹو‘ پازیٹو‘ لیکن اس کا تعین انسانوں نے کر لیا ہے‘ ایک طبقے کو وہ نیگیٹو کہتے ہیں اور ایک کو پازیٹو لیکن یہ نیگیٹو اور پازیٹو کے الفاظ وہ جن معنوں میں استعمال کرتے ہیں‘ وہ خود ان کی نگاہوں میں بے مقصد ہیں۔ قدیم دور کا انسان اونٹوں پر سفر کرتا تھا۔ قافلے چلتے تھے اور ان قافلوں کے کچھ اصول ہوتے تھے۔ قدیم دور کا انسان زندگی کی چاشنی سے اس قدر بہرہ ور نہ تھا۔ ادوار بدلے‘ تہذیب بدلی‘ اقدار بدلیں اور انسان نے وہ اصول اپنائے جو رائج زمانہ تھے اور جو پیچھے رہے وہ پہاڑوں میں ہی آباد رہے اور وہیں مر گئے۔ غیر مطمئن وہ بھی نہ تھے کیونکہ انہیں اس دنیا سے سروکار نہیں تھا لیکن جو اس دنیا میں آئے اور جنہوں نے جدید ماحول میں سانس لیا اور اس کے باوجود اس سے پیچھے رہے وہ منصور کہلائے۔ منصور تم نے آج تک صرف حماقتیں کی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تمہارا تجربہ بہت وسیع تھا۔ اور تم اپنی عمر سے پیچھے رہے‘ البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ تم نے حقیقتوں سے روگردانی کی ہے‘ بے شک عمر تجربہ دیتی ہے لیکن بعض اوقات زندگی کے ایسے مسائل نوجوانی کی عمر میں ہی سامنے آ جاتے ہیں کہ تجربات عمر سے کہیں آگے چلے جاتے ہیں تمہیں ان تجربات سے فائدہ حاصل کرنا چاہئے تھا لیکن تم جذباتی حماقتوں میں پھنس گئے منصور‘ تقدیر نے تمہارے لئے کچھ راستہ منتخب کئے تھے‘ تم نے تقدیر سے بغاوت کی۔ تم نے ان راستوں سے روگردانی کی‘ نتیجہ یہ ہوا کہ بھٹک گئے‘ میں پھر کہتا ہوں کہ ہاں میں تمہارا ہمدرد ہوں‘ تمہارا دوست ہوں اور تمہاری بہتری کا خواہش مند....... لیکن اقدار سے‘ حالات سے‘ ماحول سے ہٹ کر بات کرو گے تو کون تمہارا ساتھ دے سکے گا؟ اگر تم چاہو تو میں ابتدا ہی سے تمہیں تمہاری حماقتوں کی تفصیل سناتا چلوں۔” چمن کے لہجے میں ایک عجیب سی کھنک تھی۔ وہ ایسے پُراعتماد انداز میں بول رہا تھا کہ مجھے حیرت ہو رہی تھی‘ میں سوچ رہا تھا کہ انسان چند لمحات میں اتنے روپ بدل لیتا ہے‘ یہ کیسی دنیا ہے‘ انسان کہاں ہے؟ کیا ہو گیا ہے۔ دنیا کی نوے فیصد آبادی نیکی اور شرافت کے اصول اپنائے ہوئے ہے‘ ان اصولوں کا پرچار کرتی ہے لیکن اس میں سے کتنے فیصد افراد ان اصولوں پر خود بھی کاربند ہیں‘ کیا وہ جو ان اصولوں سے پیچھے ہیں‘ اپنے آپ کو میری ہی طرح غیر مطمئن سمجھتے ہیں‘ چمن کی مثال میرے سامنے تھی۔ کیا تھا اور کیا

نظر آ رہا تھا۔ ناممکن، ناممکن......

میں نے اب بھی اس بات پر یقین نہیں کیا، میری سماعت مجھے دھوکا دے رہی تھی، میری آنکھیں بصارت سے محروم ہو گئی تھیں، میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے چمن کو دیکھتا رہا۔

"سنو منصور! تم ایک ایسے باپ کے بیٹے تھے جو ممکن ہے شریف النفس ہو اور اقدار کی آغوش میں پرورش پا کر جوان ہوا ہو، اچھا ماحول دیکھا ہو۔ اس نے تمہیں، اپنی بیوی اور بیٹی کو اچھی زندگی دینے کے لئے محنت مزدوری کر کے کچھ حاصل کرنا چاہا ہو لیکن اس کے بعد وہ سیٹھ جبار کا ملازم ہو گیا۔ طارق اور اس جیسے دوسرے لوگوں نے تمہارے باپ کو جن راہوں پر گامزن کیا تمہارا باپ ان پر چل پڑا، کیونکہ اس نے حقیقت کو سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ منصور تمہاری پرورش اسی کمائی سے تو ہوئی جو تمہارے باپ کے ذریعے تم تک پہنچتی تھی۔ میں مانتا ہوں کہ عمر کی ناتجربہ کاری نے یا پھر تمہارے اچھے خون نے تمہیں اچھائیوں کی طرف مائل کیا لیکن تقدیر سے تم کہاں لڑ سکتے ہو، تمہارا راستہ تو سیٹھ جبار کی کوٹھی تک ہی جاتا تھا اور پھر اس کار تک جو سیٹھ جبار کی ملکیت تھی، وہاں پہنچ گئے تم، لیکن وہاں پہنچ کر تم نے ان راستوں پر چلنے سے انکار کر دیا جو تمہاری روزی کا جزو تھے۔ تم نے سیٹھ جبار جیسی شخصیت سے بغاوت کی۔ غور کرو، جب کہ تمہیں تو زندگی تعمیر کرنے کے لئے بہت سے سہاروں کی ضرورت تھی اور تمہیں پہلا سہارا وہی پکڑنا چاہئے تھا لیکن تم نے اس سے روگردانی کی، اس کے بعد تمہاری معصومیت جگہ جگہ مجروح ہوئی، تم نے پولیس سے رابطہ قائم کیا۔ وہاں پر تمہیں بتا دیا گیا کہ تم ایک معصوم بچے سے زیادہ کچھ نہیں ہو لیکن تم نے اپنی معصومیت تسلیم نہیں کی اور سیٹھ جبار کے خلاف احمقانہ حرکات میں مصروف رہے۔ غور کرو ایک مضبوط اور ٹھوس چٹان، ناتواں ہاتھوں سے کیسے کھسک سکتی تھی۔ تمہیں قید ہو گئی پھر تم قید سے رہا ہو گئے۔ واپس گھر آ گئے تمہیں اطلاع مل گئی کہ تمہیں قید کرانے والے کون تھے۔ اس وقت بھی تمہیں سنبھلنا چاہئے تھا لیکن تم اچھلتے کودتے رہے۔ تم نے کچھ نامعلوم لوگوں کا سہارا لے لیا جو یقیناً درپردہ سیٹھ جبار کے دشمنوں میں سے ہوں گے۔ ایسے دشمن جو بزدل اور گھٹیا ہوتے ہیں لیکن کیا تم اس دشمنی کی وجہ جانتے ہو؟" چمن نے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا اور بے اختیار میری گردن نفی میں ہل گئی۔

میں واقعی خود کو اس وقت بڑا احمق محسوس کر رہا تھا۔

"اس دشمنی کی وجہ یہ ہو سکتی تھی منصور کہ وہ لوگ جو تمہارے پشت پناہ بن گئے تھے، سیٹھ جبار کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے، جانتے ہو کیوں؟ صرف اپنے مفاد کے لئے، انہوں نے اپنے مفاد کے لئے تمہیں صرف مہرے کی حیثیت سے چنا تھا۔ ظاہر ہے کمزور

آدمی ہمیشہ مضبوط سہارے پکڑتا ہے۔ تمہاری پشت پناہی کرنے والوں کے لئے تم ایک ایسی شخصیت تھے جو ان کی بات مان کر سیٹھ جبار کو خاصا نقصان پہنچا سکتے تھے اور تم نے ان کے لئے یہ سب کچھ کیا۔ یقیناً یہ لوگ اس سے خوش ہوئے ہوں گے، تم نے سیٹھ جبار کے دائیں بازو کو اکھیڑ ڈالا۔ یہ بات معمولی نہیں ہے۔ میری مراد طارق سے ہے۔ ان لوگوں نے تنکوں سے پہاڑ گرانے کی کوشش کی اور ناکام رہے۔ تم البتہ ان کے لئے کھلونا بنے رہے۔ تمہیں اس بات پر حیرت ہو گی منصور کہ سیٹھ جبار ہمیشہ سے تمہیں پسند کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ تم میں بہت کچھ بننے کی صلاحیت ہے لیکن تمہارے ذہن پر ایک دھند چھائی ہوئی ہے۔ نیکی اور شرافت کی دھند۔ اس کے خیال میں ابتدا ہی سے تمہاری تربیت غلط ہوئی ہے۔ سیٹھ جبار تمہاری صحیح تربیت کرنا چاہتا تھا۔ تمہیں مزید حیرت ہو گی منصور کہ سیٹھ جبار آج بھی روز اول کی طرح تمہیں پسند کرتا ہے اور تمہاری تربیت کر رہا ہے۔"

"چمن...... چمن کیسی باتیں کر رہے ہو۔ میں نے ہمیشہ تمہاری عزت کی ہے۔ تمہاری یہ باتیں میری سمجھ نہیں آ رہیں۔"

"سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہیں ہر سوال، ہر زبان کی آزادی ہے کیونکہ تمہارے الفاظ تمہارے اندر چھپے ہوئے انسان کے ترجمان ہوں گے۔"

"تمہاری بکواس میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"جو بات یا جو بکواس سمجھ میں نہ آئے اس کے بارے میں سوال کر لو۔"

"جواب دو گے؟"

"یقیناً پوری سچائی اور دیانت سے۔"

"تمہارے خیال میں سیٹھ جبار کے خلاف مجھے استعمال کرنے والے کون ہیں؟"

"بہت گہرے اور چھپے ہوئے لوگ۔ جو آج تک پردے میں ہیں۔" چمن نے جواب دیا اور میرے دل میں مسرت کی پہلی لہر نمودار ہوئی۔ یہ بدبخت خدا کا شکر ہے، ابھی پروفیسر شیرازی یا لیڈی جہانگیر سے ناواقف ہیں۔

"کیا یہ تمہاری خام خیالی نہیں ہے؟"

"نہیں۔ ان کا وجود اسی طرح یقینی ہے جس طرح تم اس وقت میرے سامنے ہو۔"

"لیکن چمن۔ میں احمق انسان تمہارے اوپر بھروسہ کرتا رہا ہوں، کیا تمہارے خیال میں، میں تم سے سچ نہیں بولتا رہا؟"

"بے شک سچ بولتے رہے لیکن تم نے ان لوگوں کا راز نہیں کھولا..."

"گویا میں نے تم سے منافقت کی؟"

"نہیں۔ میں اسے منافقت کا نام نہیں دیتا۔ وہ تمہاری شرافت تھی یا پھر میرے

الفاظ میں نا تجربے کاری۔ تم اگر سیٹھ جبار کے لئے نرم ہوتے تو ان لوگوں کا راز ظاہر کرتے لیکن تم اس کے دشمنوں کو ذہن کی گہرائیوں میں محفوظ رکھے رہے۔"

"تم تو بے حد چالاک اور زیرک انسان تھے چمن۔ تم نے میرے ذہن میں ان لوگوں کو کیوں نہ تلاش کر لیا؟"

"بہت کوشش کی لیکن اعتراف کرتا ہوں کہ کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"سیٹھ جبار آج بھی مجھے پسند کرتا ہے؟"

"ہاں۔ وہ تمہیں کام کا آدمی بنانا چاہتا ہے۔ کیونکہ اس کا خیال ہے کہ تمہارے ذہن پر بس ایک خول ہے۔ ایک مضبوط اور فولادی خول جو اس کی کوششوں سے پتلا ضرور ہوا ہے لیکن ٹوٹا نہیں۔ جس دن وہ خول ٹوٹ گیا تم اس کے مقصد کے لئے فٹ ہو جاؤ گے اور وہ اس خول کے ٹوٹنے کا منتظر ہے۔"

"اور اگر یہ خول نہ ٹوٹا؟"

"تو ایک دن وہ تمہیں توڑ دے گا۔ اس کی فطرت ہے۔ اس کی پسندیدہ شے اسے حاصل نہ ہو تو وہ اسے فنا کر دیتا ہے۔"

"آج تک وہ اس میں کیوں ناکام رہا۔ وہ تو میرے ہاتھوں نقصان اٹھاتا رہا ہے۔"

"خام خیالی ہے تمہاری۔ تم کبھی اس کی نظروں سے اوجھل نہیں رہے۔"

"طارق کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے پوچھا اور چمن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم نے ابھی تک بنیادی سوال نہیں کیا منصور؟"

"بنیادی سوال۔ ہاں ممکن ہے میرے منتشر ذہن نے میرا ساتھ نہ دیا ہو۔"

"میں نشاندہی کرتا ہوں۔ تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں سیٹھ جبار کی وکالت کیوں کر رہا ہوں۔"

"برے راستوں کے راہی ہو' بک گئے ہو گے اس کے ہاتھوں۔" میں نے نفرت سے کہا۔

"نہیں منصور۔ ایسی بات نہیں ہے۔ میں سیٹھ جبار کا پچیس سال پرانا دوست ہوں۔ اس وقت کا جب سیٹھ جبار' سیٹھ جبار نہیں تھا ایک معمولی سا تاجر تھا اور میں اس کا شریک کار۔"

"مجھے یقین ہے تم سچ بول رہے ہو گے۔"

"ہاں۔ میں سچ بول رہا ہوں۔"

"ویسا ہی سچ' جیسا تم نے ایک بار پہلے بھی بولا تھا۔ تم نے کہا تھا کہ تم بھی سیٹھ جبار کے شکار ہو۔ اسی لئے اس کے خلاف کام کر رہے ہو۔"

"تمہارا دوسرا جملہ غلط ہے۔ میں نے پہلا جملہ ضرور کہا تھا یعنی میں اس کا شکار ہوں لیکن اس میں ایک جملے کا اضافہ اور کر دو۔ ہاں میں اس کی دوستی کا شکار ہوں۔ پچیس سال کا ساتھ ہے ہمارا......"

"خوب۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مسکرا سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بہرحال اس وضاحت کے بعد تمہارے ذہن میں چند باتیں ضرور صاف ہو گئی ہوں گی۔ اب طارق کے بارے میں' میرا خیال پوچھ رہے ہو تو سنو یہ سیٹھ جبار کی عادت ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کو بھرپور تعاون دیتا ہے لیکن جس کا جو کام ہوتا ہے وہ اسی کے سپرد کر دیتا ہے اور اس میں کسی دوسرے کی مداخلت نہیں پسند کرتا۔ تم نے پولیس میں پہلی رپورٹ کی' جس کی اطلاع فوری طور پر سیٹھ جبار کو مل گئی۔ طارق بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے تمہارا کیس سیٹھ جبار سے لے لیا اور کہا کہ وہ تمہیں ٹھیک کر لے گا۔ سیٹھ جبار اس سے مطمئن ہو گیا۔ اس نے بس طارق سے ایک بات کہی تھی...... کہ وہ تمہاری زندگی چاہتا ہے اس کے بعد تمہارے اور طارق کے درمیان کھیل ہوتا رہا اور تم نے طارق کو ایک ہاتھ سے محروم کر دیا۔ جبار کو اس بات کا وقتی دکھ ہوا لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے مجھ سے کہا تھا چمن۔ اس کا مطلب ہے کہ لڑکا میری توقع کے مطابق ہے۔ اس پر غور کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ اس کی عادت ہے۔ اس نے ایک اور تجربہ کیا۔ یعنی فضل خان کو تمہارے مقابلے پر لا کر تمہارا دوسرا ٹیسٹ لیا اور تم اسے اور پسند آ گئے یعنی تم نے فضل خان کو معذور کر دیا اور اس کے بعد اس نے تمہیں کچھ اور نکھارنے کا فیصلہ کر لیا۔

"ایک منٹ چمن۔" میں نے درمیان میں مداخلت کی۔

"ہاں ہاں کہو۔"

"تم کس وقت مجھ سے واقف ہوئے؟"

"جب تم نے پولیس انسپکٹر کے سامنے بڑی معصومیت سے یہ بات کہی تھی کہ سیٹھ جبار ایک اسمگلر ہے اور تم ان جگہوں کی نشاندہی کر سکتے ہو جہاں مال اترتا ہے۔"

"اوہ۔" میں واقعی حیران رہ گیا۔

"دراصل پولیس سیکشن میرے ہی پاس ہے۔ اس قسم کے جتنے معاملات ہوتے ہیں وہ میں ہی دیکھتا ہوں۔ بہرحال' میری اس وقت سے واقفیت تھی تم سے اور جب تم ایاز کے ساتھ میرے پاس آئے تو مجھے حیرت بھی ہوئی اور ہنسی بھی آئی۔ تم سیٹھ جبار سے پوشیدہ تھے لیکن میرے پاس تھے۔ ہے نا لطف کی بات۔ اس عمارت میں تمہیں خاموشی سے قتل کیا جا سکتا تھا۔ بتاؤ مشکل کام تھا یہ...... لیکن اصول اصول ہوتے ہیں۔ تم نے فضل خان کا پتہ پوچھا۔ میں نے خاموشی سے تمہیں بتا دیا۔ طارق کے اور تمہارے معاملے میں بھی میں

نے بولنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے کوئی غیر ضروری بات نہیں کی۔ سبھی تمہارے دوسرے معاملات کی کھوج نہیں کی۔"

"آخری بات چمن۔"

"ضرور۔" میں مسکرایا۔

"لانچ کس کی تھی؟"

"سیٹھ جبار کی۔"

"اور مال؟"

"وہ بھی اسی کا تھا۔ یہ تمہارا ذہنی امتحان تھا۔ یہ دیکھنا تھا کہ حالات تمہیں کہاں تک لے آئے ہیں۔"

"یہاں تم ذلیل ہو گئے چمن۔ اگر غیرت و شرافت کا ایک ذرہ بھی تمہارے وجود میں موجود ہے تو غور کرنا۔ خدا کی قسم منصور جھوٹ نہیں بول رہا۔ وہ کبھی اس لانچ کے ساتھ آنے پر تیار نہ ہوتا۔ یہ صرف تمہارے احسانات تھے جنہوں نے مجھے مجبور کر دیا۔ میں صرف اس لئے آیا کہ تم نے مجھے مجبور کیا تھا۔"

"لیکن میں نے تمہیں اچھے مستقبل کا اشارہ بھی تو کیا تھا۔"

"مجھے اس مستقبل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔"

"اوہ یہاں تم نے مجھے واقعی مایوس کیا ہے۔" چمن ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ اس کے چہرے پر پہلی بار کبیدگی نظر آئی تھی اور وہ سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"یہ جزیرہ کس کا ہے چمن؟"

"اب اس میں پوچھنے کی کیا گنجائش ہے سیٹھ جبار کا ہے لیکن یہاں کے لوگ حقیقت حال سے ناواقف تھے۔"

"لانچ طوفان سے متاثر ہو کر اس طرف آئی تھی؟"

"لانچ کو اسی طرف آنا تھا لیکن یہ صرف اتفاق ہے کہ طوفان بھی اسے اس طرف لے آیا اور اس کا سفر مختصر ہو گیا۔"

"میرے لئے کیا پروگرام تھا؟" میں نے سوال کیا اور چمن سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔ "جو پروگرام تھا اب نہیں ہے۔ تم نے واقعی مجھے مایوس کیا ہے۔ مارٹی کو قتل کر کے بھی تم نے اچھا نہیں کیا۔ ایک کام کے اور تجربے کار آدمی کو تم نے مار دیا۔ مجھے اس کا بہت افسوس ہے۔"

"ایاز کہاں ہے چمن؟"

"اسے لانچ سے واپس لے جایا گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر پہنچ گیا ہے۔"

"کیا وہ بھی میرے خلاف تمہارا آلہ کار تھا چمن؟" میں نے دھڑکتے دل کے

پوچھا۔ چمن کے اس جواب میں، میری توقعات کا تاج محل چھپا ہوا تھا۔ اس آخری سوال سے میرا قلبی تعلق تھا۔

چمن نے ناک سکوڑ لی اور گردن ہلا کر بولا۔ "نہیں منصور۔ میرا معیار اتنا گھٹیا نہیں ہے۔ سڑکوں اور گلیوں کے آوارہ گرد چھوکرے اتنے قابل اعتماد نہیں ہوتے۔ اسے صرف تمہارے دل بہلانے کے لئے تمہارے پاس چھوڑ دیا گیا تھا دراصل سیٹھ جبار کی طرف سے اپنے کارکنوں پر کوئی پابندی نہیں ہوتی، طارق نے اپنے کھیل پھیلا رکھے تھے۔ وہ بلیک میلنگ کرتا تھا۔ دوسرے چھوٹے موٹے کام بھی کر لیتا تھا اور اگر کبھی اسے جبار کی مدد کی ضرورت پیش آ جاتی تھی تو جبار اس سے پہلو تہی بھی نہیں کرتا تھا۔ ایسا ہی کھیل میں نے بھی جاری رکھا۔ ایاز صرف میرے لئے کام کرنے والا ایک چھوکرا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

میرے دل کو بڑا سکون ہوا تھا۔ کم از کم ایک شخص کا خلوص تو ثابت ہو گیا تھا۔ ورنہ چمن کی اصلی شکل دیکھ کر تو پروفیسر اور گل بھی مشکوک ہو گئے تھے۔ کون جانے کون کس رنگ میں ہو۔

چمن بدستور کسی سوچ میں گم تھا پھر اس نے بھاری لہجے میں کہا۔ "بہرحال منصور میں بھی تمہیں پسند کرتا ہوں۔ میری بھی خواہش تھی کہ تم انسان بن جاتے، کام کے انسان لیکن تم اب بھی وہی ہو۔ کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تمہارے اندر۔ میں سیٹھ جبار کو تمہارے بارے میں کوئی غلط رپورٹ نہیں دے سکتا۔ اگر تم ٹھیک ہو گئے ہوتے تو میں بڑی خوشی سے تمہیں ساتھ لے جاتا اور اس کے بعد......" چمن خاموش ہو گیا۔

میں بھی خاموشی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ حیرت، تعجب کے اثرات بہت حد تک کم ہو گئے تھے پھر میں نے کہا۔ "جو کچھ تمہارے دل میں ہے چمن ضرور کرو۔ ظاہر ہے تم سیٹھ جبار کے مہرے ہو۔ اس سے الگ نہ جاؤ گے لیکن چمن۔ تم نے کئی بار خلوص بھرے لہجے میں یہ بات کہی تھی کہ خدا کرے تمہیں تمہاری ماں اور بہن مل جائیں۔ کیا اس لہجے اور ان الفاظ میں صداقت نہیں تھی۔ وہ سب کچھ بھی جھوٹ تھا......؟"

"نہیں منصور۔ وہ جھوٹ نہیں تھا۔ میں نے یہی کہا تھا کہ وہ دونوں تمہیں مل جائیں اور شاید یہ اسی وقت ممکن تھا جب تم سیٹھ جبار کے لئے کام کے آدمی بن جاتے مگر......"

"اگر تم جبار کے اتنے قریبی دوست ہو، تو تمہیں تو ان دونوں کے بارے میں ضرور معلوم ہو گا۔ اب ان حالات میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مجھے ان کا پتہ بتا دو۔ مجھے صرف اتنا بتا دو کہ کیا وہ زندہ ہیں؟"

"منصور۔ مجھے ان کا پتہ نہیں معلوم۔ سیٹھ جبار ایک ماہر شاطر ہے۔ اس نے ہر

شخص کا ایک مقام متعین کیا ہوا ہے' میں اس کا پچیس سالہ دوست ہوں لیکن اس کا کارکن بھی ہوں' کارکن اور صرف کارکن' میرے لئے بھی حدود مقرر ہیں اور جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا وہ اپنے لوگوں کا امتحان لیتا ہے' وہ خود کو چاروں طرف سے چاق و چوبند رکھنے کے لئے دشمن تخلیق کرتا ہے اور ان دشمنوں کو سہولتیں مہیا کرتا ہے ایسی سہولتیں جو بعض اوقات خود اس کی زندگی کی بھی دشمن بن جائیں اور اس کے بعد وہ ان دشمنوں کو ناکامی کا منہ دیکھتے ہوئے دیکھتا ہے' شاید یہ اس کا مشغلہ ہے وہ خوش ہوتا ہے اس بات سے اور موقع دیتا ہے اپنے دشمنوں کو کہ وہ اس کے خلاف بھرپور جدوجہد اور کارروائی کریں' اس کا کہنا ہے کہ اس طرح وہ اپنے آپ کو آزماتا ہے' گویا وہ صرف اپنے کارکنوں کا امتحان ہی نہیں لیتا' بلکہ وقفے وقفے سے اپنا امتحان بھی لیتا ہے' تو ایسا آدمی کسی کو اپنے دل کی گہرائیوں تک کہاں پہنچنے دیتا ہے۔ میں تمہیں یہ بات بتا سکتا ہوں منصور کہ تمہاری ماں اور بہن زندہ ہیں۔ بھروسہ کر سکتے ہو تو صرف ایک بات کا بھروسہ کر لو کہ مجھے ان کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں معلوم۔"

میرے سینے میں پھر ایک کھولن پیدا ہو گئی تھی۔ ایک دھماکا سا ہوا تھا میرے ذہن و دل میں اور میں تڑپ کر رہ گیا تھا اتنے عرصہ کی جدوجہد اور امید و بیم کی کیفیت کے بعد ان دونوں کے زندہ ہونے کی اطلاع ملی تھی۔ آہ کاش مجھے ان کی قیام گاہ کا پتہ بھی چل جاتا۔ کاش کوئی ایسی ترکیب ہوتی کہ میں ان کی صورت دیکھ سکتا' ایک بار صرف ایک بار۔ یہ حسرت چند لمحات کے لئے میرے ذہن میں مچلی اور پھر میں نے عجیب سی نگاہوں سے چمن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو چمن کہ وہ دونوں زندہ ہیں؟" اس سوال کے بعد میں گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگا تھا۔

چمن کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ایک بار سیٹھ جبار ہی نے یہ بات بتائی تھی۔"

"کب' کیسے؟" میں نے اشتیاق سے سوال کیا۔

"میں بتا دوں گا منصور لیکن شرط یہ ہے کہ میری بات پر تم بھروسہ کرو گے اور اگر نہ کیا تو پھر میری ذہنی کیفیت بھی خراب ہو جائے گی۔"

"مجھے بتاؤ۔ مجھے بتاؤ چمن' چمن کہ کس بات پر یہ بات سیٹھ جبار نے تم سے کہی تھی؟"

"میں نے اس سے بات کی تھی۔" چمن بولا۔

"کیسی بات؟"

"میں نے اس سے کہا تھا کہ سیٹھ جبار' منصور ایک بچھڑا ہوا سانڈ ہے۔ یہ بات

میں نے اس وقت کہی تھی جب تم نے طارق کا بازو توڑ دیا تھا۔ میں نے سیٹھ جبار سے دوستانہ انداز میں یہ بات کہی تھی کہ اگر منصور کو اس کی ماں اور بہن دے دی جائیں اور اس کے بعد اس کے لئے ایسے وسائل پیدا کر دیئے جائیں کہ وہ ایمانداری اور شرافت کی زندگی سے محروم ہو جائے۔ اسے کہیں دو پیسے کی نوکری بھی نہ مل سکے تو شاید وہ تمہاری بات ماننے پر مجبور ہو جائے' جس کے جواب میں سیٹھ جبار نے ہنس کر کہا تھا کہ چمن بعض اوقات تم بھی بڑی بھولی بھولی باتیں کرتے ہو' منصور کو ابھی تک تم پہچان نہیں سکے۔ اس وقت صرف یہ ایک کارڈ ہمارے ہاتھ میں ہے' اگر ہم اس سے دستبردار ہوئے تو پھر وہ کسی کام کا نہ رہے گا اور اس کے بعد تم اسے نہ سنبھال سکو گے۔ جس پر میں نے اس سے سوال کیا کہ کیا اس کی ماں اور بہن زندہ ہیں؟ سیٹھ جبار نے اس کے جواب میں کہا کہ ہاں وہ زندہ ہیں اور سکون کی زندگی بسر کر رہی ہیں لیکن منصور کو وہ اس وقت تک نہ مل سکیں گی جب تک وہ میرا غلام نہ ہو جائے گا۔ میں نے سیٹھ جبار سے کہا کہ کیا وہ اسی شہر میں ہیں؟ یہیں رہتی ہیں؟ اس بات پر وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ چمن یہ سوال احمقانہ ہے۔ اس کا جواب تمہیں نہیں دیا جا سکتا۔ یقین کرو منصور' میں نے اس سے یہ سفارش کی لیکن اس بات کا بھی یقین کرو کہ وہ تمہیں اس وقت تک کچھ نہ بتائے گا جب تک کہ تم اس کے غلاموں میں شامل نہ ہو جاؤ گے' وہ بہت ہی چالاک انسان ہے منصور بہت ہی چالاک......"

میں چند لمحات ساکت و جامد رہا پھر میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"اگر یہ بات ہے چمن' تو میں اس سلسلے میں غور کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"نہیں منصور ایسے نہیں۔ تم نے مجھے بے حد مایوس کیا ہے۔ تمہارے چند الفاظ نے میری ذہنی کیفیت ہی بدل دی ہے' میں سیٹھ جبار کا دوست ضرور ہوں لیکن اصول کے تحت میں اس سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ پہلے میں تمہارے بارے میں اسے تفصیلات بتاؤں گا اور اس کے بعد یہ آخری الفاظ میں اس کے سامنے دہرا دوں گا۔ نتیجہ جو کچھ بھی ہو گا اس پر عمل کرنا پڑے گا۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے چمن۔ تم یہ کام کر سکتے ہو۔ یہ تمہاری مرضی ہے......"

"بات یہ ہے منصور کہ تم سیٹھ جبار کو سمجھ نہیں سکے۔ تم اس زمانے ہی کو سمجھ نہیں سکے۔ ہاں سیٹھ جبار ہزاروں امراض کی دوا ہے۔ بہت کچھ جانتا ہے' بہت کچھ دے سکتا ہے بہت بڑی چیز ہے' وہ' اور چند لوگ پیدا ہی اس لئے ہوتے ہیں کہ کائنات کے حکمران بنیں۔ وہ حکمران ہے اور ہم سب اس کی شطرنج کی بساط پر رکھے ہوئے مہرے۔ یہ بساط نجانے کہاں تک پھیلی ہوئی ہے' تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور اس کے شناسا ہاتھ اس بساط پر رکھے ہوئے مہروں کو چلاتے رہتے ہیں۔ بساط پر چھائے ہوئے ہاتھوں کو پہچان لو۔ ایسے ہاتھ بار بار پیدا نہیں ہوتے۔ یہ ہاتھ تقدیریں بدلنے کے ماہر ہیں اور اگر ان

ہاتھوں سے انحراف کیا جائے تو ہم بے جان مہرے اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتے۔ بر
اس سے زیادہ مجھے تم سے کچھ نہیں کہنا۔"

میں خاموشی سے چمن کی شکل دیکھتا رہا۔ چمن نے اپنے نزدیک بیٹھے ہوئے آد
سے کچھ کہا اور اس آدمی نے گردن ہلا دی پھر وہ شخص اس نامعلوم زبان میں جو ابھی تک
میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھی اور جس کے بارے میں' میں فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ کون
سی زبان ہے' اپنے ساتھیوں سے کچھ بولا اور دروازے پر مستعد کھڑے ہوئے مسلح افراد اند
گھس آئے پھر ان میں سے دو افراد آگے بڑھے اور انہوں نے میرا بازو پکڑ لیا۔ میں حیرت
سے چمن کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن چمن کا رخ دوسری طرف تھا۔ شاید وہ جان بوجھ کر مجھے نظر
انداز کر رہا تھا۔

"چلو۔" ان میں سے ایک نے کہا اور میں نے آخری بار چمن کی جانب دیکھا اور
گردن جھکا کر واپس پلٹ پڑا۔

○

یہ رات بڑے جان لیوا احساسات کی رات تھی۔ بڑی ٹوٹ پھوٹ ہوئی تھی'
میرے وجود میں۔ عقل نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اپنے سائے پر بھی شک ہونے لگا تھا۔
پروفیسر پر بھی غور کیا تھا۔ سرخاب کے بارے میں بھی سوچا تھا۔ سب کے بارے میں سوچا تھا
کس کی کیا غرض تھی مجھ سے؟ کس نے کس جذبے کے تحت' کس مصلحت کے تحت مجھ
سے دوستی کی تھی؟ سارے جہاں سے اعتماد اٹھ گیا۔ یہ دنیا میرے تصورات سے کہیں آگے
ہے۔ درحقیقت مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے انسانوں کا۔ احمق ہوں میں بالکل۔ چمن کو دوست
سمجھا تھا۔ آنکھیں بند کر کے۔ میں کیا جانتا تھا کہ میں اپنے دشمن کی گود میں بیٹھ کر خود کو
محفوظ سمجھ رہا ہوں۔ قلقاریاں مار رہا ہوں۔ معصوم بچوں کی مانند بہت پیچھے ہوں' میں اس
دنیا سے۔

"کیوں.....؟ آخر کیوں؟"

اور اس کا جواب چمن ہی مجھے دے چکا تھا۔ میں ابھی...... ناتجربے کار تھا۔ اس
کائنات کی آغوش میں پڑا ہوا بچہ ہوں لیکن اس طرح کام نہیں چلے گا۔ ہاں اس طرح کام
نہیں چلے گا۔ امی۔ تم زندہ ہو...... تو میرے لئے دعائیں کیوں نہیں کرتیں؟ دعائیں کرتی ہو
تو تمہاری دعائیں اس قدر بے اثر کیوں ہیں؟ خدا سے دعا کرو کہ مجھے یکسوئی دے۔ مجھے
کوئی منزل دکھا دے۔ فریدہ میری بہن' کہاں ہے تو؟ آواز دے' دل کی گہرائیوں سے مجھے۔
میں اس آواز کے سہارے تیرے پاس پہنچ جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میں تیرے دل کی
آواز سن لوں گا۔

بہت دن کے بعد آنسو آنکھوں میں آئے تھے۔ دل کی جلن باہر آ گئی تھی۔
ب رو لیا تو سکون سا محسوس ہوا۔ یہ خوشخبری کم نہیں تھی کہ وہ زندہ ہیں بشرطیکہ چمن
نے سچ بولا ہو۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ آرام سے ہیں۔ کیا واقعی وہ پرسکون ہیں ؟

مگر اب کیا کروں۔ کیا ان دونوں کے حصول کے لئے سیٹھ جبار کو آقا مان لوں۔
یا اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں' یہ فیصلہ کرنا بے حد مشکل تھا۔

صبح ہو گئی ۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ مجھے بھی باہر نکال لیا گیا اور وہ لوگ مجھے
ں طرح ہانکتے ہوئے کنارے پر لے گئے۔ کوٹھری میں دھکیلتے ہوئے میری ہتھکڑیاں وغیرہ
ھول دی گئی تھیں۔

میں نے خاموشی سے پیٹیاں ڈھونی شروع کر دیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ مارٹی کی
ت کا ان پر کیا ردعمل ہوا ہے اور اس وقت میری نگرانی کی جا رہی ہے یا نہیں؟ بہرحال
ت بڑی بات تھی۔ رات کی اس واردات کے بعد ان کا یہ ردعمل میرے لئے تعجب خیز
ا....

سارا دن گزر گیا۔ دوپہر کو دوسرے لوگوں کے ساتھ ہی مجھے بھی کھانا دیا گیا تھا۔
ئی انفرادیت نہیں رکھی گئی تھی مجھ میں اور دوسرے لوگوں میں۔ حالانکہ چمن یہاں موجود
الیکن یہ خیال بھی مضحکہ خیز تھا۔ میں اب بھی چمن سے کوئی توقع رکھتا تھا؟

لانچ خالی ہو گئی تھی اور اب مال گوداموں میں منتقل ہو رہا تھا پھر چھٹی ہو گئی اور
م کوٹھریوں میں آ گئے۔ اس رات دیر تک میں فضل سے باتیں کرتا رہا تھا۔ پھر میں سو گیا۔
سرے دن پھر وہی کام..... لیکن اب لانچ سمندر کے کنارے موجود نہیں تھی۔ وہ واپس
ی گئی تھی اور اب مال گودام میں لے جایا جا رہا تھا۔ میں بھی ان میں شامل ہو گیا۔

"دوپہر کو کھانے کی چھٹی ہوئی تو دو مسلح نوجوان میرے پاس آ گئے۔ "چلو۔"
ہوں نے کہا اور میں چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"کہاں؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں کسی کو یہ سوال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔" ان میں سے ایک نے
رخت لہجے میں کہا۔

میں خاموشی سے ان کے ساتھ چل پڑا۔ وہ مجھے لیئے ہوئے پتھروں سے بنے ایک
اطے میں داخل ہو گئے جس میں چند افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک قوی ہیکل چوڑے سینے
لے شخص نے جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا مجھے آگے آنے کا اشارہ کیا اور میں نے کوئی تعرض
یں کیا۔

"تمہارا نام منصور ہے؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"پرسوں رات تم نے مارٹی کو قتل کیا تھا؟"

"ہاں۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔

"گویا تم قتل کر سکتے ہو۔ منصور؛ تمہیں اس کی کوئی سزا اس لئے نہیں ملی کہ چمن یہاں موجود تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ یہ ایک خاص ذاتی معاملہ تھا لیکن اب چمن چلا گیا ہے اور اب یہاں کوئی معاملہ ذاتی معاملہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ویسے اب یہاں میرا کوئی دشمن بھی نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"دشمن بن سکتے ہیں۔ دشمنی ہو سکتی ہے۔ مجھ سے ملو۔ میں گواسکر ہوں۔ اوفیل گواسکر۔ اس جزیرے کا انچارج' یہاں کا حکمران۔ میرے حکم کے خلاف تمہاری کوئی بھی جنبش تمہیں ایسے عذاب میں گرفتار کر سکتی ہے جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔"

"ہم اپنی شکایتوں کا خود ہی ازالہ کر لیتے ہیں تم اس کی فکر مت کرو۔ میں نے تمہیں صرف انتباہ کے لئے بلایا ہے کیونکہ اس سے قبل بھی تم دو افراد کو زخمی کر چکے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"بس جاؤ۔ منتظم تمہیں آئندہ حالات سے آگاہ کر دیں گے ہم یہاں کچھ تبدیلیاں لانا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے تم سب کو کام کرنا ہو گا۔ تمہیں بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ سارے کام کرنا پڑیں گے۔"

"میں تیار ہوں۔"

"اور سنو! جس طرح پرسوں تم دھوکا دے کر لانچ پر پہنچ گئے تھے آئندہ ایسی حرکت نہ ہو۔"

"نہیں ہو گی۔"

"او۔ کے۔" اس نے کہا اور مجھے واپسی کا اشارہ کر دیا۔ مجھے یہاں تک لانے والے میرے ساتھ چل پڑے تھے اس کے بعد میں شام تک کام کرتا رہا اور پھر چھٹی کے بعد واپس اپنی کوٹھری میں آ گیا۔

ابھی تک میں مستقبل کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا۔ آئندہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے یہاں رہ کر وقت گزارنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا' میں ان تبدیلیوں کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا جن کا تذکرہ گواسکر نے کیا تھا۔ بہرحال آخری فیصلہ میں نے یہی کیا تھا کہ یہاں جتنے دن بھی گزارنے ہیں خاموشی سے گزاروں اور آنے والے وقت کا انتظار کروں۔

وقت گزرتا رہا۔ میں نے دنوں کا حساب چھوڑ دیا تھا۔ کیا فائدہ' یہ حساب کرنے ے؟ اور دل کی کیفیت خراب ہوتی تھی۔ بہت دنوں سے لانچ بھی نہیں آئی تھی اور سب ئ بیکار زندگی گزار رہے تھے۔ البتہ ان دنوں میں' ایک اور بات سوچتا رہا تھا یہاں کسی کو وست بنانا چاہئے۔ کسی ایسے شخص کو جو میری مانند سر پھرا ہو اور اس قید خانے سے فرار ں دلچسپی رکھتا ہو۔ اس کے لئے موزوں شخص کی تلاش کرنا بھی ایک مسئلہ تھا۔

بہرحال میری نگاہیں جائزہ لیتی رہی تھیں اور پھر کچھ آسانیاں اور فراہم ہو گئیں۔ ئواسکر کو جزیرے پر کچھ نئی تعمیرات اور صفائی ستھرائی کی سوجھی تھی۔ ممکن ہے اس نے وچا ہو کہ اس طرح ان بے کار مزدوروں کی کچھ ورزش ہی ہو جائے۔ بہرحال ایک صبح ں نے جزیرے میں موجود تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر لیا اور خود کو ایک لیڈر مجھ کر تقریر شروع کر دی۔

"تم لوگوں میں سے ہر شخص سمجھ چکا ہے کہ یہاں سے فرار یا چھٹکارا کسی طور مکن نہیں ہے جو یہاں موجود ہے اسے یہیں زندگی گزارنی ہے۔ ایک انسان ہونے کی نیثیت سے میں نے تمہارے لئے بہتر سہولتوں کی سفارش بھیجی تھی جسے منظور کر لیا گیا ہے س طرح تمہیں یہاں قیام میں آسانیاں فراہم ہو جائیں گی لیکن ان آسانیوں کے حصول کے لئے تمہیں خود محنت کرنی ہو گی۔ میں نے تمہارے علاج معالجے کے لئے ڈاکٹر منگوائے ہیں جو آئندہ ماہ یہاں پہنچ جائیں گے۔ دوسری سہولتیں بھی تم لوگوں کو مہیا کر دی جائیں گی لیکن اس کے لئے تمہیں خود بھی کام کرنا ہو گا اور کام کرنا بہت بہتر رہتا ہے۔ اس طرح ہاتھ پاؤں ڈھیلے بھی نہیں پڑتے۔ تمہیں بائیں سمت کی ساحلی پہاڑیوں کو توڑ کر نئی تعمیرات کے لئے پتھر جمع کرنے پڑیں گے۔ اس علاقے کی صفائی کرنی ہو گی اور یہ سارے کام' میں چاہتا ہوں کہ پرسوں سے شروع کر دیئے جائیں۔ سپروائزر تمہیں ہدایات دیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ پورے صبر و سکون کے ساتھ تم یہ خدمات انجام دو تاکہ آئندہ تمہارے مزید مفادات کے بارے میں بھی سوچا جا سکے۔"

"عورت۔" مجمعے میں سے کسی نے آواز لگائی اور گواسکر چونک کر آواز کی سمت دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"یہ مطالبہ کس نے کیا..... سامنے آؤ....." لیکن چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کسی نے اعتراف نہیں کیا۔ گواسکر کو کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

گواسکر کی خونخوار نگاہیں ایک ایک چہرے کو ٹٹول رہی تھیں۔ وہ اس شخص کو دیکھنا چاہتا تھا جس نے عورت کا مطالبہ کیا تھا لیکن اتنے لوگوں کے درمیان سے کسی ایک آواز کی شناخت مشکل تھی اور کوئی بھی شخص اس بارے میں کچھ بتانے کو تیار نہیں تھا۔

چند لمحات خاموشی رہی..... پھر گواسکر نے پاٹ دار آواز میں کہا۔

"تم سب لوگ کسی پر فضا مقام پر پکنک منانے نہیں آئے ہو۔ یہ میرا احسان ہے کہ میں نے تمہارے لئے یہ سفارشات کی ہیں۔ میں فطرتاً رحمدل انسان ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم تندرست رہ کر میرے لئے کام کرتے رہو........ تمہاری زندگی اور موت سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آج تک تم جس انداز میں زندگی گزارتے آئے ہو، اس کا تمہیں اندازہ ہے۔ کھلے آسمان تلے موسم کی سختیوں کے ساتھ ساتھ تم بیمار ہو جاتے تھے تو تمہیں ایک علیحدہ جگہ ڈلوا دیا جاتا تھا۔ مرجاتے تو تمہارے لئے سمندر موجود ہے اور تم میں سے جتنے کم ہو جاتے ہیں، میری طلب پر مجھے اتنے ہی نئے لوگ مل جاتے ہیں۔ گویا مجھے اس سلسلے میں کوئی پریشانی نہیں ہے لیکن میں فطرتاً رحمدل ہوں۔ یہ سب کچھ میں نے تمہاری بہتری کے لئے سوچا ہے۔ اگر تم لوگوں نے اس منصوبے کی تکمیل میں کوئی گڑبڑ کی تو میں اس پر لعنت بھیج دوں گا اور تمہاری زندگی انہی مصیبتوں کا شکار رہے گی۔ کسی طرح کی بدمعاشی اور سرکشی نہیں برداشت کی جائے گی۔ مجھے یہاں موجود انسانوں کی زندگی کا حساب نہیں دینا پڑے گا۔ سمجھے تم لوگ۔ مجھے بتاؤ، عورت کی ضرورت کے محسوس ہوئی ہے؟ میں اس بارے میں بھی کوئی غور کروں گا۔"

لیکن کوئی کچھ نہیں بولا۔ غالباً وہ لوگ گواسکر کی مکاری سے واقف تھے۔ گواسکر کو اس کے باوجود کوئی جواب نہ ملا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھر آئی اور اس نے کہا۔ "آئندہ کوئی ایسا مطالبہ نہ ہو، ورنہ میں ایسا مطالبہ کرنے والے کے ہاتھ پاؤں بندھوا کر سمندر میں ڈلوا دوں گا...... سمجھے تم لوگ؟ بس اب منتشر ہو جاؤ۔"

لوگ منتشر ہو گئے۔ میں بھی عام لوگوں کے ساتھ تھا۔ جزیرے کی زندگی عجیب تھی حالانکہ مجھے یہاں خاصا وقت گزر چکا تھا لیکن ابھی تک میں اس جزیرے کی نوعیت نہیں جان سکا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے یہاں کسی سے گھلنے ملنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کسی سے بھی میری شناسائی نہیں ہوئی تھی، نہ ہی کسی اور نے میرے نزدیک آنے کی کوشش کی تھی۔ سب ہی اپنے اپنے دکھوں کی صلیب کاندھوں پر اٹھائے، سسک رہے تھے۔ انسانوں کے دو طبقے تھے یہاں۔ ایک وہ جو، جزیرے کے نگراں عملے کے لوگ تھے اور علیحدہ بیرکوں میں رہتے تھے اور دوسرے وہ جو مزدور یا قیدی تھے۔ عملے کے لوگ قیدیوں سے دور رہتے تھے کوئی بھی کسی قیدی سے گھلنے ملنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ باقی رہے قیدی قسم کے لوگ تو وہ افسردہ رہتے تھے اور ان کی کیفیت ایک مشین کی سی تھی۔ غالباً وہ آپس میں کسی سے کوئی گفتگو نہیں کرتے تھے۔

گواسکر کی اس تقریر کے بعد، میں بھی اپنی کوٹھری میں واپس آ گیا میرے ذہن میں کچھ نئے خیالات انگڑائیاں لینے لگے۔ یہ جزیرہ نہ تو کوئی جیل تھی۔ نہ ہم لوگ کسی حکومت کے قیدی تھے پھر یہاں موجود لوگ اس قدر بے بس کیوں ہیں؟ یہ کون ہیں، کہاں

سے لائے گئے ہیں؟ میرے دل میں ان کے بارے میں جاننے کا اشتیاق پیدا ہو گیا اور میں نے فیصلہ کیا کہ ان کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا۔ ویسے یہ بھی انوکھی بات تھی کہ سیٹھ جبار، جیسا کہ چمن نے بتایا تھا کہ مجھ سے اس قدر دلچسپی رکھتا ہے اور اگر چمن کی بات پر یقین کر لیا جائے تو میری اب تک کی زندگی اسی کی مرضی کے مطابق گزرتی رہی تھی، اب وہ مجھ سے اس قدر بے پرواہ کیوں ہو گیا؟ مجھ میں اور یہاں موجود عام لوگوں میں کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا۔ اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا کہ سیٹھ جبار مجھے، مکمل بے بسی کا احساس دلانا چاہتا ہے۔ یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ میں اس کی نگاہ میں ایک حقیر چیونٹی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ تو اس کی عنایت تھی کہ وہ مجھ جیسے حقیر انسان کو فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچا دینا چاہتا ہے۔ اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تو یہ غلط بھی نہیں تھا۔ سیٹھ جبار کے مقابلے میں میری حیثیت ہی کیا تھی۔ میں اس کے ایک معمولی سے ڈرائیور کا بیٹا تھا۔ جسے ایک ڈرائیور کی جگہ ہی دی گئی تھی اور وہ ایک جزیرے کا حکمران تھا اور نہ جانے کیا کیا جال پھیلے ہوں گے، اس کمبخت کے۔ نہ جانے کتنے منصور اس کے شکنجے میں جکڑے ہوں گے۔ میں اس کے لئے کیا حیثیت رکھتا تھا۔

سیٹھ جبار کے بارے میں جتنا سوچتا، ذہن عجیب سی بے بسی کے احساس کا شکار ہونے لگتا تھا لیکن میں اس بے بسی کو ذہن میں جگہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں نے اس کے مقابل آنے کے بارے میں تو کبھی نہیں سوچا تھا۔ میں اس سے بڑا آدمی تو نہیں بننا چاہتا تھا۔ میں تو بس اپنا مقام چاہتا تھا۔ اپنی ماں اور بہن کا حصول چاہتا تھا اور ان احساسات میں، میں اس سے چھوٹا نہیں تھا۔ ٹھیک ہے میں بار بار اس کے سامنے بے بس ہوا تھا لیکن جب تک سینے میں سانس اور بدن میں روح موجود ہے، میں اس کے خلاف کام کرتا رہوں گا۔

بہرحال پہاڑوں کی کٹائی شروع ہو گئی۔ مزدوروں کی ایک بڑی تعداد، پہاڑوں میں پہنچا دی گئی۔ ان کے لئے ایک پہاڑی کے دامن میں کیمپ لگایا گیا تھا۔ اپنی یہ رہائش گاہ بھی مزدوروں نے خود تیار کی تھی۔ کام تقسیم ہو گئے۔ چند مزدوروں کو کھانا پکانے کا کام سونپ دیا گیا۔ محافظوں کے لئے بڑے بڑے خیمے لگائے گئے جو مزدوروں کے احاطے سے کافی دور تھے۔ ان کے نزدیک مچان باندھے گئے تاکہ مزدوروں پر نگاہ رکھی جائے۔

تیسرے دن صبح گواسکر نے مزدوروں کے اجتماع کے سامنے پھر تقریر کی۔

"یہ سب کچھ تم لوگوں کے لئے ہو رہا ہے۔ میں آخری بار کہتا ہوں کہ میں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تم لوگ بھی انسانوں کی طرح زندگی بسر کرو۔ اب سے تھوڑی دیر بعد کام کا آغاز ہو جائے گا...... تین انجینئر تم لوگوں کی راہنمائی کریں گے۔ تمہیں چاہئے کہ پورے صبر و سکون کے ساتھ کام کرو۔ اور میرے اس مشن کو پورا

کرو۔ فرد نے اس سلسلے میں کوئی شرارت کی تو وہ یہ سوچ لے کر اس جزیرے پر معافی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بس اب تم لوگ اپنی ڈیوٹیاں سنبھال لو۔"

تمام مزدور ایک جگہ جمع ہو گئے۔ ایک عظیم الشان پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹانا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک دھماکا ہوا اور کام کا افتتاح ہو گیا۔ یہ دھماکا ڈائنا مائیٹ کا تھا۔ اس رات مزدوروں کے کیمپ میں' میں نے پہلی بار ایک شخص سے دوستی کرنے کی کوشش کی۔ ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ مضبوط قویٰ کا مالک' لمبی داڑھی تھی اور پیشانی پر نماز کا نشان موجود تھا۔ وہ کھانے سے فارغ ہو کر آرام کرنے کے لئے' میرے نزدیک ہی آ کر لیٹ گیا تھا۔ میں نے اسے سلام کیا تو اس نے مجھے دیکھا اور پھر جلدی سے سلام کا جواب دیا۔

"نیند آ رہی ہے آپ کو؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ کیوں کوئی خاص بات ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔ بس میں نے سوچا آپ سے باتیں ہی کی جائیں۔ ایک سوال میرے ذہن میں گردش کرتا رہتا ہے۔ یہاں سب ایک ہی دکھ کے شکار ہیں لیکن ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟"

"میرے خیال میں ایسی بات نہیں ہے۔ سب ایک دوسرے کے شناسا ہیں۔ آپس میں اپنے دکھ بھی ایک دوسرے سے کہتے رہتے ہیں لیکن بعض اوقات ان کا ماضی انہیں ماحول سے بیزار کر دیتا ہے اور وہ خود بھی کھو جاتے ہیں۔"

"مجھے بھی یہاں آئے ہوئے کئی دن ہو گئے ہیں لیکن اس دوران میں' میں ایک بھی شناسا نہیں بنا سکا۔"

"دن......" ادھیڑ عمر شخص کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ابھی تمہیں دن ہوئے ہیں۔ بیٹے! مہینے' پھر سال ہو جانے دو' جگ بیت جانے دو۔ سب سے شناسائی ہو جائے گی۔ جلدی کیا ہے؟"

"میں آپ کو کس نام سے پکاروں۔ ویسے میرا نام منصور ہے۔"

"اوہ۔ بڑا دلکش نام ہے میرے لئے۔ میرے سب سے بڑے بیٹے کا نام بھی منصور ہی ہے۔ تین بیٹے ہیں میرے۔"

"تت تو کیا۔ میرا مطلب ہے ان میں سے کوئی اس کیمپ میں بھی ہے؟" میں نے بے اختیار سوال کیا۔

"خدا نہ کرے۔ وہ سب اللہ کے فضل و کرم سے خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں۔" ادھیڑ عمر شخص نے تڑپ کر کہا۔ "بشیر ہے میرا نام۔ حافظ بشیر۔ خدا کے فضل و کرم سے قرآن محفوظ ہے میرے سینے میں۔ میرا واحد سہارا' جس کے ذریعے زندگی میں کوئی اضطراب نہیں ہے۔ باقی سب کچھ اللہ کی مرضی ہے وہ جس حال میں بھی رکھے۔" معمر

شخص نے کہا۔

"مجھے معاف کیجئے محترم! خواہ مخواہ آپ کے آرام میں مخل ہو رہا ہوں۔ بس ذرا دل چاہ رہا ہے آپ سے گفتگو کرنے کو۔"

"ضرور کرو۔ مجھے فرصت ہے۔" حافظ بشیر نے کہا۔

"آپ یہاں کیسے آئے؟"

"بہت مختصر سوال ہے لیکن اس کا جواب بہت طویل ہے۔ مختصر کہوں کہ سب اللہ کی مرضی تھی' تو تمہاری تشفی نہیں ہو گی۔ اس لئے تھوڑی سی تفصیل بیان کر دوں۔ جوانی فوج میں گزاری۔ سنگاپور میں چھ ماہ تک جاپانیوں کی قید میں رہ چکا ہوں۔ یہ کیمپ دوران جنگ کے قیدیوں کے کیمپوں سے مختلف نہیں ہے۔ میرے خیال میں اس کا تصور بھی جنگی قید خانوں سے لیا گیا ہے۔ یہی سب کچھ وہاں ہوتا تھا انسانوں کے ساتھ۔ بہرحال ملک تقسیم ہو گیا۔ رب العزت نے تین بیٹے عطا فرمائے ہیں لیکن حالات کچھ ایسے رہے کہ میں اپنی نگرانی میں ان کی تربیت نہ کر سکا۔ ایک کنسٹرکشن کمپنی میں ملازم تھا جو پل اور سڑکیں بناتی تھی۔ اس لئے باقی آدھی زندگی گھر سے دور رہ کر گزاری۔ بچے اہلیہ کی نگرانی میں پرورش پاتے رہے۔ فوجی زندگی نے مشقت اور فرض شناسی کا عادی کر دیا تھا۔ ڈیوٹی سے غیر حاضر رہنا مجھے پسند نہیں تھا اس لئے دس سالہ مدت ملازمت میں' میں نے زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ ماہ کی چھٹی کی ہو گی' تینوں بیٹیوں کی شادی میں شریک ہونے کے لئے گھر پہنچا تھا یا پھر اہلیہ کی موت پر' اس کے علاوہ میں نے کبھی چھٹی نہیں کی حالانکہ بچوں کی ابتدائی پرورش اسی تنخواہ سے ہوئی جو مجھے کمپنی سے ملتی تھی لیکن اس کے بعد انہوں نے شاید خود کو بے سہارا محسوس کیا اور ان کا سوچنا بھی شاید درست ہی تھا۔ بے شک انہوں نے تھوڑی بہت تعلیم میری کمائی سے حاصل کی جو بہت مختصر تھی اس کے علاوہ اپنے مستقبل کی تعمیر میں ان کی اپنی کوشش ہی کارفرما تھی' اس لئے وہ یہ بات فراموش کر بیٹھے کہ باپ کا سہارا بھی کوئی چیز ہوتا ہے' شادیاں ہونے کے بعد انہوں نے اپنے اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر اپنے آپ کو سنبھال لیا لیکن یہ احساس ان کے سینوں میں کارفرما تھا کہ باپ دور کی کوئی چیز ہے جس سے زندگی کا تعلق زیادہ سے زیادہ چند روز کا ہوتا ہے' نجانے کیوں یہ بات ان بے وقوفوں کے ذہن میں جڑ پکڑ گئی۔ اہلیہ کے انتقال کے بعد میں نے ڈیڑھ دو سال تک ملازمت جاری رکھی لیکن اب دل نوکری پر مائل نہیں ہوتا تھا' یہ خواہش تھی کہ اپنے بیٹوں اور ان کے بچوں کے درمیان زندگی گزاروں۔

چند روز کی بات تو کچھ نہیں تھی' مجھے جگہ مل گئی لیکن میرے بچوں کو میری وجہ سے تکلیف ہو گئی تھی۔ ان کی بیویوں نے ناک بھوں چڑھانا شروع کر دیا' ظاہر ہے میرے لئے وہ کون سی جگہ بناتے' اب اتنا چھوٹا سا مکان تھا' چھت پر بھی میرا گزارہ ممکن نہیں تھا

گرمیاں تو چھت پر گزاری جا سکتی ہیں لیکن سردیوں میں کیا ہوتا۔ میں نے اپنے پوتے اور پوتیوں کے لئے کافی سامان خریدا۔ اپنی اس رقم سے' جو مجھے کمپنی سے ملی تھی اور اسی وقت...... میرے بچوں پر یہ انکشاف ہوا کہ میں اب ملازمت چھوڑ چکا ہوں۔ میرے بیٹوں نے تو اپنے دلوں میں نجانے کیا سوچا ہو لیکن میری بیٹیاں یعنی ان کی بیویاں آپس میں کھسر پھسر کرنے لگیں' موضوع یہی تھا کہ اب میں کہاں رہوں گا اور وہ میرے لئے کہاں سے جگہ نکال سکیں گی؟ انہوں نے اپنے شوہروں سے بھی یہ سوال کئے' چنانچہ میرے منجھلے بیٹے نے ایک تجویز پیش کی۔ اس نے کہا میں کوئی چھوٹی سی جگہ کرائے پر حاصل کر لوں اور وہاں رہوں۔ انہوں نے بڑی فراخدلی سے کہا کہ میں کھانا پینا تو اپنے پاس سے کروں البتہ جگہ کا کرایہ وہ مشترکہ طور پر ادا کر دیا کریں گے۔ تو میں نے سوچا کہ میں اپنے بچوں کو کیوں تکلیف دوں' کیا محسوس کریں گے وہ اپنے دلوں میں' وہ اگر خود محسوس نہ کریں گے تو ان کے ملنے جلنے والے بلاوجہ ان پر طعنہ زنی کریں گے کہ بوڑھے باپ کو گھر سے نکال کر ایک اجنبی جگہ چھوڑ دیا گیا ہے' چنانچہ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ میں وہ شہر چھوڑ دوں۔ چنانچہ میں نے وہ شہر چھوڑ دیا اور دوسری جگہ آ گیا لیکن دل نہیں لگتا تھا' مجھے اپنے پوتے پوتیاں بہت پسند تھے یہ سب مجھے یاد آتے تھے اور دل چاہتا تھا کہ یہ مختصر سا فاصلہ طے کر کے ان کے پاس پہنچ جاؤں لیکن پھر وہی احساس کیا فائدہ کہ تلخی ہو۔

وہاں سے دل کچھ اکتا سا گیا۔ تھوڑی سی رقم ابھی باقی تھی جسے میں بڑی احتیاط سے خرچ کر رہا تھا پھر ایک ریکروٹنگ ایجنسی کا اشتہار میں نے دیکھا۔ اسے کنسٹرکشن سے متعلق کانوں کے لئے ورکروں کی ضرورت تھی' میں وہاں پہنچا۔ پاسپورٹ وغیرہ میرے پاس موجود نہیں تھا۔ ریکروٹنگ ایجنسی کے نمائندے نے مجھ سے کہا کہ وہ خفیہ طور پر مجھے ملک سے باہر پہنچا سکتے ہیں' بہترین مستقبل رکھا تھا انہوں نے میرے سامنے۔ انہوں نے کہا تھا کہ مجھے رہائش ملے گی۔ کھانا پینا ملے گا اور معقول تنخواہ ملے گی میں نے سوچا یہ ذریعہ اچھا ہے۔ ممکن ہے ملک سے باہر رہ کر میں اپنے ان معصوم پوتے اور پوتیوں کے لئے کچھ فراہم کر سکوں' چنانچہ میں چھ ہزار روپے دے کر ایک لانچ کے ذریعے چل پڑا اور لانچ نے مجھے یہاں پہنچا دیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہ اسمگلروں کا ایک گروہ ہے جو اس طرح سے مزدور جمع کر رہا ہے تاکہ وہ ان کے لئے کام کر سکیں۔ میں نے مختصر ترین الفاظ میں یہ کہانی تمہیں سنائی ہے' یہ ہے میری کہانی۔" حافظ بشیر خاموش ہو گیا...... میرا دل ڈوب رہا تھا۔ اب تک کی زندگی میں جو تجربات حاصل ہوئے تھے ان سے یہی اندازہ ہوا تھا کہ اس دنیا میں کچھ لوگ سیٹھ عبدالجبار ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو کچھ نہیں ہیں۔ صرف انسان ہیں اور بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو حوادث زمانہ میں الجھ کر انسانیت کا تصور تک بھول بیٹھے ہیں جن کا اعتماد انسانوں پر سے اٹھ چکا ہے اور جو خود کو انسانوں کے اس ریوڑ میں شامل

سمجھتے ہیں۔ جو صرف مصائب اٹھانے کے لئے ہے' ان کے دلوں میں محبتوں کے سمندر بھی موجزن ہیں لیکن ان سمندروں میں کبھی طغیانی نہیں آتی' وہ یہ نہیں سوچتے کہ اڑ کر اپنے پیاروں کے پاس پہنچ جائیں۔ کیونکہ جنہیں وہ اپنا سمجھتے ہیں وہ ان سے بیزار ہیں۔

میرے معبود! یہ کیا ہے' یہ سب کیا ہے؟ دنیا تیری محبت کے سہارے تشکیل پائی ہے تو پھر یہاں یہ ایسے کیوں ہیں' اس ساری زمین پر محبتوں کے پھول کیوں نہیں کھلتے کیونکہ یہ تو تیری محبت کا پرتو ہے۔ یہاں ایسے بے بس کردار کیوں آ بسے ہیں؟ میں دیر تک سوچتا رہا۔ حافظ بشیر بھی خاموش لیٹا ہوا تھا' نجانے اس کے ذہن میں کیا کیا خیالات آ رہے ہوں گے۔ اس کے الفاظ میں سپاٹ پن تھا لیکن میں ان کے گداز سے اچھی طرح واقف تھا۔ جب میں نے اپنا نام منصور بتایا تھا تو اس کی آنکھوں میں محبت کی کتنی کرنیں پھوٹ پڑی تھیں کیونکہ منصور اس کے بڑے بیٹے کا نام تھا۔ جب میں نے اس سے یہ کہا کہ کیا اس کا بیٹا بھی اس کیمپ میں موجود ہے؟ تو کیسے تڑپ اٹھا تھا۔ آہ کتنی محبت تھی اس کے دل میں ان لوگوں کے لئے جو اس کے وجود کو کسی کونے میں بھی برداشت نہ کر پائے تھے جن کے پاس اس کے لئے دو گز زمین بھی نہیں تھی' صرف ایک چارپائی' دو وقت کی روٹی اور تین چار جوڑے کپڑے۔ وہ تین مل کر تو اسے اپنی آنکھوں پر بٹھا سکتے تھے لیکن انہوں نے اسے کہاں پہنچا دیا تھا۔

"سو گئے؟" حافظ بشیر کی آواز ابھری۔

"نہیں۔ آپ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"بیٹے کیوں فضول باتوں کو اپنے ذہن میں جگہ دے رہے ہو۔ یہاں ہر کہانی تمہیں اس سے ملتی جلتی ہی ملے گی۔ بس تھوڑا سا الٹ پھیر ہوتا ہے ان کہانیوں میں لیکن مفہوم سب کا یکساں ہوتا ہے' میں تو یہ بھی نہیں پوچھوں گا تم سے کہ تم کون ہو اور یہاں تک کیسے پہنچے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ ذرا سے گھماؤ پھراؤ کے ساتھ وہی کہانی ہو گی' کسی کے ظلم کی کہانی۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

میں خاموش ہو گیا تھا۔ رات کے کسی پہر نیند آ گئی لیکن ذہن میں بوڑھے کے بارے میں خیالات تھے۔ میں الٹے سیدھے خواب دیکھتا رہا۔ امی اور فریدہ بھی نظر آئیں' ایاز کو بھی دیکھا۔ پروفیسر شرازی اور سرخاب کو دیکھا۔ سب عجیب عجیب سی کیفیت لئے میرے سامنے آ رہے تھے اور پھر ان سب کے غول میں سے ایک چہرہ ابھرا...... ایک شیطانی چہرہ۔ یہ چمن کا تھا۔

چمن جس پر مجھے بے حد اعتماد تھا اور جس کی میں نے خلوص دل سے قدر کی تھی لیکن بعض جگہ تقدیر کا بلکہ ایک غیبی ہاتھ کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ چمن بھی کسی طور سیٹھ جبار کا آدمی ہو سکتا ہے لیکن میں نے اس سے پروفیسر شیرازی کو

چھپایا تھا اور یہ کتنی اچھی بات ہوئی تھی' ورنہ پروفیسر شدید مشکلات کا شکار ہو جاتا۔ سیٹھ جبار جیسا شیطان اکیلے کہاں چھوڑتا۔ مجھے اپنے دل میں مسرت کا بے پایاں سمندر اُمڈتا ہوا محسوس ہوا تھا عالم خواب میں۔ بہر صورت صبح ہو گئی۔ مزدوروں کو ناشتہ دیا گیا۔ جزیرے پر دھماکے ہوتے رہے' پہاڑی پتھر ٹوٹ کر نشیب کی جانب لڑھکتے رہے اور مزدور کام کرتے رہے۔ یوں شام ہو گئی۔ میرے سلسلے میں کوئی خاص تخصیص نہیں تھی۔ دوسرے مزدوروں کے ساتھ میں بھی بڑا سا ہتھوڑا ہاتھ میں لئے پتھر کوٹنے کا کام کرتا رہا۔ پہاڑی میں ایک نمایاں شگاف پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے درمیان سے ایک سڑک نکالی جا رہی تھی۔ اس کام کو جاری ہوئے تقریباً پندرہ دن ہو چکے تھے۔ ابھی تک کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا جو قابل ذکر ہوتا...... مزدور اپنا کام کر کے اور تھک ہار کر رات کو اس خار دار تاروں کے کیمپ میں آ پڑتے' البتہ اب میرے اس خیال کی تردید ہو گئی تھی کہ یہاں کوئی ایک دوسرے کا شناسا نہیں ہے' سب ہی آپس میں ایک دوسرے سے بات چیت کرنے لگے تھے۔ اس دوسرے حصے کی بات اور تھی جہاں ہمیں کوٹھریوں میں رہنا پڑتا تھا' ظاہر ہے دن بھر کے کام دھندوں کے بعد جب کوٹھریوں میں تنہائی نصیب ہوتی تھی تو پھر کسی سے خصوصی تعارف کیا حیثیت رکھتا تھا اور وہ لوگ جو طویل عرصے سے یہاں موجود تھے' ایک دوسرے کے شناسا بھی تھے اور ایک دوسرے سے اچھی خاصی واقفیت رکھتے تھے۔ حافظ بشیر سے میری کئی بار ملاقاتیں ہوئیں' یہ ضروری بات نہیں تھی کہ کوئی شخص کسی ایک ہی جگہ آرام کرے۔ جس کا جہاں دل چاہا لیٹ گیا وسیع احاطہ تھا۔ تقریباً سولہ سترہ دن کے بعد' میں ایک شام حافظ بشیر کے پاس زمین پر لیٹا ہوا تھا کہ میرے ذہن میں ایک خیال ابھرا اور میں نے حافظ بشیر کو آواز دی۔ وہ کہنی پر سر رکھے میری جانب مڑ گیا تھا۔

"حافظ صاحب آپ کو یہاں آئے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا؟"

"شروع شروع میں تو وقت کا تعین کیا تھا بیٹے لیکن اس کے بعد پھر گھنٹوں' دنوں اور مہینوں کو یاد رکھنا چھوڑ دیا۔ اب تو سالوں بیت گئے ہیں۔ اگر غور کروں تو اندازہ ہوتا ہے کہ پانچ چھ سال سے کم نہیں ہوئے لیکن میں نے ان کا کوئی حساب نہیں رکھا۔"

"ویسے آپ کو اس جگہ کے بارے میں بھی کچھ معلومات نہیں ہیں....؟"

"کیوں نہیں۔ یہ جزیرہ ساؤتھ اینڈ کہلاتا ہے ان لوگوں کے الفاظ میں...... اب یہ ساؤتھ اینڈ کیا ہے؟ اس بارے میں مجھے نہیں معلوم۔"

"یہاں جہاز وغیرہ تو آتے رہتے ہوں گے؟"

"اکثر...... ظاہر ہے اسمگلروں کا جزیرہ ہے۔ سامان یہاں اترتا ہے چڑھتا ہے اور نجانے کہاں کہاں جاتا ہے...... کبھی کبھی ہیلی کاپٹر بھی یہاں آ جاتا ہے۔ نجانے کتنا لمبا چوڑا جال پھیلا رکھا ہے ان لوگوں نے لیکن اس کے آگے کی تفصیلات مجھے نہیں معلوم اور میرا

خیال ہے یہاں موجود کسی شخص کو بھی نہیں معلوم......"

"آپ قرب و جوار میں نظر نہیں آتے' آپ کو کیا کام کرنا ہوتا ہے......؟"

"میں مائن انچارج ہوں۔ پانچ آدمی میری تحویل میں دے دیئے گئے ہیں۔ بارودی سرنگیں لگاتا ہوں اور پہاڑیاں اڑاتا ہوں کنسٹرکشن کمپنی میں بھی میں یہی کام کرتا تھا۔"

"ان لوگوں کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟" میں نے سوال کیا۔

"میں نے خود بتائی تھی۔ ملازمت حاصل کرنے کے لئے میں نے جو درخواست دی تھی اس میں بھی میں نے اپنا پیشہ اور تجربہ لکھا تھا۔" حافظ بشیر نے جواب دیا اور میں سوچ میں ڈوب گیا۔ ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ حافظ بشیر سے دل کی بات کہوں۔ جو کچھ کرنا تھا بہت سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔ بہرحال کچھ تذبذب کے بعد میں نے کہا۔

"حافظ صاحب۔ آپ کو یہاں اکتاہٹ نہیں محسوس ہوتی آپ نے کبھی یہاں سے نکلنے کے بارے میں نہیں سوچا؟" میرے اس سوال پر حافظ بشیر نے ایک گہری سانس لی اور گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"میری کہانی سننے کے بعد بھی یہ سوال کر رہے ہو؟" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "کون ہے میرا باہر کی دنیا میں۔ میرے بچے مجھے بھول چکے ہوں گے۔ میرے پوتے پوتیاں پہلے بھی میرے شناسا نہیں تھے۔ اب تو ان کے ذہن میں میرا تصور بھی نہیں ہو گا۔ خواہ مخواہ انہیں پریشان کرنے سے کیا فائدہ؟"

"لیکن اس جزیرے کی زندگی؟ آپ اس سے مطمئن ہیں؟"

"ہاں۔ پوری دنیا میرے لئے یکساں ہے۔ دو روٹیاں' تن ڈھانکنے کے لئے لباس اور آرام کے لئے دو گز زمین۔ مجھے اس سے زیادہ کیا چاہیئے؟ کلام الٰہی میرا سرمایہ ہے۔ جب کبھی اضطراب بڑھ جاتا ہے تو میں اللہ کے کلام میں ڈوب جاتا ہوں۔ بے پایاں سکون ملتا ہے مجھے۔"

میں خاموش ہو گیا۔ درحقیقت حافظ بشیر کا کہنا درست تھا۔ جب اس خاموشی کو کافی دیر گزر گئی تو حافظ بشیر نے ہی مجھے مخاطب کیا۔ "منصور بیٹے؟"

"جی حافظ صاحب!"

"تم فرار کے بارے میں سوچ رہے ہو؟" حافظ صاحب نے نہایت سادگی سے کہا لیکن میں چونک پڑا تھا۔

"یہ اندازہ آپ نے کیسے لگایا حافظ صاحب؟"

"تمہارے سوالات سے۔ اس کے علاوہ تم نوجوان ہو۔ سب حافظ بشیر نہیں ہوتے۔ نہ جانے کون کون ہو گا تمہارا۔ مجھ میں اور تم میں بہت فرق ہے۔ اس لئے یہ

سوال انوکھا نہیں ہے۔"

میں خاموشی سے حافظ بشیر کی شکل دیکھتا رہا میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "ہا
حافظ صاحب! آپ کا خیال درست ہے......"

"میں تمہیں بددل نہیں کروں گا بیٹے لیکن یہ جگہ بڑی پراسرار ہے۔ جزیرہ بھ
مختصر نہیں ہے۔ مجھے یہاں اتنا عرصہ ہو گیا لیکن مجھے اس کے بارے میں پوری تفصیلات آ
تک نہیں معلوم ہو سکیں جن لوگوں سے میری شناسائی ہے ان میں سے کسی نے آج تک
یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ جزیرے کے محل وقوع کے بارے میں کچھ جانتے ہے......"

"ہوں۔ کوئی ایسا شخص بھی ملا آپ کو جس کے دل میں یہاں سے فرار ہونے
منصوبہ ہو؟"

"باتیں تو بہت سے لوگ کرتے ہیں لیکن میرے یہاں قیام کے دوران آج تک
کسی نے فرار کی کوشش نہیں کی۔ ویسے گواسکر انتہائی چالاک آدمی ہے۔ ہرچند کہ ابھ
تک یہاں سے فرار کا کوئی واقعہ نہیں ہوا ہے لیکن وہ چوکس رہتا ہے۔ اس نے خونخوا
شکاری کتے بھی پال رکھے ہیں جنہیں بعض اوقات راتوں کو کھول دیا جاتا ہے۔ یہ تربیت
یافتہ کتے ہیں جو اپنے شکار کو پاتال سے بھی کھود لاتے ہیں۔ میں نہیں جانتا منصور کہ فرار ک
کوشش کامیاب بھی ہو سکتی ہے یا نہیں۔"

"میں خاموشی سے حافظ صاحب کی باتوں پر غور کرتا رہا۔ اس کے بعد میں نے
اس موضوع پر ان سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ خود حافظ بشیر کو اس فرار کے لئے اپنا ساتھ
بنانے کا کوئی خیال میرے ذہن میں نہیں تھا کیونکہ میں جان چکا تھا کہ وہ اس احساس کو ہ
کھو بیٹھے ہیں۔ ساری رات مجھے نیند نہیں آئی۔ میں بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا تھا۔ فرا
کے مختلف منصوبے میرے ذہن میں آ رہے تھے۔ ویسے یہ بات بھی بے چینی کا باعث تھ
کہ کم بخت چمن، مجھے یہاں پہنچا کر بھول گیا تھا۔ حالانکہ سیٹھ جبار کے سلسلے میں، میں نے
اس سے نرمی کا اظہار کیا تھا۔ چمن کے بارے میں اب یہ بات ظاہر ہو گئی تھی وہ سیٹھ جبار
کا آدمی ہے اور اس کے سارے اقدامات بھی سیٹھ جبار کے ہی اشاروں پر ہوتے ہیں اور
سیٹھ جبار اس بات پر تلا ہوا تھا کہ میں خود کو ایک چیونٹی کی طرح حقیر سمجھنے لگوں اس کے
سامنے...... اگر سچائی سے سوچا جاتا تو حقیقت واضح ہو جاتی تھی۔ کہاں سیٹھ جبار ایک
بین الاقوامی شاطر جس کے پاس ہزاروں غنڈے موجود تھے اور کہاں میں، میری کوئی حیثیت
نہیں تھی اس کے سامنے۔ اگر میں خلوص دل سے اس کے گروہ میں شامل ہو بھی جاتا تو
اسے کون سا بڑا فائدہ حاصل ہو سکتا تھا مجھ سے۔ اس کی دولت مجھ سے ہزار گنا خطرناک
لوگوں کو خرید سکتی تھی۔ سیٹھ جبار نے مجھے صرف اس لئے گھاس ڈالی تھی کہ وہ چوہے بلی
کے کھیل کا شوقین تھا اور اپنے دشمنوں کی بے بسی سے لطف اندوز ہو کر ذہنی سکون حاصل

کرتا تھا۔ میرے ساتھ بھی یہی کیفیت تھی۔ اس جزیرے پر قید کر کے وہ لوگ مجھے بھول
گئے اور انہوں نے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ میں ان کے لئے ان تمام
مزدوروں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا لیکن میں یہ طویل انتظار برداشت نہیں کر سکتا تھا۔
میں کسی تحریک کا خواہش مند تھا۔ امی اور فریدہ زندہ تھیں۔ اگر خدا کی مرضی ہوئی تو میں
کسی نہ کسی دن ان سے ضرور مل لوں گا۔ ورنہ جدوجہد میں ہی جان دے دوں گا۔ میں
اس برائی سے شکست نہیں مان سکتا تھا۔

دوسرے دن حسب معمول ہم کام پر چل پڑے۔ پہاڑیوں کے مشرقی حصے میں
مجھے پتھر توڑنے پر لگا دیا گیا تھا۔ میں اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ سیٹھ جبار کے خلاف
میرے دل میں بے پناہ نفرت تھی اور میں زیادہ تر اسی کے خیالوں میں کھویا رہتا تھا۔
پہاڑیوں کی ڈھلان میں اس جگہ جہاں پہاڑیاں توڑنے کی ضرورت نہیں تھی، برگد کا ایک
عظیم الشان درخت کھڑا ہوا تھا۔ درخت بہت قدیم معلوم ہوتا تھا۔ اس کے تنے کا پھیلاؤ
عظیم الشان تھا۔ داڑھیاں لٹک کر زمین پر دور دور تک پھیل گئی تھیں۔ اس طرف مزدور
نہیں تھے۔ درخت کو دیکھ کر میں یونہی بے خیالی کے عالم میں اس طرف متوجہ ہو گیا تھا۔
میرے پاس اور کوئی مزدور نہیں تھا لیکن دفعتاً" درخت کی جڑ کے پاس کسی شے کو متحرک
دیکھ کر میں چونک پڑا۔ نہ جانے کیا چیز تھی۔ شاید کوئی ہاتھ رینگ رہا تھا۔ لیکن پھر دو ہاتھ
نمایاں ہوئے پھر ایک سر اور پھر ایک انسان باہر نکل آیا۔ ایک قوی ہیکل مزدور۔ اس نے
ادھر ادھر دیکھا اور پھر ایک سمت دوڑنے لگا۔ اس کے ہاتھوں میں پتھر توڑنے کا ہتھوڑا
موجود تھا۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا البتہ اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ بلندی پر پہنچ کر
وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر اپنے کام میں مصروف ہو گیا لیکن میرے دل میں کرید پیدا ہو گئی
تھی۔ وہ برگد کے درخت کے پاس کیوں گیا تھا۔ کوئی خاص ہی بات تھی اس کا انداز چوروں
کا سا تھا۔ دیر تک میں اس کے بارے میں سوچتا رہا پھر جب دوپہر کے کھانے کی چھٹی ہوئی
تو میں اپنا کھانا لے کر آگے بڑھ گیا۔ وہ اپنی جگہ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ میں اس کے نزدیک
بیٹھ گیا۔ معصوم سے خدوخال کا مالک نوجوان تھا۔ عمر چوبیس پچیس سال سے زیادہ نہ ہو
گی۔ بدن چوڑا اور گٹھا ہوا تھا اس کے چہرے پر عجیب سی بے بسی چھائی ہوئی تھی۔ اس
نے اجنبی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر کھانے میں مشغول ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم
کھانے سے فارغ ہو گئے۔ وہ میرے اس طرح آ بیٹھنے سے نروس سا ہو گیا تھا۔ بالآخر میں
نے اسے مخاطب کیا۔

"ہیلو...... کیا نام ہے تمہارا؟" وہ چونک پڑا لیکن کچھ بولا نہیں۔ میں چند لمحات
انتظار کرتا رہا پھر میں نے دوبارہ کہا۔ "کیا نام ہے تمہارا؟"

"گلاب۔ کیوں کیا بات ہے؟"

"میرا نام منصور ہے۔ ایک بات بتاؤ گے گلاب؟" میں نے کہا اور وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ "تم ڈھلان پر برگد کے درخت کی جڑ میں کیا کر رہے تھے؟"

میرا یہ سوال اس کے لئے شاید بہت خوفناک تھا۔ وہ سہمی سہمی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا لیکن دوسرے لمحے اس نے اپنے نزدیک رکھا وزنی ہتھوڑا اٹھایا اور پوری قوت سے میرے اوپر پھینک مارا۔

میں اگر فوراً اچھل کر ایک طرف نہ ہو جاتا تو میری کھوپڑی پاش پاش ہو جاتی۔ ہتھوڑا ایک چٹان پر پڑا اور ایک پتھر درمیان سے ٹوٹ گیا۔ اس سے ہتھوڑے کی ضرب کی قوت کا اندازہ ہوتا تھا۔

وہ دیوانہ وار اٹھ کر مجھ پر جھپٹا اور میں نے اس کی زد سے بچتے ہوئے کہا۔ "کیا کرتے ہو۔ پاگل ہوئے ہو تم۔ میری بات تو سن لو۔" لیکن وہ خوف سے پاگل ہو گیا تھا۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اس نے کہا اور قریب پڑا ہوا ایک وزنی پتھر اٹھا لیا۔ دوسرے لمحے اس نے وہ پتھر مجھ پر پھینک مارا اور میں نے اس کی یہ ضرب بھی خالی دی لیکن اب میں اس کے پاگل پن سے نمٹنے کے لئے تیار تھا۔ میری توقع کے مطابق اس نے کسی جنگلی بھینسے کی طرح مجھ پر چھلانگ لگائی تھی لیکن میں مستعد تھا۔ میں نے اسے ایک ہاتھ پر روکا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے پیٹ پر زوردار گھونسہ مارا۔ وہ درد سے دہرا ہو گیا۔ دوسرا مکا میں نے اس کی ٹھوڑی پر رسید کیا پھر تیسرا اور چوتھا۔ وہ گر پڑا لیکن اس نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اس کے منہ اور ناک سے خون کی ندیاں چل رہی تھیں اور سارا لباس خون آلود ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ چیتے کی طرح خونخوار ہو رہا تھا۔ دوسری بار وہ مجھ سے لپٹ گیا اور اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں جان بچاؤں۔ چنانچہ میں اپنی مخصوص جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔ دو تین ضربوں نے اسے لٹا دیا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کی بے ہوشی کے بعد میں نے پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ یہ جاننے کے لئے کہ ہماری اس جنگ کو اور کتنے لوگ دیکھ رہے ہیں لیکن خوش بختی تھی کہ یہ جنگ ایک بڑی چٹان کی اوٹ میں ہوئی تھی۔ چند مسلح محافظ اس چٹان کے دوسری طرف موجود تھے لیکن انہیں کسی بات کا شبہ نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے مزدور بھی ہم سے دور نہیں تھے لیکن کسی کو اس جنگ کا اندازہ نہیں تھا۔ گلاب کی ناک اور منہ سے خون بہہ رہا تھا' اسے فوری طبی امداد کی ضرورت تھی اور اس کے لئے کوئی ترکیب ضروری تھی اس لئے میں نے جلدی جلدی پتھر اٹھا کر اس کے بدن پر ڈالے اور پھر ایک بڑا پتھر اٹھا کر دوسرے پتھر پر مارا جس سے زوردار آواز پیدا ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی میں زور سے چیخا تھا۔

محافظ میری آواز سن کر دوڑ پڑے اور آن کی آن میں میرے پاس پہنچ گئے۔

"کیا ہوا۔ یہ کیا ہو گیا؟"

"اوپر سے پتھر لڑھک پڑے ہیں اس پر۔ یہ یہاں کام کر رہا تھا۔" میں نے بدحواسی کے انداز میں کہا۔

"اوہ۔ کافی زخمی ہو گیا ہے۔ اٹھاؤ اسے۔ اٹھا کر لے چلو۔" محافظوں نے مجھ سے کہا اور میری مراد پوری ہو گئی میں نے بے ہوش نوجوان کو اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور تیز رفتاری سے احاطے کی طرف چل پڑا۔ احاطے میں ایک کمپاؤنڈر ٹائپ کے آدمی نے اس کے زخموں کو صاف کر کے دوا لگائی اور بتایا کہ کوئی خاص زخم نہیں تھا اس نے مجھے ہدایت کی کہ میں زخمی مزدور کا خیال رکھوں اور چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد گلاب کو ہوش آ گیا تھا۔ چند لمحات وہ خلا میں تکتا رہا اور پھر اس کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ وہ جلدی سے اٹھ بیٹھا۔

"ایک ہی مصیبت کے شکار ہیں ہم دونوں گلاب۔ پھر میں تمہارا دشمن کیسے ہو سکتا ہوں؟" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میں نے تمہیں برگد کی جڑ سے نکل کر اوپر جاتے دیکھا تھا۔ میرے علاوہ تمہیں کوئی اور بھی دیکھ سکتا تھا۔ میں خود بھی چاہتا تو وہاں جا کر یہ معلوم کر سکتا تھا کہ تم وہاں کیا کرنے گئے تھے لیکن میں نے یہ سوال تم سے کیا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ میرا دل صاف ہے اور پھر تم خود سوچو' یہاں کون اپنی خوشی سے قید ہے۔ ہم سب اس عذاب کا شکار ہیں اور اس طرح ایک دوسرے کے دوست بھی۔" یہ بات کسی حد تک اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ ایک لمحے کے لئے اس کے انداز میں خجالت پیدا ہوئی اور پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "میں شرمندہ ہوں۔"

"چلو بھول جاؤ اس بات کو کہ ہماری جنگ ہوئی تھی۔ میرے دل میں تمہارے لئے برائی نہیں ہے۔"

وہ چند لمحات خاموش رہا پھر بولا۔ "یہاں کون لایا مجھے؟"

"میں......"

"کس طرح۔ میرا مطلب ہے......"

"کندھے پر ڈال کر۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری جنگ کسی نے نہیں دیکھی ورنہ اس کی وجہ بھی بتانی پڑتی۔"

"تو...... تو......" اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں نے ان سے یہی کہا تھا کہ تم پر چند پتھر لڑھک پڑے ہیں اور تم زخمی ہو گئے ہو۔"

"اوہ۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔ مجھ سے واقعی غلطی ہو گئی۔ مگر میں تمہارے سوال پر بہت پریشان ہو گیا تھا لیکن تم...... تم بہت طاقتور ہو۔ کیا تم بھی پہلوانی کرتے رہے ہو؟ بدن سے تو نظر نہیں آتے......"

"تم پہلوانی کرتے تھے؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں' چودھری نذیر کا پٹھا تھا میں۔ چوہدری صاحب فخر کرتے تھے مجھ پر۔ بیس کشتیاں مار چکا ہوں۔ بس اس کے بعد تقدیر ساتھ چھوڑ گئی۔"

"کتنا عرصہ ہو گیا یہاں تمہیں؟"

"ڈیڑھ سال سے زیادہ ہو گیا ہے؟"

"ہوں......" میں نے گہری سانس لی پھر میں نے پوچھا۔ "مجھے اب بھی نہیں بتاؤ گے گلاب کہ تم درخت کے پاس کیوں گئے تھے؟" میرے اس سوال پر وہ کچھ پریشان ہو گیا۔ چند لمحات خاموش رہا پھر بولا۔

"بات بہت خطرناک ہے منصور بھیا۔"

"تم بالکل بے فکر رہو۔ میں بھی تمہاری طرح مصیبت کا شکار ہوں۔ ایک مصیبت زدہ دوسرے مصیبت زدہ کا دوست ہوتا ہے دشمن نہیں۔"

"ہاں۔ یہ تو ٹھیک ہے مگر استاد ناراض نہ ہو جائے۔"

"استاد کون؟"

"استاد اللہ دین۔ وہ بہت خطرناک آدمی ہے جی۔ چھ سال جیل کاٹ چکا ہے۔ اس بار بھی جیل سے بھاگا تھا اور پولیس سے چھپ کر نکل رہا تھا کہ ان لوگوں کے چکر میں پڑ گیا۔"

"یہیں موجود ہے وہ؟"

"ہاں منصور بھیا۔"

"بہرحال میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا گلاب! تمہارا دل چاہے تو مجھے اس بارے میں بتا دو' ورنہ میں مجبور نہیں کروں گا اور یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی اس درخت کے پاس جا کر کچھ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔" میں نے کہا اور گلاب سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے گہری سانس لی اور میری طرف دیکھ کر بولا۔

"نتیجہ کچھ بھی ہو اللہ مالک ہے۔ ہمارا راز اب تمہارے پاس پہنچ چکا ہے۔ اس لئے کچھ چھپانا بیکار ہے۔ مگر ایک بات بتاؤ منصور بھائی! کیا تم پوری زندگی یہیں گزارنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"ہرگز نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "یہاں سے فرار کی کوشش کروں گا۔" میں نے جواب دیا اور گلاب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ ان میں خوشی کا

عنصر نمایاں تھا۔

"تب پھر ہاتھ ملاؤ میں نے تمہیں بھی اپنے ساتھیوں میں شمار کر لیا۔ میں استاد سے بات کر لوں گا۔ پہلے ہم چار تھے اب پانچ ہو گئے۔ استاد نے فرار کا پروگرام بنایا ہے اور ہم اس کے لئے انتظامات کر رہے ہیں۔ بہت دنوں سے کوشش میں مصروف تھے لیکن کوئی مناسب فیصلہ نہیں کر پائے تھے۔ اب جب سے پہاڑیوں میں کام شروع ہوا ہے ہماری امید بندھ گئی ہے تمام لوگ کوشش کر رہے ہیں۔"

"استاد اللہ دین اس مہم کا سربراہ ہے؟"

"ہاں۔ وہ لومڑی کی طرح چالاک اور نڈر آدمی ہے۔ بہت خطرناک ہے لیکن ان لوگوں کے درمیان شریف بن کر رہ رہا ہے۔ بہرحال استاد نے ایک ذمے داری مجھے سونپی تھی میں وہ پوری کر رہا ہوں۔"

"کیا ذمے داری تھی؟"

"بارودی سرنگوں کی چوری۔ میں اب تک چار ڈائنامائیٹ کے پیکٹ چرا چکا ہوں۔"

"اوہ۔" میرے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے۔ "کیسے گلاب؟" میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"نہایت چالاکی سے۔ بارودی سرنگیں بچھانے کا کام حافظ بشیر کے سپرد ہے۔ چار پانچ افراد ان کی نگرانی میں کام کرتے ہیں۔ مجھے تین چار بار ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے اور میں نے ہر بار ایک پیکٹ اڑا لیا ہے۔"

"وہ کس طرح؟"

"بارودی سرنگوں کے ذخیرے سے۔ میں سرنگ لے کر جاتا ہوں۔ حافظ صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ اس کے فلیتے کس طرح جوڑے جاتے ہیں۔ وہ مجھے چار پیکٹ دیتے ہیں تو میں تین لگا دیتا ہوں اور ایک کسی مناسب جگہ چھپا دیتا ہوں۔ پھر دھماکے ہوتے ہیں اور حافظ صاحب سمجھتے ہیں کہ تمام سرنگیں پھٹ گئیں لیکن......"

"ویری گڈ۔ پھر کیا کرتے ہو؟"

"موقع ملتے ہی اسے برگد کی جڑ میں چھپا آتا ہوں۔ اس کا تنا ایک جگہ سے کھوکھلا ہے۔"

"عمدہ منصوبہ ہے۔ بہرحال پھر ان ڈائنامائیٹس کا کیا کرو گے؟"

"فرار کے روز استعمال کریں گے۔"

"یہ منصوبہ استاد کا ہے؟"

"ہاں۔ وہ منصوبہ بندی کا ماہر ہے۔"

"لیکن انہیں کہاں استعمال کیا جائے گا؟"

"یہ بات صرف استاد جانتا ہے۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لی اور اس بارے میں سوچنے لگا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ استاد اللہ دین کیا شے ہے اور اس کا کیا منصوبہ ہے لیکن بہرحال یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ یہاں کچھ اور لوگ بھی فرار کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے گلاب کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "گلاب۔ میں بھی فرار ہونے والوں میں تمہارے ساتھ ہوں۔ استاد کو میرا نام بھی بتا دینا۔"

"ٹھیک ہے میں بتا دوں گا۔" اس نے کہا۔

شام کو سب احاطے میں واپس آ گئے تو میں گلاب کے پاس سے ہٹ آیا۔ اب اس کے پاس میری موجودگی کا کوئی جواز نہیں تھا۔ سارے کام معمول کے مطابق ہوئے۔ محافظوں نے تمام قیدیوں کی گنتی کی اور اس کے بعد ان لوگوں کے لئے کھانے پینے کا بندوبست ہونے لگا۔ رات کو حسب معمول ایک کونے میں پڑا رہا۔ حافظ بشیر نجانے کس طرف تھے، بہرصورت اس وقت ان کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ تنہائی میں سوچنا چاہتا تھا اور چاروں طرف خاموشی چھائی تھی۔ تھکے ماندے لوگ نیند میں ڈوب گئے تھے لیکن میرا ذہن اسی سلسلے میں سوچ رہا تھا۔

استاد اللہ دین سے کل دن ہی میں ملاقات ہو سکتی تھی۔ میں نے ان تمام قیدیوں کے خاکے دل میں دہرائے جو اس احاطے میں موجود تھے اور پہاڑوں میں کام کر رہے تھے لیکن یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ ان میں استاد اللہ دین کون سا ہے۔ وہ جیل سے بھاگا ہوا قیدی تھا۔ جو ملک سے باہر نکلنے کے چکر میں ان لوگوں میں آ پھنسا تھا لیکن واقعی چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے جو اب تک خاموشی سے ان کے درمیان گزارہ کرتا رہا اور اس تاک میں رہا کہ یہاں سے نکل جائے۔ بہرصورت اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی شخص اپنی استادی دکھانے پر مصر ہے، میرا مقصد بھی یہاں سے نکل جانا تھا اور اس بات کا میں مکمل فیصلہ کر چکا تھا۔ میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا کہ سیٹھ جبار کسی بھولے بسرے وقت میں اس طرح مجھے یاد کرے گا، جیسے اچانک میں اسے یاد آ گیا ہوں، اس سے قبل ہی میں یہ جگہ چھوڑ کر کہیں نکل جانے کا خواہش مند تھا اور اگر ساتھ میں دو چار افراد اور بھی ہوں، پھر تو لطف ہی کچھ اور ہے۔ ڈائنامائیٹ کا مسئلہ بھی واقعی مجھے پسند آیا تھا۔ لیکن اس سلسلے میں استاد اللہ دین کے ذہن میں پروگرام کیا تھا یہ میں نہیں جانتا تھا۔ یہی تمام باتیں سوچتا ہوا میں سو گیا اور اس وقت رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب دفعتاً مجھے اپنے منہ پر کسی زبردست بوجھ کا احساس ہوا۔ آنکھ کھل گئی۔ ہر چند کہ ذہن نہیں جاگا تھا لیکن ایک لمحے میں یہ احساس ہو گیا کہ کسی نے میرا منہ بھینچنے کی کوشش کی ہے۔ کیوں کی ہے اس کا

اندازہ سویا ہوا ذہن فوراً نہیں لگا سکا تھا لیکن اعصاب شاید خود ہی عمل کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ میں نے اس کلائی پر ہاتھ ڈال دیا جو کافی چوڑی اور مضبوط تھی۔ بالوں بھری کلائی میری مٹھی میں آ گئی اور میں نے ایک جھٹکے سے اسے اپنے منہ پر سے ہٹا لیا........ اچانک جھٹکے ہی سے خنجر کا وہ وار بے کار ہو گیا تھا جو شاید میرے سینے پر کیا گیا تھا۔ خنجر میرے نزدیک زمین میں پیوست ہو گیا اور مجھے اس کا احساس ہو گیا کہ کوئی چیز میرے اوپر سے گزر گئی ہے۔ بس اسے حسیات کا کرشمہ ہی کہنا چاہئے ورنہ سوتے ہوئے ذہن کو ان تمام چیزوں کا احساس فوراً نہیں ہوتا لیکن میں نے تڑپ کر کروٹ بدلی اسی وقت خنجر بدست شخص نے پلٹ کر مجھ پر دوسرا وار کیا تھا۔ اس بار بھی قسمت نے ہی مجھے بچا لیا تھا۔ کیونکہ خنجر میری پسلیوں کو چھوتا ہوا دوبارہ زمین میں پیوست ہو گیا تھا۔ میں نے ایک اور لڑھکنی کھائی، اب مجھے احساس ہو گیا تھا کہ کوئی مجھے قتل کر دینا چاہتا ہے......

تاریکی پھیلی ہوئی تھی، قتل کرنے والے کا سایہ سا نظر آ رہا تھا، البتہ تاروں کی چھاؤں میں خنجر کی چمک میری آنکھوں کے سامنے دو تین بار لہرا گئی تھی، میں نے تین چار لڑھکنیاں کھا کر خود کو سنبھالا اور پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

خنجر بدست شخص ایک بار پھر میرے اوپر پوری مہارت سے حملہ آور ہوا تھا لیکن اب میرے اوپر قابو پانا آسان کام نہیں تھا۔ اگر تاروں کی چھاؤں میری مدد نہ کرتی تو شاید اسے کامیابی ہو جاتی لیکن خنجر بالکل چمک دار اور صاف ستھرا تھا۔ جب بھی وہ کوندتا، ایک لکیر سی میری آنکھوں کے سامنے لہرا جاتی اور اسی سے میں اپنے بچاؤ کا بندوبست کر لیتا۔ چار پانچ وار خالی ہونے کے بعد ایک بار مجھے موقع مل گیا۔ میں نے اس کی کلائی پکڑی اور پوری قوت سے اسے موڑ لیا۔ بلاشبہ وہ شخص بے حد طاقتور تھا لیکن میں نے اس پر قابو پا ہی لیا۔ میرا کھڑا ہاتھ اس کی گردن پر پڑا اور وہ گرتے گرتے بچا لیکن دوسرے لمحے وہ دوڑ پڑا تھا۔ میں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی لیکن ایک قیدی سے ٹکرا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ جبکہ خنجر بدست شخص آن کی آن میں میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

جس شخص سے ٹکرا کر میں نیچے گرا تھا وہ بے چارہ گہری نیند میں تھا۔ اس کی چیخ تو نکل گئی تھی لیکن اس کے بعد وہ پھر کروٹ بدل کر سو گیا۔ میں پھرتی سے زمین پر چوپایوں کی طرح چلتا ہوا اس جگہ سے دور نکل آیا اور چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگا لیکن اب کوئی حرکت نہیں تھی۔ کوئی سایہ نہیں تھا۔ ظاہر ہے اسے تلاش کرنا ناممکن امر تھا۔ جو کوئی بھی تھا اس احاطے کا مکین تھا اور اب اطمینان سے کسی بھی جگہ لیٹ گیا تھا۔

لیکن کون........ اور کیوں؟ قیدیوں میں میرا کوئی دشمن بھی ہے؟ ایسا دشمن کہ مجھے قتل کر دے۔ مجھے اپنے زندہ بچ جانے پر حیرت تھی ورنہ حملہ آور کا ہر وار چوکنا ایک عجیب سی بات تھی۔ حملہ آور کون تھا آخر........ کیا گلاب؟ گلاب کافی توانا جوان تھا۔ اور اس

کی کلائی بھی چوڑی تھی بدن خوب طاقت ور تھا لیکن وہ..... اس نے مجھے اپنی داستان حیا
بھی سنائی تھی۔ کیا اس نے فریب کیا تھا۔ کیا اس نے مجھے حقیقت نہیں بتائی تھی۔ اس کے
خدوخال تو سادہ سے تھے۔ بظاہر تو اتنا گہرا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اسے زخمی
دیا تھا۔ ممکن ہے اس کے دل میں جذبہ انتقام باقی رہا ہو' یا اپنا راز کھل جانے کے بعد
برداشت نہ کر سکا ہو۔

میں ایک دوسری جگہ لیٹ گیا۔ کسی شخص کے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں تھی
طویل و عریض احاطے میں جس کا دل جہاں چاہے لیٹ جائے۔

بہت دیر تک جاگتا رہا اور کم بخت نیند دوبارہ آ گئی۔ یہ شے ہر خطرے سے بے
نیاز ہوتی ہے۔ اس کے بعد کسی نے مجھے جگایا تھا۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ گلاب
تھا۔

اسے دیکھ کر میں چونک پڑا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ "اٹھو گے نہیں' سورج نکل آیا
ہے۔"

"اوہ- ہاں۔" میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی پکڑ لی۔ ایک لمحے کے لئے میں
نے آنکھیں بند کر لیں لیکن یہ وہ کلائی نہیں تھی جو رات میرے ہاتھ میں آئی تھی۔ کلائی
چوڑی تھی لیکن اتنی نہیں تھی اور اس پر اتنے بال بھی نہیں تھے ایک لمحے میں میرے ذہن
نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کلائی نہیں جو رات کو میری گرفت میں آئی تھی۔

میں گلاب کی کلائی کا سہارا لے کر اٹھ گیا۔ قیدیوں یا مزدوروں کے درمیان ناشتہ
تقسیم کیا جانے لگا۔ یہ ناشتہ رات کی باسی روٹیوں اور چائے کے بڑے بڑے گلاسوں پر
مشتمل ہوتا تھا۔ گلاب میرے پاس سے ہٹ گیا اور میں دونوں ہاتھوں سے چہرہ صاف کر کے
ناشتہ لینے چل پڑا۔ اس سلسلے میں' میں نے کوئی تکلف نہیں کیا تھا۔ ناشتے کے بعد ہم
ہتھوڑے لے کر چل پڑے۔ میری گہری نگاہیں ایک ایک شخص کا جائزہ لے رہی تھیں
میں ان میں رات والے حملہ آور کی تلاش کر رہا تھا۔ لیکن کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔

آج میری ڈیوٹی ایک اور جگہ لگائی گئی تھی۔ گلاب کہیں اور کام کرتا رہا تھا
بہرحال میں کام کرتا رہا۔ کدال میرے پاس تھی اور میں کھدائی کر رہا تھا۔ دوپہر تک میں
الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ کام کرتا رہا تھا۔ بار بار یہی خیال آ رہا تھا کہ حملہ آور کون تھا۔

دوپہر کے کھانے کی چھٹی ہونے میں کچھ دیر تھی کہ ایک پستہ قامت مزدور
کدال ہاتھ میں اٹھائے میرے نزدیک آ گیا۔ چوڑے پر گوشت سینے والا آدمی تھا۔ بڑھی
ہوئی داڑھی۔ ہونٹوں کو چھپانے والی مونچھوں اور سر کے گھنے اور الجھے ہوئے بالوں کی وجہ
سے وہ پورا شیطان لگ رہا تھا۔ دفعتاً میری نگاہ اس کی کلائیوں پر جا پڑی اور میں چونک
اٹھا۔ یہ کلائیاں بھی چوڑی اور بالوں سے بھری تھیں۔

"ہیلو۔" اس کی آواز ابھری۔

"کیا بات ہے؟" میں نے کسی قدر اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمہارا نام منصور ہے؟"

"ہاں آگے کہو؟"

"مجھے اللہ دین کہتے ہیں۔" اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا اور میرے ذہن کی
ایک گرہ کھل گئی۔ میں نے اس طرح ہاتھ آگے بڑھایا جیسے اس سے مصافحہ کرنا چاہتا ہوں
لیکن میں نے اس کی کلائی پکڑ لی تھی۔ یہ سو فیصد وہی کلائی تھی۔ سو فیصد۔

"ہاتھ ملانے کا نیا طریقہ؟" وہ مسکرایا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پہلے اس
کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آتی رہی پھر وہ کچھ بے چین ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے کلائی
چھڑانے کی کوشش کی لیکن میری انگلیاں اس کی کلائی میں پیوست ہو گئی تھیں۔ اس نے
ہاتھ کو کئی جھٹکے دیئے لیکن کلائی میری گرفت ہی میں رہی۔ وہ کسی قدر بوکھلا گیا تھا۔

"ہاتھ چھوڑو..... یہ کیا حماقت ہے۔" اس نے کہا اور میں نے اس کی کلائی چھوڑ
دی۔

"بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔" میں نے پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کمال کے آدمی ہو۔" وہ دوسرے ہاتھ سے کلائی مسلتا ہوا بولا۔ اسی وقت دوپہر
کے کھانے کا گھنٹہ بج اٹھا۔ "آؤ کھانا لے لیں پھر باتیں کریں گے۔" کھانا لے کر ہم دونوں
ایک جگہ آ بیٹھے۔

"گلاب نے تمہارا تذکرہ کیا تھا۔"

"اور تمہارا بھی۔"

"ہاں۔ اس نے مجھے بتایا تھا۔ تم بھی فرار ہونے کا ارادہ رکھتے ہو....؟"

"یقیناً....." میں نے جواب دیا۔

"خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"صرف مجھے؟"

"نہیں۔ ہم سب کو۔"

"ظاہر ہے انہوں نے ہمارے لئے فرار کی آسانیاں تو نہ پیدا کی ہوں گی؟"

"تم گلاب کی حرکت سے کس طرح واقف ہو گئے؟"

"بس اتفاق ہے۔"

"اسے راز رکھنا تمہاری ذمے داری ہے۔"

"میں ہدایات قبول نہیں کرتا۔" میں نے کہا اور اس کا چہرہ ست گیا۔ کھاتے

کھاتے اس کا ہاتھ رک گیا تھا لیکن چند لمحات کے بعد وہ پھر نارمل ہو گیا اور مسکرانے لگا۔

"اکھڑ مزاج معلوم ہوتے ہو۔ بہرحال یہ ضروری ہے۔ میں نے تمہیں اپنے ساتھیوں میں شامل کر لیا ہے۔ ہمیں ایک دوسرے سے اس وقت تک مکمل تعاون کرنا ہے۔ جب تک کسی محفوظ مقام پر نہیں پہنچ جاتے۔ آج رات کو ہم سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے باقی گفتگو اسی وقت تفصیل سے ہوگی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا دی۔ چھٹی ختم ہونے کے بعد وہ مجھ سے دور چلا گیا اور میں بھی اپنے کام میں مصروف ہو گیا لیکن اب میرے ذہن کی وہ الجھن دور ہو گئی تھی کہ رات کو مجھ پر حملہ کرنے والا کون تھا۔ اس میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ حملہ آور اللہ دین ہی تھا لیکن کیوں؟ میرے ذہن نے سوال کیا اور اس کا جواب بھی مجھے خود ہی مل گیا' اللہ دین شاید میری اس راز میں شمولیت کو پسند نہیں کرتا تھا' ممکن ہے اس کے ذہن میں یہ خیال ہو کہ میں شاید کوئی غلط آدمی ہوں' اور ان معلومات سے کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گا۔ بہر صورت آدمی خطرناک تھا اگر اس کے ساتھ فرار کا منصوبہ پایۂ تکمیل تک پہنچایا بھی جائے تو اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت تھی۔ ویسے جس انداز سے میں نے اس کی کلائی پکڑی تھی اور اس وقت میری جو کیفیت ہو گئی تھی اس سے اللہ دین نے بھی یہ اندازہ لگا لیا ہو گا کہ میں اسے حملہ آور کی حیثیت سے پہچان چکا ہوں' بے وقوف آدمی نہیں تھا۔ شکل ہی سے چالاک محسوس ہوتا تھا اور پھر گلاب مجھے بتا چکا تھا کہ وہ ایک مفرور مجرم ہے لیکن فرار ہونے کے لئے اگر اس قسم کا کوئی آدمی بھی ساتھ لگ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ بعد میں ہوشیار رہنا ہوگا۔

میں شام تک غور کرتا رہا تھا۔ اس کے بعد وہی معمولات' رات کا کھانا اور پھر آرام...... لیکن میں نے دیکھا کہ اللہ دین دو اور آدمیوں کے ساتھ میرے نزدیک آ گیا تھا۔ وہیں اس نے ڈیرہ جما لیا تھوڑی دیر کے بعد گلاب بھی آ گیا۔ جب تک تھوڑی بہت روشنی باقی رہی ہم لوگوں نے ایک دوسرے سے اجتناب برتا لیکن پھر آہستہ آہستہ کھسکتے ہوئے ہم ایک دوسرے کے نزدیک پہنچ گئے گلاب میرے بالکل نزدیک تھا' اللہ دین نے مسکراتے ہوئے گلاب سے کہا۔

"گلاب میں نے تمہارے نئے دوست کو دیکھ لیا ہے۔"

"ہاں استاد۔ منصور بھائی کام کے آدمی ہیں۔"

اللہ دین ہنس کر بولا۔" مگر ایک خرابی نظر آئی ان میں' یہ کسی کی ہدایت پر عمل نہیں کرتے۔"

"ایسی بات نہیں ہے اللہ دین اگر کوئی مخلص آدمی مل جائے تو میں اپنے نظریات میں تبدیلی بھی کر لیتا ہوں۔"

"اوہ۔ اچھا' اچھا۔ ٹھیک ہے دوست۔ دراصل میں چاہتا تھا کہ فرار کے اس منصوبے میں کم سے کم لوگ شریک ہوں۔ جتنی تعداد بڑھتی جائے گی اتنے ہی خطرات بڑھیں گے۔ طرح طرح کے احمق لوگ یہاں موجود ہیں۔ ایسے بے وقوف کہ آج تک کسی نے فرار ہونے کی کوشش نہیں کی۔"

"اس کی ایک وجہ ہے اللہ دین۔" میں نے کہا۔ "یہ لوگ وہ ہیں جو شہروں اور دیہاتوں سے نوکری کی تلاش میں نکلے تھے۔ اگر یہ اتنے ہی چالاک ہوتے تو پھنستے ہی کیوں۔"

"خیر پھنس تو ہم گئے ہیں لیکن میں تمہارے خیال سے متفق ہوں۔ یہ لوگ نہ خود بھاگ سکتے ہیں اور نہ کسی کا ساتھ دے سکتے ہیں بلکہ ان کی وجہ سے ہماری کوشش ناکام ہو سکتی ہے۔"

"ہاں یہ درست ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔

"لیکن تمہارے جیسے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لینے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"شکریہ اللہ دین۔" میں نے طنزیہ کہا۔

"اگر کوئی بات تمہارے ذہن میں ہے تو اسے نکال دو منصور! میں تمہیں اپنا مافی الضمیر بتا چکا ہوں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ تم بھی کیا یاد کرو گے اللہ دین۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کے علاوہ منصور۔ یہ ضروری ہے کہ ہم میں سے ایک شخص اس پروگرام کے بارے میں لیڈ کرے۔ اس طرح سب کے ذہنوں میں الجھن رہے گی۔ البتہ مشورہ سب دیں گے۔"

"اس کے لئے تم موزوں آدمی ہو اللہ دین۔" میں نے کہا اور اللہ دین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"چلو ٹھیک ہے۔ یہ مسئلہ بھی حل ہوا۔ میں خود کو اس لئے بھی موزوں سمجھتا ہوں کہ میں نے اس دوران بہت ساری معلومات حاصل کی ہیں۔ تمہارا دوست گلاب تمہیں بتائے گا کہ یہاں کچھ لوگ کبھی کبھی سبزیوں کے چھکڑے لاد کر لاتے ہیں' میرا خیال ہے میرے علاوہ اور کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے ان میں سے کسی کو اپنا دوست بنا لیا ہو۔" اللہ دین نے کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں میرے دوست' وہ سبزی فروش یا سبزی سپلائر اس علاقے سے تقریباً بارہ میل دور ایک دریا کے کنارے آباد ہیں۔ یہ دریا کسی لمبے راستے سے سمندر تک پہنچ جاتا

ہے اور ہمارے فرار کے لئے اس سے عمدہ راستہ کوئی اور نہیں ہے۔"

"خوب۔ یہ معلومات واقعی قابل قدر ہیں۔"

"میں نے کہا نا' اللہ دین کی قدر تو ابھی بعد میں معلوم ہو گی' میں لیڈر بننے کا خواہش مند نہیں ہوں۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ تم لوگوں کو ان کے چنگل سے نکال لے جاؤں گا لیکن اس کے لیے ہر فرد کو شدید محنت کرنا ہو گی۔"

"میرے خیال میں اس پر کسی کو اعتراض نہ ہو گا۔" میں نے کہا۔ دل ہی دل میں' میں نے سوچا تھا کہ یہ آدمی چالاک بھی ہے اور خطرناک بھی لیکن اگر اس کے ساتھ تعاون کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے' در پردہ اس نے یہ اعتراف کر لیا تھا کہ میرے ساتھ اس نے جو سلوک کیا اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ زیادہ آدمیوں کی شمولیت نہیں چاہتا تھا لیکن مجھ سے ملاقات کے بعد وہ مطمئن ہو گیا تھا اور اگر نہ بھی ہوتا اور آگے کچھ اور حالات پیش آتے تو بہرصورت میں اتنا چوہا بھی نہیں تھا کہ اس کے جال میں پھنس جاتا میں اپنے بچاؤ کا بہتر بندوبست کر سکتا تھا لیکن اگر نکلنے کے لیے یہ گروپ تیار ہو جاتا تو اس میں کوئی حرج نہیں تھا' چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اللہ دین سے مکمل تعاون کروں گا۔ اللہ دین چند لمحات خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "میرا منصوبہ تمہارے علم میں ابھی نہیں آیا ہو گا منصور؟"

"ہاں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ ڈائنامائیٹ سے تم کیا کام لو گے؟" میں نے کہا۔

"میں نے مزدوروں کی نگرانی کرنے والوں کی گہری نگرانی کی ہے۔ بظاہر یہ لوگ ہماری طرف سے لاپرواہ نظر آتے ہیں لیکن یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں یہ ہماری طرف سے کسی وقت غافل نہیں رہتے۔ خاص طور سے پہاڑوں میں۔ اس کے علاوہ اس احاطے پر بھی گہری نگاہ رکھی جاتی ہے۔"

"خوب۔ یقیناً تمہاری معلومات قابل قدر ہیں۔" میں نے کہا۔

"بظاہر فرار کی کوئی کوشش آسانی سے کامیاب نہیں ہو سکتی اس لئے میں نے سوچا ہے کہ ایک باقاعدہ آپریشن ہو۔"

"وہ کیا.....؟"

"ہمیں ان سے جنگ کرنی ہو گی۔ ایک باقاعدہ جنگ۔ لیکن اس کے لئے منصوبہ بندی ضروری ہے۔ ہمیں مناسب مقدار میں ڈائنامائیٹ حاصل ہو جائیں تو ایک دوپہر اس وقت جب کھانے کی چھٹی ہو گی' ہم ان پر حملہ کر دیں گے۔ میں نے کہا نا' میں ان لوگوں کی نقل و حرکت کا بخوبی جائزہ لے رہا ہوں۔ تم نے غور کیا ہے منصور! کہ کھانے کی چھٹی میں نگرانی کرنے والے محافظ کہاں ہوتے ہیں؟" پھر وہ خود ہی بولا۔ "وہ ایک بڑی چٹان کے سائے تلے جمع ہوتے ہیں اور ان کا یہ اجتماع تین جگہ ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ان کی

تعداد بیس ہوتی ہے اور یہ بیس افراد تین ٹولیوں میں ہوتے ہیں۔ ڈائنامائیٹ کے ساتھ ٹائم بکس بھی ہوتے ہیں۔ ہمیں کم از کم تین ٹائم بکس کی ضرورت ہے جس میں سے ابھی صرف ایک بکس مہیا ہو سکا ہے دو مزید حاصل ہو جائیں تو ہم اپنے کام کے وقت کا تعین کر سکتے ہیں......"

"گڈ۔ بہترین منصوبہ بندی ہے لیکن آگے کا پروگرام؟"

"بتا رہا ہوں۔ وقت مقررہ پر ہم میں سے تین آدمیوں کو باعمل ہونا پڑے گا۔ ایک میں' دوسرے تم اور تیسرے کا انتخاب ہم کر لیں گے لیکن وہ ہم پانچوں میں سے ایک ہو گا۔"

"ٹھیک۔ آگے بولو۔"

"جس جگہ محافظ جمع ہوتے ہیں۔ وہاں ڈائنامائیٹ لگائے جائیں گے اور وقت مقررہ پر انہیں اڑایا جائے گا اور اسی وقت ہم فرار ہو جائیں گے۔ ہمارا رخ ان جنگلوں کی طرف ہو گا اور اسی طرف ہمیں پناہ مل سکتی ہے۔" اللہ دین نے کہا۔ میرا مقصد تم سمجھ رہے ہو گے وہ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "یہ لوگ اگر ہماری طرف سے فرار کا کوئی شبہ رکھتے ہوں گے تو یقینی طور پر ان کے ذہنوں میں یہی بات ہو گی کہ فرار کی کوشش کرنے والے کوئی ایسی سازش کریں گے جو کیمپ سے شروع ہو گی یا پھر اس وقت جب پہاڑوں میں کام ہو رہا ہوتا ہے لیکن یہ بات ان کے لئے قطعی غیر متوقع ہو گی کہ چھٹی کے دوران اچانک ان پر حملہ ہو اور کوئی فرار ہو جائے۔ پندرہ بیس افراد یقینی طور پر زخمی اور ہلاک ہوں گے۔ اس کے بعد باقی محافظوں کی تعداد کیمپ میں ہوتی ہے۔ پہاڑوں میں ان کے پاس کتے نہیں ہوتے۔ پہاڑوں میں ہونے والے واقعے کی اطلاع کم از کم آدھے پونے گھنٹے کے بعد کیمپ والوں کو مل سکتی ہے۔ وہ پہاڑوں میں آئیں گے' تحقیقات کریں گے پھر واپس کیمپ میں جائیں گے اور انتظامات کرنے کے بعد ہماری تلاش میں نکلیں گے' اس طرح ہمیں کم از کم ڈیڑھ یا دو گھنٹے مل جائیں گے۔ ان ڈیڑھ یا دو گھنٹوں میں ہم جنگلوں میں اتنی دور نکل جائیں گے کہ ان سے بچاؤ کا کوئی بندوبست کر لیں' ہمارا سفر طوفانی ہو گا۔ جس قدر جلد ممکن ہو گا ہم یہاں سے نکل جانے کی کوشش کریں گے۔ باقی معاملات جو وقت ہمارے سامنے پیش کرے گا وہی ہوں گے۔ یہ ہے میرا منصوبہ۔ اگر اس میں کوئی ترمیم کسی کے ذہن میں موجود ہو تو مجھے ضرور بتائے۔"

"ڈائنامائیٹ کے ساتھ ساتھ ہم ہتھیار نہیں حاصل کر سکتے اللہ دین؟" میں نے سوال کیا۔

"بہت مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔ تم مجھے خود بتاؤ۔ اگر تم کسی طریقے سے ہتھیار حاصل کر سکتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

"بس ایک بات ہے ذہن میں۔"

"کیا......؟"

"جس وقت دھماکا ہو اور محافظ زخمی ہو جائیں تو ہم میں سے جو کوئی شخص ان کے قریب ہو وہ ہتھیار حاصل کر لے، جس طرح بھی ممکن ہو یا جس حد تک بھی ممکن ہو۔"

"ناممکن ہے میرے دوست، کیا دھماکے کے وقت ان سے اس قدر قریب رہا جا سکتا ہے۔" اللہ دین نے کہا اور میں نے اعتراف کے طور پر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن جنگلوں سے ہم کوئی خاص سمت اختیار کریں گے یا یونہی سفر کرتے رہیں گے؟"

"نہیں میرے دوست۔ میں نے اس سلسلے میں یہی تو کام کیا ہے۔ ہم ایک خاص سمت پر سفر کریں گے۔ ہمارا کام یہی ہو گا کہ ہم دریا تک پہنچ جائیں۔ دریا کے کنارے آبادی ہے۔ ان لوگوں کی آبادی جو کسی نہ کسی طور جرائم پیشہ رہے ہیں۔ وہ شخص جو سبزیاں سپلائی کرتا ہے ایک پرتگالی باشندہ ہے۔ بیس آدمیوں کا قاتل ہے اور قانون سے فرار حاصل کر کے اس نے یہاں پناہ لی ہے وہ بستی ایک طرح سے مجرموں کی بستی کہلاتی ہے۔ وہاں پہنچ کر ہمارے لئے کوئی نہ کوئی بندوبست ہو جائے گا۔ میں نے اسے دوست بنا لیا ہے۔ اس کا نام کیگارو ہے اور اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ اگر میں کبھی فرار ہو کر اس کے پاس پہنچ گیا تو یہاں سے نکلنے میں وہ میری مدد کرے گا۔"

"اوہ۔ یہاں تک بات پہنچ چکی ہے۔" میں نے ہونٹوں سے سیٹی بجاتے ہوئے کہا۔

"بس بس بہت زیادہ پر جوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے منصور، صرف عمل کیا جائے اس بات پر۔" اللہ دین نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔

"اس کے علاوہ اور کوئی بات اگر کسی کے ذہن میں ہو؟" اس نے سوالیہ انداز میں سب کی طرف دیکھا لیکن کوئی کچھ نہ بولا۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے میرا تعارف کرایا۔ معمولی سے آدمی تھے، ذہنی طور پر کمتر اور یقینی طور پر ان میں اللہ دین سپر تھا۔ ممکن ہے اسی لئے اس نے کسی اور کی شمولیت پسند نہ کی ہو، بہرصورت تھوڑی دیر کے بعد خاموشی چھا گئی۔ اب ہمارے پاس گفتگو کرنے کے لئے کوئی موضوع نہیں رہ گیا تھا اس لئے ہم کروٹ بدل کر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد گلاب اور اللہ دین کے دونوں ساتھیوں کے خراٹے گونجنے لگے۔ تب اس نے میرے شانے پر تھپکی دی اور آہستہ سے بولا۔

"سو گئے منصور؟"

"نہیں جاگ رہا ہوں۔"

"یہ تو بھینسوں کی طرح ڈکرا رہے ہیں، آؤ ان سے کچھ فاصلے پر چلیں۔"

"چلو۔" میں نے کہا اور ہم رینگتے ہوئے ان سے کچھ فاصلے پر نکل آئے کھڑے ہو کر چلنا یہاں مشکوک ہو سکتا تھا۔ ایک جگہ ہم دونوں ساکت ہو گئے۔

"بس یہ ٹھیک ہے۔" اللہ دین نے کہا اور پھر میرے بازو پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"تم خاصے ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

"خیریت۔ کیسے پتہ چلا؟"

"بس بس بننے کی ضرورت نہیں ہے...... میں تمہاری خصوصی صلاحیتوں کو محسوس کر چکا ہوں۔ میرا خیال ہے تم نے صرف کلائی کی ساخت سے میرے بارے میں پتہ چلا لیا تھا۔"

"ہاں۔ تم نے تو مجھے قتل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

"منصور تم میری ذہنی کیفیت پر غور کرو تو شاید تمہیں احساس ہو جائے کہ میں نے غلط نہیں کیا تھا۔"

"بتاؤ مجھے، میرے دل میں تمہارے لئے کدورت موجود ہے؟" میں نے کہا اور وہ مسکرانے لگا۔

"یہ تمہاری ایک اور اچھائی میرے سامنے آئی ہے کہ تم نے کھل کر اس بات کا اعتراف کر لیا ہے۔ دراصل گلاب نے مجھے جو کچھ بتایا تھا اس سے میں خوفزدہ ہو گیا تھا، میں تمہیں بتا چکا ہوں...... کہ یہاں کے لوگوں کی سوچ محدود ہے۔ وہ فرار کے بارے میں غور بھی نہیں کر سکتے اور کریں بھی کیسے؟ معمولی سے لوگ ہیں۔ انہیں اپنی زندگی میں الجھنوں سے واسطہ نہیں پڑا۔ اگر اپنے وطن میں رہ کر کچھ کر سکتے تو یقینی طور پر باہر نکلنے کی کوشش نہ کرتے۔ میرے خیال میں اس طرح میں انہیں ناکارہ لوگوں میں شمار کر سکتا ہوں، کیا خیال ہے تمہارا؟"

"تم کہتے رہو۔ مجھ سے میرا خیال نہ پوچھو۔"

"گویا تم مجھ سے متفق نہیں ہو؟"

"ضروری نہیں ہے اللہ دین کو تمہیں انسانی نفسیات پر بھی عبور ہو۔ میں انہیں ناکارہ نہیں مجبور کہہ سکتا ہوں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ اس معمولی سی بات کو میں کوئی اختلافی مسئلہ نہیں بناؤں گا۔ بہرحال یہ میرا نظریہ ہے اور اپنے اس نظریئے کے تحت میں دوسرے لوگوں کی شمولیت نہیں چاہتا تھا لیکن بات ایسی ہو گئی تھی کہ میں تمہارے بارے میں سوچنے پر مجبور تھا اور میں نے اسی لئے یہ کوشش کر ڈالی تا کہ تمہیں قتل کر کے اس راز کو راز ہی رہنے دوں لیکن تم نے میرا خیال بدل دیا۔"

"وہ کیسے؟"

"تم پھرتیلے اور طاقتور انسان ہو۔"

"یہ اندازہ تمہیں کیسے ہوا؟"

"رات کو اپنی کوشش میں ناکام رہ کر اور اس کے بعد اس وقت تمہاری ذہانت کا بھی قائل ہو گیا جب تم نے ہاتھ ملانے کے بجائے میری کلائی پکڑ لی۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ تم مجھے پہچان گئے ہو۔ خیر بھول جاؤ اس واقعے کو اور اب تنہائی میں بتاؤ کہ میرے منصوبے میں کوئی نقص تو نہیں ہے؟"

"میرے خیال میں نہیں۔ اس طرح کے خطرات مول لینے پڑیں گے ورنہ فرار آسان نہ ہو گا۔"

"بس ٹھیک ہے۔ تو اب صاف دل دوستوں کی طرح ملیں گے۔ ہاتھ ملاؤ۔" اس نے کہا اور میں نے اس سے ہاتھ ملا لیا۔ اس کے بعد ہم دونوں سو گئے۔

ٹائم بکس کے حصول میں ہمیں مزید چار دن لگ گئے۔ اس دوران اور کوئی خاص واقعہ نہیں پیش آیا تھا۔ اللہ دین کے کہنے کے مطابق میں نے بھی ان جگہوں کا جائزہ لیا جہاں محافظ جمع ہوتے تھے اور پھر ہم مناسب موقع کی تاک میں لگ گئے۔ ڈائنامائیٹ بکس اب برگد کے درخت کی جڑ سے نکل کر ہمارے لباسوں میں آچھپے تھے اور رات کو انہیں کیمپ میں ایک جگہ چھپا دیا جاتا تھا۔ ہر صبح ہم انہیں اپنے لباسوں میں چھپا کر نکلتے تھے۔ ہماری کوشش تھی کہ کسی دن تینوں کو ان مخصوص جگہوں پر متعین کر دیا جائے جہاں محافظ جمع ہوتے ہیں اور ایک مبارک دن یہ موقع مل گیا۔ میں اور گلاب قریب تھے۔ ایک بلند چٹان پر کھڑے ہو کر اللہ دین نے اشارہ کیا کہ کام کا دن آ گیا ہے اور میں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ہتھوڑا بلند کر کے اس اشارے کا جواب دیا کہ میں تیار ہوں۔ اشاروں کی یہ زبان ہمارے درمیان پہلے ہی طے ہو گئی تھی۔

دھڑکتے دلوں کے ساتھ ہم نے اپنے لباسوں میں چھپے ہوئے ڈائنامائیٹ بکس نکالے اور موقع پاتے ہی انہیں ٹائم بکس سے منسلک کر کے ان جگہوں پر چھپا دیا جہاں محافظ آرام کرتے تھے۔

کام ہو چکا تھا اب نتیجہ جو بھی ہو۔ ایک ایک لمحہ صدی بن کر گزر رہا تھا۔ دوپہر کے کھانے کی چھٹی کا گھنٹہ بجا اور مزدور کھانا لینے چل پڑے۔ دل نہیں چاہ رہا تھا کہ کھانا لیں لیکن کوئی تبدیلی مناسب نہیں تھی۔ اس لئے مجبوراً کھانا لیا اور پھر ان ڈھلانوں کی طرف چل پڑے جہاں سے ہمیں جنگلوں کی جانب سفر کرنا تھا۔

ہم میں سے کسی نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ ایک ایک لمحہ شاق گزر رہا تھا پھر پہلا دھماکا ہوا۔ اس کے فوراً بعد دوسرا اور ہم دوڑ پڑے۔ تیسرے دھماکے کے ارتعاش کو ہم

نے ڈھلانوں پر محسوس کیا تھا۔ ہم پانچوں کے پیروں میں پنکھے لگے ہوئے تھے۔ ہتھوڑے ہمارے ہاتھوں میں تھے اور ہم برق رفتاری سے ڈھلانوں میں دوڑ رہے تھے۔

ہمیں پہاڑوں کا حال معلوم نہیں تھا کہ وہاں کیا ہوا۔ بس ایک ہی لگن تھی، اتنی دور نکل جائیں کہ محافظ ہمیں پا نہ سکیں۔ ہم دوڑتے رہے۔ جنگل قریب سے قریب تر آتا جا رہا تھا۔ ہمارے سینے دھونکنیوں کی طرح چل رہے تھے لیکن ہم جان توڑ کر دوڑ رہے تھے۔ وقت کا کوئی تعین نہیں تھا۔ بہرحال ہم جنگل میں داخل ہو گئے۔ ہم میں سے کوئی ان جنگلوں کے بارے میں تفصیلات نہیں جانتا تھا لیکن وہ ہماری پناہ گاہ بن سکتے تھے اور ہم اس پناہ گاہ میں داخل ہو گئے تھے تاہم رکنے کا کوئی سوال نہیں تھا بہت جلد کیمپ میں صورت حال کا اندازہ ہو جائے گا اور اس کے بعد مسلح محافظ خونخوار شکاری کتوں کے ساتھ جنگلوں میں داخل ہو جائیں گے اور یہ کتے زمین کی تہوں سے اپنا شکار ڈھونڈ لانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان خونخوار کتوں سے بچنے کے لئے ضروری تھا کہ ہم زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کر کے جنگل کے اندرونی اور نہایت گھنے حصے میں پہنچ جائیں۔ سورج غروب ہونے تک ہم لگاتار دوڑتے رہے۔ ہم نے اندازہ لگایا کہ تقریباً سات آٹھ میل دور نکل آئے ہیں۔ بے تحاشہ دوڑنے سے ہمارے جسم پسینے سے تر ہو گئے تھے اور تلووں میں آبلے پڑ چکے تھے، ہمیں یقین تھا کہ صبح سے پہلے پہلے محافظ دستہ ہماری تلاش میں نکلے گا، رات کی اس تاریکی میں ہماری جانیں ہر طرح محفوظ تھیں۔

ہوائیں سرد ہو گئی تھیں اور چونکہ بدن پسینوں سے تر تھے اس لئے تیز ہوائیں برچھیوں کی طرح بدن میں لگ رہی تھیں۔ سب کے سب ہانپ رہے تھے چونکہ زندگی اور موت کا مسئلہ درپیش تھا اس لئے سب ہی دوڑ رہے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ سب کے سب تندرست و توانا جسموں کے مالک تھے اور بدن میں اتنی قوت رکھتے تھے کہ اتنی دیر تک مسلسل دوڑ سکیں، ابھی تک کسی نے رکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ حالانکہ اللہ دین اچھی خاصی عمر کا مالک تھا لیکن اس کے گٹھے ہوئے بدن سے اس کی عمر کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ دوڑنے میں ہم سب سے تقریباً آگے ہی آگے تھے اور رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ میں بھی ان سب کا ساتھ دے رہا تھا۔ جانتا تھا کہ اس وقت ان لوگوں کے تعاون کے بغیر کوئی کام ہونا مشکل ہے۔ رات گہری ہو چلی تھی اور ہمیں جنگل میں دوڑنے میں پریشانی ہونے لگی تھی۔ ایک فٹ کے فاصلے کی کوئی چیز صاف نظر نہیں آتی تھی، تب اللہ دین کی آواز ابھری۔

"رک جاؤ، رک جاؤ۔ تھوڑی دیر آرام کر لینا ضروری ہے۔" اور سب رک گئے۔ آوازوں کے سہارے ہم ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے۔ یوں بھی دوڑتے ہوئے ہم نے زیادہ فاصلہ نہیں رکھا تھا کہ مبادا اندھیرے میں ہم بچھڑ جائیں۔ ہمارے سینے دھونکنی

کی طرح چل رہے تھے۔ ان کی آوازیں ہم بخوبی سن سکتے تھے۔ الفاظ منہ سے نکل ہی رہے تھے۔ اللہ دین کچھ کہنا چاہتا تھا۔ کئی بار اس کے منہ سے بے ربط جملے نکلے لیکن اس نے اندازہ لگا لیا کہ وہ بات کرنے کے قابل ہی نہیں ہے۔ کچھ دیر ہانپنے کے بعد ج حواس بحال ہوئے تو اللہ دین نے بمشکل کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جاؤ۔" اور ہم سب بیٹھ گئے۔ نیچے تھی۔ اس ٹھنڈی ٹھنڈی گھاس پر بیٹھنے کی بجائے ہم لوگ لیٹ گئے۔ ہمیں اندازہ نہ کہ ہمارے قرب و جوار میں کیا ہے۔ گھنی جھاڑیاں یا حشرات الارض' جن میں ز جانور بھی ہوں گے۔ بس تھکاوٹ اور ٹھنڈی گھاس ہمیں لیٹنے پر مجبور کر رہی تھی۔ میں ایک عجیب سی اینٹھن تھی' ہم سب اپنے حواس درست کرتے رہے اور اس میں آدھا گھنٹہ صرف ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ دین نے ہی بولنے میں پہل کی۔

"کیا کیفیت ہے تم لوگوں کی؟"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"منصور۔ کیا خیال ہے اب ریسٹ کریں یا آگے بڑھتے رہیں؟"

"میرے خیال میں ہمیں تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد آگے کا سفر شروع دینا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے۔ میرا خود بھی یہی خیال ہے۔ کاش ہمارے پاس روشنی ہوتی' ہم کوئی ٹارچ وغیرہ بھی حاصل کر سکتے۔ اتنی گہری تاریکی ہے یہاں کہ اگلے قدم کے با میں کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ خاص طور سے یہ جنگل اس لئے خطرناک ہے یہاں دلدلی حصے بھی موجود ہیں۔"

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ ہمیں سفر جاری رکھنا چاہئے لیکن اب د دوڑنے کی بجائے تیز قدموں سے چلنا چاہئے۔" اللہ دین نے میری اس بات سے اتفاق دوسرے بے چارے کوئی مشورہ دینے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے ہم زندہ مردوں کی مانند پڑے رہے۔ بس سانسوں کی آواز سنی جا رہی تھی اس کے کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ ایک گھنٹے کے بعد اللہ دین اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس نے ا دونوں ساتھیوں کو آواز دی۔

"جی استاد۔" دونوں بیک وقت بولے۔

"کیا حال ہے تمہارا۔ چل سکتے ہو' نا؟"

"بالکل استاد۔" دونوں بولے۔

"تو پھر اٹھ جاؤ۔" اللہ دین اٹھتا ہوا بولا اور ہم سب کھڑے ہو گئے۔ اس بعد ہم نے اندھوں کی طرح سفر شروع کر دیا لیکن ہماری رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ را

گزرتی رہی۔ گو اس طرح ہم زیادہ تیز سفر نہیں کر سکتے تھے بہرحال کچھ نہ ہونے سے' ہونا بہتر تھا۔ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا کہ دفعتاً" سرد ہوا کے دوش پر ایک آواز لہراتی ہوئی سنائی دی اور ہم سب اچھل پڑے۔

"خدا کی پناہ۔ ان لوگوں نے تو ہم سے بھی زیادہ مستعدی دکھائی ہے۔" اللہ دین نے کہا۔ میں اور دوسرے لوگ بھی کتوں کی آوازیں صاف سن رہے تھے۔ ہماری رگوں میں خون جمنے لگا۔ یہ خوفناک احساس بدن میں لرزہ پیدا کرنے کے لئے کافی تھا کہ محافظ' کتوں کے ساتھ ہماری تلاش کرتے ہوئے ہمارے نزدیک پہنچ گئے ہیں۔

"رک جاؤ۔ اندھوں کی طرح آگے بڑھنا خطرناک ہے۔" اللہ دین نے کہا اور پھر مجھے آواز دی۔ میں اس کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا۔ "یہ کیسے ممکن ہوا منصور۔ اتنی جلدی وہ ہمارے قریب کیسے پہنچ گئے؟"

"اوہ اللہ دین تم آوازوں کی سمت کا اندازہ کر رہے ہو؟"

"ارے ہاں۔ یہ تو۔ یہ تو ہمارے سامنے سے آ رہی ہیں۔ یہ کیا ہوا۔ کیا ہم راستہ بھٹک گئے؟ یہ ناممکن ہے۔" اللہ دین پریشانی سے بولا۔

"میرے خیال میں انہوں نے سمندری راستہ اختیار کیا ہے' یقینی طور پر انہوں نے یہ اندازہ لگا لیا ہے کہ بھاگنے والے جنگل میں داخل ہوئے ہوں گے کیونکہ ہم اس جزیرے کے نشیب و فراز سے واقف نہیں ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ کس راستے سے جنگل کے سرے پر پہنچا جا سکتا ہے۔ اس لئے ہمیں کچھ اندازہ نہیں رہا جبکہ اس کے برعکس انہوں نے جنگل کے بجائے سمندری راستے کو ترجیح دی۔ بہرصورت یہ طے شدہ بات ہے کہ انہوں نے ہمارے فرار کے بارے میں پورا پورا اندازہ لگا لیا ہے۔" میں نے کہا اور اللہ دین نے پرخیال انداز میں ایک ہنکارا بھرا اور پھر بولا۔

"تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے منصور' میں تم سے متفق ہوں لیکن اب کیا کیا جائے؟"

"میرا خیال ہے ہمیں آگے نہیں بڑھنا چاہئے' کتوں کی سمت اور صورت حال کا اندازہ لگا لیا جائے۔ اس کے بعد ہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔"

ہم لوگ خاموشی سے کان لگائے یہ آوازیں سنتے رہے۔ سب کے سب دہشت زدہ تھے' یکایک اللہ دین نے مجھ سے کہا۔

"واپس بھاگو' وہ اِدھر ہی آ رہے ہیں۔ تمہارا خیال بالکل درست معلوم ہوتا ہے' وہ یقیناً ایک لمبا چکر کاٹ کر موٹر لانچوں کے ذریعے یہاں تک پہنچے ہیں' وہ ہمیں گھیرنے کی کوشش کریں گے۔ ہمیں اب ایسی جگہ تلاش کرنی چاہئے۔ جہاں ان کے کتے نہ پہنچ سکیں' ورنہ یہ کتے' ہماری بوٹیاں اڑا دیں گے۔" یہ کہتے ہی وہ واپس اسی راستے پر دوڑنے لگا

جہاں سے ہم لوگ یہاں تک آئے تھے۔

ہم سب بھی اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں اور ہم بدحواسی میں تیز سے تیز تر دوڑ رہے تھے۔ ہمارے ہاتھوں میں پتھر توڑنے والے وہ بڑے بڑے ہتھوڑے اب بھی موجود تھے اور اس وقت وہ ہمیں اپنا واحد سہارا محسوس ہو رہے تھے جن کے ذریعے ہم اپنی حفاظت کر سکتے تھے۔ کافی دور تک دوڑنے کے بعد ہم چند لمحات کے لئے رکے اور اللہ دین کہنے لگا۔

"ہمیں مغرب کی طرف رخ اختیار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اِدھر کیمپ ہے۔ شمالی حصے میں جیسا کہ ہم دن میں محسوس کر چکے ہیں دلدلی علاقہ زیادہ ہے اس لئے اس طرف جانا بے کار ہے، اب صرف یہ جنوبی حصہ رہ جاتا ہے جس طرف ہمیں دوڑنا چاہئے، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس حصے میں دوڑتے ہوئے ہم دریا سے کتنے دور نکل جائیں گے لیکن یہی ایک مناسب راستہ ہے جسے اختیار کیا جا سکتا ہے، میں نہیں جانتا کہ یہاں دلدلی قطعے ہیں یا نہیں ہمیں احتیاط ہی سے سفر کرنا ہو گا لیکن اگر اس طرف دلدلی حصے ہیں بھی تو ہمیں ان سے فائدہ ہو سکتا ہے کیونکہ محافظ کتوں کو اس طرف لانے کی جرات نہیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے اسی طرف چلو۔" میں نے کہا اور ہم سب جنوبی حصے کی طرف بڑھنے لگے۔ ہم تیزی سے اپنا سفر طے کر رہے تھے، ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑ رہا تھا۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی کبھی کبھی سنائی دے جاتی تھیں اور کبھی کبھی بند ہو جاتی تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ محافظ ہماری تلاش میں سرگرمی سے مصروف ہیں۔ انہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ ابھی تک ہم میں سے کوئی ان جنگلوں سے نہیں نکل سکا ہے جس جگہ ہم سفر کر رہے تھے وہاں اونچی اونچی خاردار جھاڑیاں اور گنجان درخت موجود تھے۔ اگر سراغ رساں کتے ان محافظوں کے ساتھ نہ ہوتے تو یہ جگہ چھپنے کے لئے اتنی اچھی تھی کہ وہ لوگ ہمیں قیامت تک تلاش نہیں کر سکتے تھے۔ ہم اسی فکر میں غلطاں تھے کہ ہمیں اپنے بائیں جانب آہٹ سی سنائی دی اور ہم سب پیٹ کے بل لیٹ گئے۔ ہمارے دل بری طرح دھڑک رہے تھے لیکن یہ غالباً کوئی جنگلی جانور تھا جو وہاں چھپا ہوا تھا اور اب ڈر کر بھاگ رہا تھا، چند لمحات اسی طرح چھپے چھپے گزر گئے اور ابھی ہم اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ ہمیں ایک تیز روشنی نظر آئی جو ہم سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر تھی اور اِدھر اُدھر رینگ رہی تھی۔ ہماری سانسیں بند ہو گئیں، ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ محافظ اتنے قریب پہنچ چکے ہیں۔ یقیناً اس شخص کے ساتھ کوئی کتا نہیں تھا جس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی ورنہ کتا یقیناً ہماری بو سونگھ لیتا۔ روشنی آہستہ آہستہ ہماری جانب بڑھنے لگی۔ ہم دم سادھے لیٹے تھے۔ ذرا بھی جنبش نہیں کر رہے تھے۔ ہماری نگاہیں اس ہاتھ پر جمی ہوئی تھیں جس میں ٹارچ تھی۔ ٹارچ کی روشنی کے دھندلکے میں دو سائے نظر آ رہے

تھے۔ بالآخر ان کا ہم سے صرف بیس فٹ کا فاصلہ رہ گیا اور وہ آہستہ آہستہ ہمارے نزدیک تر ہوتے چلے گئے۔ اس طرح اس بات کا یقین تھا کہ چند لمحات میں وہ ہمارے نزدیک ہوں گے۔ گو لمبی اور گھنی جھاڑیوں میں ٹارچ کی روشنی زیادہ کار آمد ثابت نہیں ہو رہی تھی لیکن اگر وہ اس کا رخ ذرا سا جھکا لیتے تو لازمی بات تھی کہ وہ ہمیں دیکھ لیتے اور چونکہ وہ مسلح تھے اس لئے ہمارا ہلاک ہو جانا لازمی امر تھا۔ اللہ دین نے میرا بازو دبایا اور سرگوشی کے انداز میں بولا۔

"صرف دو ہی معلوم ہوتے ہیں منصور، اور ان کا ہلاک ہونا ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلائی اور دونوں تیار ہو گئے۔ باقی تین افراد کو ہم نے خاموش رہنے کے لئے کہا تھا۔ کیونکہ اس وقت ہنگامہ خیزی کسی طور مناسب نہیں تھی۔ محافظ آہستہ آہستہ ہمارے قریب آتے گئے اور اب ان کا فاصلہ ہم سے صرف چند فٹ کا رہ گیا۔ اب وہ یقینی طور پر اس جگہ سے گزرنے والے تھے جہاں ہم چھپے ہوئے تھے۔ ہم اگر جگہ بدلنے کی کوشش بھی کرتے تو بے سود تھا۔ کیونکہ جھاڑیوں کی جنبش ہماری موجودگی کا پتہ دے دیتی۔ چنانچہ اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ ہم ان پر بھرپور وار کریں اور اس سے فائدہ اٹھائیں اور یہی ہوا۔

وزنی ہتھوڑوں نے محافظوں کی کھوپڑیاں پاش پاش کر دیں۔ ان کے حلق سے آوازیں تک نہ نکل سکیں۔ وہ زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ ٹارچ گر پڑی۔ ہم نے فوری طور پر ٹارچ بجھائی اور ان کے جسموں کو ٹٹولنے لگے ہمارے تینوں ساتھی بھی آگے آ گئے تھے۔ محافظوں کے پاس رائفلیں تھیں اور ان کی کمر پر پیٹیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ یہ رائفلیں اور پیٹیاں قبضے میں کر لی گئیں پھر اللہ دین کو نجانے کیا سوجھی کہ وہ محافظوں کی اندرونی جیبوں کی تلاشی لینے لگا اور ان کی جیبوں سے اسے اچھی خاصی رقم دستیاب ہو گئی جو اس نے اپنے لباس میں ٹھونس لی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"چلو بڑھ چلو یہاں سے، میرا خیال ہے ہمیں ایک غیبی مدد حاصل ہوئی ہے۔ یہ رائفلیں ہمارے لئے بے حد کار آمد ہیں، چنانچہ ہم نے وہ جگہ بھی چھوڑ دی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ محافظ اتنی برق رفتاری سے ہمارے نزدیک کیسے پہنچ گئے۔ بہرحال اب اس سلسلے میں سوچنا بے کار ہی تھا۔ ہم ان کے نرغے میں تھے اور ان کے نرغے کو توڑ کر نکلنا ہمارے لئے سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ چنانچہ ہم رکے بغیر آگے بڑھتے رہے۔ خاردار جھاڑیوں نے کپڑے پھاڑ دیئے تھے اور پورے جسم پر خراشیں ہی خراشیں تھیں لیکن یہ وقت ان خراشوں پر توجہ دینے کا نہیں تھا۔ دوسری طرف سے یخ بستہ ہوا جسم میں تیروں کی طرح چبھ رہی تھی لیکن زندگی کے حصول کے لئے یہ ساری چیزیں برداشت کرنا ضروری تھا اور زندگی ایسی صورت میں بچ سکتی تھی کہ ہم محافظوں کے نرغے سے نکل جائیں۔ وہ جگہ

چھوڑ کر ہم کافی دور پہنچ گئے۔ سفر اب بھی نہایت آہستگی سے جاری تھا کیونکہ دلدلوں کا خطرہ تھا۔ ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھا رہے تھے۔ سب ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے تاکہ اگر کوئی کسی دلدل کے کنارے پہنچے تو دوسرے اسے جلدی سے پکڑ کر پیچھے گھسیٹ لیں۔ اس طرح سب کی زندگیاں بچ سکتی تھیں اور ہم اجتماعی طور پر محفوظ رہ سکتے تھے۔ گھنی جھاڑیوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا' پھر اس جگہ ہمیں دوبارہ روشنی نظر آئی۔ جہاں ہم نے ان دو محافظوں کو ہلاک کیا تھا۔ یقینی طور پر دوسرے محافظ وہاں پہنچ گئے تھے۔ اسے ہم اپنی خوش بختی ہی کہہ سکتے تھے کہ پہنچنے والوں کے ساتھ کتے نہیں تھے بلکہ کتوں کو وہ کسی اور ہی جگہ استعمال کر رہے تھے' کبھی کبھی ان کے بھونکنے کی آوازیں ہمیں صاف سنائی دے جاتی تھیں لیکن یہ آوازیں دور سے آتی محسوس ہوتی تھیں۔

مجھے یقین تھا کہ نئے آنے والے محافظوں نے اپنے دونوں ساتھیوں کی لاشیں دیکھ لی ہوں گی اور اس یقین کا ثبوت فوراً ہی مل گیا۔ دوسرے لمحے ٹارچوں کی روشنیاں چاروں طرف لہرانے لگیں اور اس کے ساتھ ہی فائرنگ شروع ہو گئی۔

"لیٹ جاؤ۔ نیچے لیٹ جاؤ۔" میں نے کہا اور خود بھی زمین پر گر پڑا۔ گولیاں جھاڑیوں کو توڑتی ہوئی اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھیں وہ یقینی طور پر اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے۔ انہوں نے سمت کا کوئی تعین نہیں کیا تھا۔ بس ان کے ذہن میں یہ خیال ہو گا کہ محافظوں کو ہلاک کرنے والے زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے اور کسی بھی جگہ ان گولیوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔

ہم زمین سے چپکے لیٹے رہے۔ دفعتاً گلاب کے حلق سے ایک کریہہ آواز نکلی اور اس نے بے اختیار اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"کیا ہوا؟" اللہ دین سرگوشی کے انداز میں غرایا۔

"سانپ۔ سانپ۔ میرے سینے کے نیچے سانپ تھا۔ یقینی طور پر...... اوہ سانپ۔"

گلاب کی حالت عجیب سی ہو گئی۔

"اوہ۔" اللہ دین بھی اچھل کر بیٹھ گیا' دوسرے لوگ بھی بیٹھ گئے اسی وقت چند گولیاں ہمارے سروں کے بالکل نزدیک سے گزریں اور ایک بار پھر ہمیں سر کے بل زمین پر جھک جانا پڑا۔

"ہمت سے کام لو گلاب' اگر وہ نکل گیا ہے تو اب اس طرف نہیں آئے گا۔ خونخوار اور خوفناک حشرات الارض بھی انسانوں سے بچنے کی کوششیں کرتے ہیں۔" لیکن گلاب تھر تھر کانپ رہا تھا' دوسرے لوگ بھی متاثر معلوم ہوتے تھے۔ بڑی عجیب صورت حال تھی بہرصورت محافظ گولیاں برساتے رہے اور چند ساعت کے بعد خاموشی ہو گئی۔ یقیناً وہ اندازہ کر رہے تھے کہ ان کی چلائی ہوئی گولیاں کارآمد ہوئی ہیں یا نہیں لیکن انہیں یقین

ہو گیا ہو گا کہ ان کے وار کارگر ثابت نہیں ہوئے اور ہم قرب و جوار میں موجود نہیں ہیں' ورنہ کسی نہ کسی کی چیخ تو سنائی دیتی۔ بہرحال ٹارچیں اب بھی روشن تھیں اور ان کی روشنیاں جگہ جگہ چھاپے مار رہی تھیں پھر انہوں نے آگے بڑھنا شروع کر دیا اور ایک بار پھر ہمیں نئے خطرات سے دو چار ہونا پڑا ان کا رخ اسی سمت تھا۔ کم بخت نجانے کس طرح ہماری بو سونگھتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ ان کی تعداد کا ہمیں کوئی صحیح اندازہ نہیں تھا۔ بہرطور اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ ہم یہاں رک کر ان کے قریب آنے کا انتظار کریں۔ اگر وہ قرب و جوار سے آگے نکل جاتے ہیں تو کوئی بات نہیں ہے' ورنہ پھر ان سے نمٹنا بھی ضروری ہو گا۔ ٹارچوں کی تعداد چار تھی اور یقینی طور پر تمام آدمی ہی ٹارچ نہیں لئے ہوں گے' اس کا مقصد ہے کہ محافظوں کی تعداد اس بار چار سے زیادہ تھی......

اللہ دین میرے بالکل قریب تھا' اس نے میرے کان میں کہا...... "اب کیا کیا جائے منصور؟"

"میرا خیال ہے خاموشی اختیار کی جائے اگر یہ لوگ ہمارے بالکل ہی نزدیک آ جائیں تو پھر دیکھا جائے گا اور اگر یہ ہمارے قریب سے گزر کر آگے بڑھ جاتے ہیں تو پھر ہم اسی جگہ رک کر ان کے دور نکل جانے یا اپنی تلاش سے مایوس ہو جانے کا انتظار کریں گے' ورنہ پھر جیسی بھی صورت حال پیش آئے۔"

"مجھے امید نہیں تھی کہ یہ لوگ اتنی برق رفتاری سے کام کریں گے۔" اللہ دین نے پرخیال انداز میں کہا۔ میں نے اس کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

محافظ قریب آتے چلے گئے' اب ہم ان کے قدموں کی دھمک اپنے بالکل قریب محسوس کر رہے تھے۔ جھاڑیوں میں ان کے قدموں کی سرسراہٹ محسوس ہو رہی تھی' یقینی طور پر ان کے ہاتھوں میں رائفلیں بھی تیار ہی ہوں گی' وہ ہمارے بالکل نزدیک پہنچ گئے لیکن یہ دیکھ کر ہمیں ایک گونہ سکون محسوس ہوا کہ ان کا فاصلہ ہم سے ذرا زیادہ تھا یعنی وہ ہمارے سروں پر سے نہیں گزرنے والے تھے۔ وہ آپس میں باتیں بھی کرتے جا رہے تھے اور ان کی آوازوں کی بازگشت ہمارے کانوں میں گونجنے لگی۔

"کم بختوں کو زمین نگل گئی یا آسمان' ویسے ہیں یہیں کہیں قرب و جوار میں۔ کیونکہ ان دونوں کو انہوں نے ہلاک کیا ہے۔"

"ہاں یقیناً وہ یہیں ہوں گے اور ہمارے ہاتھوں سے بچ کر نہیں جا سکیں گے۔ بس ذرا صبح ہو جائے۔ دن کی روشنی میں ہم انہیں آسانی سے تلاش کر لیں گے۔ ویسے ان کا فرار بلاشبہ ایک عظیم کارنامہ ہے۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس طرح فرار ہونے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ سبق مل گیا گواسکر کو' وہ اپنے آپ کو بہت عقل مند سمجھتا ہے۔" کسی نے کہا لیکن کسی نے بھی اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا پھر دوسرا بولا۔

"دریا کی جانب بھی لوگوں کو بھیج دیا گیا ہے۔ وہاں بستی میں ہدایت کر دی ہے کہ اگر کسی نے ان مفروروں کو پناہ دی تو پھر اس کی زندگی مشکل ہے۔ انہیں ہمار ہی ساتھ رہنا ہے اور اگر وہ آزاد رہنا چاہتے ہیں تو پھر ہمارے مزدوروں کو تلاش کر انہیں ہمارے حوالے کرنا ان کا فرض ہے۔"

"اوہ۔ کیا وہاں اطلاع پہنچا دی گئی ہے؟"

"ہاں۔ ایک موٹر لانچ دریا کے ڈیلٹا پر روانہ کر دی گئی ہے۔"

گویا دریا کا راستہ بھی مسدود کر دیا گیا تھا۔ گواسکر بلاشبہ ایک ذہین آدمی تھ اس نے ہماری سمتوں کا صحیح اندازہ لگا لیا تھا اور پھر ہمیں اس جزیرے کے محل وقوع کا کو اندازہ نہیں تھا۔ اس نے فرار کے تمام راستے مسدود کر دیئے تھے۔ سیٹھ جبار کے آد یقینی طور پر معمولی آدمی تو نہیں تھے۔ وہ کم بخت پوری طرح مجرمانہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔

محافظوں سے نمٹنے کی کوئی ضرورت پیش نہ آئی۔ وہ کافی دور نکل گئے تھے اور ا ٹارچوں کے رخ بدل گئے۔ اب وہ مشرقی سمت جا رہے تھے۔ ہم نے سکون کی گہری سانس لی اور ایک بار پھر ہم اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اللہ دین نے کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد کہا

"یہ تو بڑی مشکل پیش آ گئی۔ اس طرح تو ہم دریا کے کنارے نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"ایک ہی ترکیب ہو سکتی ہے اللہ دین۔" میں نے کہا۔ "ہمیں اس جنگل ہی میں روپوش رہنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے ہمیں دس بارہ روز یہاں گزارنا پڑیں گے تاکہ وہ لوگ ہماری تلاش سے مایوس ہو جائیں۔ یہ رائفلیں ہمارے لئے بے حد قیمتی ہیں اگر کبھی محافظ ہم تک پہنچ ہی گئے تو ان رائفلوں سے کام لیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے، میں تم سے متفق ہوں۔ اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ جب صبح کے دھندلکے پھیل جائیں تو ہم کوئی مناسب جگہ تلاش کر لیں، جہاں ہم دس بارہ روز تک قیام کر سکیں۔" اس نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ اس کے علاوہ اب اور کوئی ترکیب نہیں رہی تھی پھر صبح کاذب کے .... دھندلکے پھیلنے لگے۔ روشنی زمین و آسمان سے پھوٹ رہی تھی اور ماحول روشن ہوتا جا رہا تھا۔ ہم نے روشنی کی پہلی کرن کے ساتھ ہی اپنی یہ جگہ بھی چھوڑ دی اور اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑانے لگے۔ ہم سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر درختوں کے ایسے گھنے جھنڈ موجود تھے جن میں اگر ہم پہنچ جاتے تو چھپنے میں ہمیں آسانی ہوتی۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ ان درختوں کے پیچھے کیا ہے، یقینی طور پر ان درختوں کے قرب و جوار میں حشرات الارض کی تعداد بے پناہ ہو گی لیکن اس وقت موت چاروں طرف موجود تھی، کوئی سمت اس سے خالی نہیں تھی لہٰذا دیکھنا یہ تھا کہ موت کس طرف سے ہم پر حملہ آور ہوتی ہے۔ میں نے اللہ دین کی توجہ اس طرف مبذول

کرائی اور وہ میرے اس خیال پر غور کرنے لگا۔

"ٹھیک ہے لیکن ہم درختوں کے نیچے یا قرب و جوار میں چھپنے کی بجائے ان کی چوٹیوں پر پناہ لیں گے اور اس وقت تک انتظار کریں گے جب تک کہ محافظ اس علاقے سے نکل نہ جائیں۔"

"بالکل مناسب، آؤ تیز رفتاری سے سفر کریں۔ ورنہ تم سن ہی چکے ہو کہ صبح کی روشنی میں وہ لوگ ہمیں تلاش کرنے کا ایک باقاعدہ منصوبہ رکھتے ہیں۔" میں نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم درختوں کے اس گھنے جھنڈ کے پاس پہنچ گئے لیکن یہ دیکھ کر ہماری آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں کہ درختوں کے نیچے جو جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں ان میں ایک مخصوص قسم کے پھل لگے ہوئے تھے جنہیں ہم کوئی نام نہیں دے سکتے تھے کیونکہ یہ پھل ہمارے لئے بالکل اجنبی تھے لیکن اگر یہ پھل ہماری بھوک کا سہارا بن جاتے تو اس کا مقصد ہے کہ ہم درختوں پر ہی کچھ وقت گزار سکتے ہیں۔ میں نے جھاڑی میں سے ایک پھل توڑ کر اللہ دین کی طرف بڑھا دیا۔

"نجانے کیا ہے، کہیں اس کے اثرات زہریلے نہ ہوں۔" اس نے کہا اور میں کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

"کمال ہے یار۔ تم موت کے بارے میں سوچ رہے ہو۔ موت کس جگہ نہیں ہے؟ اس پورے جزیرے پر ہمارے لیے موت ہی موت ہے اور ہم اسے موت کا جزیرہ کہہ سکتے ہیں۔ پھلوں میں اگر زہر کی آمیزش ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے، ہمیں زیادہ سے زیادہ موت ہی تو آئے گی اور یہ موت محافظوں کی گولیوں سے بھی آ سکتی ہے۔ حشرات الارض کے کاٹنے سے آ سکتی ہے لیکن اگر پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے قدرت نے ہمارے لئے یہ سامان مہیا کیا ہے تو ہمیں اسے نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔"

"یہ بات تو ٹھیک ہے۔" اللہ دین نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے کہا اور ہم نے جلدی جلدی بہت سارے پھل توڑ کر جیبوں میں بھر لیے۔ اس کے بعد ہم درختوں کی چوٹیوں کی جانب دیکھنے لگے۔ درخت بہت زیادہ بلند نہیں تھے لیکن اتنے گھنے تھے کہ ان کی شاخوں میں چھپ کر باآسانی بیٹھا جا سکتا تھا بلکہ اگر ہم ذرا سی کوشش کرتے تو ایسی شاخیں بھی تلاش کر سکتے تھے جن پر باآسانی لیٹا جا سکے، چنانچہ ہم درختوں پر چڑھنے لگے۔ پیروں کے آبلے درختوں پر چڑھنے میں تکلیف دے رہے تھے لیکن یہ ساری تکلیف اس وقت ہمارے لیے بے بنیاد تھی ہم پانچوں درختوں کی چوٹیوں پر پہنچ گئے اور بندروں کی طرح اِدھر اُدھر گھوم کر ایسی جگہیں تلاش کرنے لگے جو ہمارے لیے کار آمد ہوں۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ درخت ہمارے لیے ہی بنائے گئے ہیں۔ ان کی شاخیں اس طرح آپس میں گتھی ہوئی تھیں کہ ان پر آسانی سے لیٹا بھی جا سکتا تھا۔ ہمیں انتہائی محفوظ پناہ گاہ مل گئی تھی۔ محفوظ صرف

اس شکل میں تھی کہ ہم درختوں سے گر نہیں سکتے تھے البتہ اگر محافظ اور کتے یہاں پہنچ گئے تو پھر کوئی جگہ محفوظ نہیں تھی۔ اپنی اپنی جگہوں پر آرام سے لیٹ کر ہم نے جیبوں سے پھل نکالے اور انہیں چبانے لگے۔ ابھی تک بھوک کا کوئی احساس نہیں ہوا تھا لیکن پھل کھانے سے یُوں لگا' جیسے ہمارے جسموں میں نئی توانائی دوڑ گئی ہو۔ اچھی خاصی مقدار میں یہ پھل توڑے تھے اور بے شمار پھل یہاں قرب و جوار میں پھیلے ہوئے تھے۔ بظاہر یہ پھل ہر طرح سے بے ضرر تھے اور انہیں کھانے کے بعد ہمیں کوئی خاص احساس نہیں ہوا تھا۔ کافی دیر تک ہم ان پھلوں کے نتائج کا انتظار کرتے رہے لیکن ہم نہایت پر سکون تھے اور خاموشی سے اپنے اپنے مشاغل میں مصروف تھے۔ اللہ دین نے ایک رائفل مجھے دے دی تھی اور دوسری اپنے پاس رکھ لی تھی۔ ہم نے رائفلیں چیک کر لی تھیں ان میں کار توس لگے ہوئے تھے۔ بہرصورت اس کے بعد ہم تھکن سے چور آنکھیں بند کر کے اپنی اپنی جگہوں پر آرام کرنے لگے۔ کم از کم یہ یقین تھا کہ اگر آنکھ لگ بھی گئی تو ہم نیچے نہیں گریں گے اور اس احساس نے واقعی بڑا سکون بخشا تھا' ہماری آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔ آنکھوں میں شدید جلن تھی اور پلکیں جڑی جا رہی تھی لہٰذا میں اپنے ذہن سے نیند کو دور نہ رکھ سکا اور ذرا سی دیر میں ہی غافل ہو کر سو گیا۔ اب نہ مجھے رائفل کا پتہ تھا' نہ محافظوں کا اور نہ کتوں کا۔ میں گہری نیند سو رہا تھا پھر جب آنکھ کھلی تو شام کے سائے تیزی سے گہرے ہوتے جا رہے تھے' درختوں پر بسیرا کرنے والے پرندے مغرب کی جانب سے سینکڑوں کی تعداد میں اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ رہے تھے' کتوں اور ان کے محافظوں کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ جا چکے ہیں اور اب ہم اس جنگل میں ایک بار پھر آزاد ہیں لیکن ہمارا یہ فیصلہ برقرار تھا کہ ہمیں چند روز یہیں چھپے رہنا چاہئے۔ دریا پر جانا اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنے کے مترادف ہوتا۔ چند روز کے بعد جب وہ لوگ ہماری طرف سے مایوس ہو جائیں گے تو نگرانی ختم کر دیں گے اور اس کے بعد ہم وہاں پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ اس کے بعد نتیجہ جو کچھ بھی ہو' پوشیدہ رہنے کے لئے اس جگہ سے عمدہ جگہ اور کوئی نہیں تھی' یہاں ہم آسانی سے چھپے ہوئے تھے۔ نیچے جھاڑیوں میں پھل موجود تھے جو ہمارے لئے وقتی سہارا بن سکتے تھے' پھلوں میں چونکہ نمی اچھی خاصی تھی اس لئے پیاس بھی شدت سے محسوس نہیں ہو رہی تھی بلکہ میں نے تو بعد میں یہ محسوس کیا کہ ہم اندرونی طور پر نہایت پرسکون ہیں' آرام کرنے کی وجہ سے تھکن بھی کافی حد تک دور ہو گئی تھی۔ گو بدن کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا اور اس کی وجہ یہی تھی کہ ہم بے آرام اور درختوں کی کھردری شاخوں پر سوئے ہوئے تھے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کی جانب نگاہ دوڑائی سب کے سب اب بھی سو رہے تھے' میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ نیند کیسی ظالم شے ہے' ہر جگہ آ جاتی ہے اور انسان مردہ ہو

ہے۔ اگر اس دوران محافظ اور کتے یہاں پہنچ جاتے تو بھلا ہمیں کون بچا سکتا تھا کیونکہ ہری نیند سو رہے تھے لیکن بہرصورت بچانے والا ایک ہاتھ ہمارے سروں پر موجود تھا یقینی طور پر اگر اس کی منشا نہیں تھی تو پھر ہمیں کون نقصان پہنچا سکتا تھا۔

میں تین موٹی موٹی شاخوں کے درمیان پھنسا ہوا بیٹھا تھا اور بڑے اطمینان سے نے والے وقت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اللہ دین کی حرکات ابھی تک تو ناگوار محسوس ہوئی تھیں لیکن نجانے کیوں یہ شخص مجھے خطرناک لگتا تھا' مجھے یوں محسوس ہوتا تھا ، اس کا دل صاف نہیں اور وہ صرف یہاں سے نکلنے کے لئے ہم لوگوں کا سہارا لئے ے ہے۔ حالانکہ یہ بھی ایسی کوئی بات نہیں تھی' باہر آزاد دنیا میں جانے کے لئے اس کا دل چاہے وہ کرے۔ ہم میں سے کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا...... لیکن بس دل میں احساس تھا جس کی بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی۔ میں خاموشی سے ان لوگوں کو دیکھتا رہا اور اپنے بارے میں سوچنے لگا۔ ایک بار پھر ماضی کی پرچھائیاں میرے ذہن میں رقصاں ہو ں اگر اللہ دین کی آواز نہ سنائی دیتی تو نہ جانے میں کب تک خیالات میں ڈوبا رہتا۔ اللہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے پاؤں درخت کی شاخ سے نیچے لٹکے ہوئے تھے' مجھے دیکھ کر وہ رانے لگا۔

"یوں لگتا ہے جیسے ہم کسی ہوٹل کے کمرے میں موجود ہیں دیکھو ان سسروں کو ے مزے سے سو رہے ہیں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"جاگنے کے بعد مجھے حیرت ہوئی کہ ہم ابھی تک زندہ ہیں' کتوں وغیرہ کی ازوں کا بھی اب کوئی پتہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ یہاں ہماری موجودگی ، مایوس ہو کر چلے گئے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمیں یہاں پوشیدہ رہنا ہو گا۔ ابھی ہم گے کے سفر کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم لیڈر ہو۔ تمہاری کسی بات سے انحراف نہیں کیا جائے گا۔" میں جواب دیا اور اللہ دین خاموشی سے کچھ سوچنے لگا پھر اس نے گہری نگاہوں سے مجھے تے ہوئے کہا۔

"تم نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا دوست۔ تم یہاں تک کیسے پہنچے۔ مجھے ا ہے تم عام آدمی نہیں ہو۔ لڑائی بھڑائی کے گر جانتے ہو۔ سمجھ دار اور پڑھے لکھے لوم ہوتے ہو۔ طاقتور بھی ہو اور نڈر بھی۔ اس کے باوجود تم ایک عام آدمی کے انداز ا سوچتے ہو؟"

"پھر کیا کروں؟"

"دولت کمانے کے لئے گدھوں کی طرح محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس

کے دوسرے طریقے بھی تو ہوتے ہیں' اسمگلنگ۔ ڈاکا زنی' بلیک میلنگ اور دوسرے
کاروبار جن کے ذریعے دولت کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔"

"ایسے کام ہر شخص کے بس کا روگ تو نہیں ہوتے۔"

"بے شک لیکن بعض اوقات کوئی تجربہ کار ساتھ مل جائے تو آسانیاں فراہم
جاتی ہیں اور تمہیں ایسا ساتھی مل سکتا ہے۔"

"اگر واقعی ایسا ہوا تو میں اس کی شاگردی قبول کر لوں گا۔"

"شاگردی نہیں دوستی۔ میں تمہیں اس کی پیش کش کرتا ہوں۔ فی الحال یہ
گفتگو ہو گی لیکن اگر ہم بخیر و خوبی یہاں سے نکل گئے تو پھر کام کریں گے۔ تمہیں
خاص جگہ پہنچنے کی جلدی تو نہیں ہے؟"

"قطعی نہیں۔ ان حالات میں کبھی گھر واپس نہیں جاؤں گا۔ یہ ناکام شکل لے
گھر جانے سے تو نہ جانا بہتر ہے۔"

"زندہ باد پھر اپنے یار کے کارنامے دیکھو۔ ہم ذہنی طور پر عام لوگوں سے
ہیں۔ چنانچہ ہماری یہ برتری قائم رہنی چاہیئے۔" اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور
نے اس سے مصافحہ کر لیا۔ اس وقت یہی مناسب تھا۔

ایک ہفتے تک ہم اسی جنگل میں چھپے رہے اور پھر مکمل اطمینان کرنے کے
ایک بار پھر ہم نے اپنا سفر شروع کر دیا۔ ہمارے پاس دو رائفلیں موجود تھیں اس کے علا
ہتھوڑے بھی ہم نے اپنے پاس رکھے تھے۔ ہمارا رخ دریا کے کنارے آباد بستی کی طر
تھا۔ یہ اندازہ نہیں تھا کہ بستی تک پہنچنے میں ہمیں کتنا وقت لگے گا.....کیونکہ اصل را
سے ہٹ گئے تھے۔

بہر صورت ہم سفر کرتے رہے۔ راستے میں بے پناہ رکاوٹیں تھیں۔ سانپ ا
دوسرے حشرات الارض جگہ جگہ بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے زندگی کے کسی لمحے میں
سوچا تھا کہ کبھی ایسے حالات سے بھی گزرنا پڑے گا۔ لیکن جو کچھ تقدیر میں ہوتا ہے ا
سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ ہم سفر کر رہے تھے۔ مشرق کی طرف سے آہستہ آہستہ چاند آسمان
بلند ہو رہا تھا اور اس کی زرد روشنی نے جنگل کا اندھیرا دور کر دیا تھا۔ اس طرح ہمیں
میں آسانی ہو گئی۔ سرد ہوا کے جھونکے بدن کو چھو رہے تھے اور پھر اسی رات ہم نے د
کے کنارے آباد بستی دیکھی۔ کچے مکانات چاندنی میں کھلونوں کی مانند نظر آ رہے تھے۔ ا
کے درمیان خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ ہم بستی کی طرف بڑھتے گئے اور پھر اس
قریب پہنچ گئے۔ پوری بستی ویران معلوم ہو رہی تھی پھر کسی طرف سے کتے کے بھونکنے
آواز آئی اور ہمارے قدم رک گئے۔ کتے کی اس آواز کا جواب دوسرے کتوں نے بھی
اور پھر کتوں کا اچھا خاصا گروہ جمع ہو گیا اور انہوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ اس صورت

ے ہم گھبرا گئے تھے۔ ہم نے رائفلیں سنبھال لیں اور ہتھوڑے لے کر کتوں سے
بلے کے لئے تیار ہو گئے لیکن کتے ہمارے پاس نہیں آئے تھے۔ بستی میں جگار ہو گئی۔
کے باشندے ہاتھوں میں لاٹھیاں' کلہاڑیاں اور شاید بندوقیں لے کر باہر نکل آئے اور
ک جگہ جمع ہونے لگے۔ اللہ دین اس صورت حال کا خاموشی سے جائزہ لے رہا تھا۔ بستی
لے پورا گروہ بنا کر ہماری طرف چل پڑے۔ وہ ہماری طرف سے ہوشیار تھے پھر ان میں
کسی نے عربی زبان میں کچھ کہا۔ بات سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ اللہ دین نے دو قدم
گے بڑھ کر کہا۔

"ہم کیگارو کے مہمان ہیں۔ اسے ہمارے بارے میں اطلاع دو۔" دوسروں میں
ے کسی نے یہ بات سنی ہو یا نہیں لیکن خوش قسمتی سے کیگارو بھی اس مجمعے میں موجود
ا۔ وہ دوسرے لوگوں کو ہٹا کر آگے بڑھ آیا اور ہمارے پاس پہنچ گیا۔

"کون ہو تم لوگ؟" اس نے انگلش میں پوچھا اور پھر شاید قریب آ کر اس نے
ہ دین کو پہچان لیا۔ دوسرے لمحے اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور اللہ دین سے معانقہ کیا
راس کر دوسرے لوگوں کو عربی میں کچھ سمجھانے لگا۔

دوسرے لوگ عربی میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے واپس چل پڑے تھے۔ کیگارو ہمیں
لے کر چل پڑا۔ ایک کچے مکان کے بڑے احاطے میں داخل ہو کر اس نے کسی کو آواز
ی۔ اس ہنگامہ خیزی سے گھر کے سب لوگ ہی جاگ گئے تھے۔ بہر حال ایک کمرہ کھولا گیا
ال مخصوص قسم کا فرنیچر پڑا تھا۔ کیگارو نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر ایک نوجوان
کے سے عربی زبان میں کچھ کہا تو وہ چلا گیا پھر اس نے گہری نگاہوں سے ہم سب کو دیکھا
ر بولا۔

"یہ سب تمہارے ساتھی ہیں؟ خیریت سے یہاں پہنچ گئے یا کوئی حادثہ ہو گیا؟"

"نہیں سب ٹھیک ہے۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فرار ہونے والے تم ہو گے' وہ لوگ تین دن
ک یہاں پڑاؤ ڈالے رہے تھے۔"

"گواسکر کے آدمی؟" اللہ دین نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہاں انہی کی بات کر رہا ہوں۔ آدھی رات کو لانچوں کے ذریعے یہاں پہنچے تھے
ر پوری بستی گھیرے میں لے لی تھی۔ ایک ایک مکان کی تلاشی لی تھی گدھوں نے۔ خود
ہت چالاک سمجھتے تھے لیکن....." کیگارو ہنسنے لگا پھر بولا۔ "اس کے بعد انہوں نے بن
الک کو ہدایت کی کہ پانچ مفرور اگر یہاں پہنچیں تو انہیں فوراً اطلاع دی جائے۔"

"بن سالک کون ہے؟"

"اس بستی کا سردار۔ اس کے بعد تین دن تک ان کی لانچیں سمندر میں چکر

لگاتی رہیں اور جب ڈیزل ختم ہونے لگا تو واپس چلی گئیں۔ ان کے بے شمار آ
سراغرساں کتے جنگلوں میں کئی دن رہے تھے کیا وہ تم تک نہیں پہنچے؟" کیگارو نے

"پہنچے تھے لیکن ہمیں نہ پا سکے۔"

"مجھے اندازہ ہے تم بہت چالاک آدمی ہو۔" کیگارو نے مسکراتے ہو

اتنی دیر میں وہ لڑکا جسے کیگارو نے ہدایت دے کر بھیجا تھا گرم گرم چائے لے آ
چائے اس وقت دنیا کی سب سے لذیذ شے لگی تھی ہمیں۔ ایک ایک پیالی سے طبی
نہیں ہوئی لیکن ظاہر ہے دوسری طلب نہیں کی جا سکتی تھی۔ اللہ دین کسی سوچ میں
تھا پھر اس نے گردن اٹھا کر کہا۔

"تمہیں ہماری وجہ سے کوئی پریشانی تو نہیں ہو گی کیگارو؟"

"کیسی پریشانی؟"

"بن سالک کو ہمارے پہنچنے کی اطلاع مل جائے گی پھر کیا وہ ہمیں گرفتار
واپس قید خانے بھجوا دے گا؟" اللہ دین نے پوچھا اور کیگارو ہنسنے لگا۔

"ہرگز نہیں۔ بستی والوں کو بس اس وقت تک تمہارے بارے میں تشو
جب تک تمہاری کوئی شناخت نہیں ہوئی تھی۔ میں نے تمہاری شناخت کر دی۔ اب
تم سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اس خطرناک ماحول میں ہم ایسے گزارہ تو نہیں کر
ہمارے درمیان مثالی اتحاد ہے۔ حالانکہ تمہاری تعداد سے سب سمجھ گئے ہوں گے
کون ہو لیکن بس وہ یہ جانتے ہیں کہ میں نے تم سے شناسائی کا اظہار کر دیا اور
پوری بستی کی پناہ میں ہو..... تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔"

"یہ تو واقعی قابل فخربات ہے۔" اللہ دین بولا۔

"کسی اور شے کی ضرورت ہو تو بتاؤ۔ میں انتظام کر دوں۔" کیگارو نے کہ

"نہیں شکریہ۔ تھکے ہوئے ہیں بری طرح۔ بس ہمارے آرام کا بندوبہ
دو۔" اللہ دین نے کہا اور کیگارو اٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمارے لئے ایک کمر
فرش بچھا دیا گیا۔ گاؤ تکیے لگا دیئے گئے اور کیگارو ہمیں آرام کرنے کے لیے کہہ
گیا۔ ہم سب لیٹ گئے تھے۔ واقعی اب تھکن کا شدید احساس ہو رہا تھا لیکن مجھے نین
آئی۔ اللہ دین بھی جاگ رہا تھا۔ ہمارے تینوں ساتھی البتہ سو گئے تھے۔

"تمہیں اس شخص پر مکمل اعتماد ہے اللہ دین؟"

"بظاہر تو ٹھیک ٹھاک ہے لیکن اگر کوئی مشکل پیش آئی تو دیکھا جائے گا۔"
دین نے جواب دیا۔

دوسری صبح ہمیں عمدہ قسم کا ناشتہ پیش کیا گیا۔ کیگارو بڑی خوش اخلاقی سے
آیا تھا۔ ناشتے کے بعد اللہ دین کو وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ ہم لوگ اسی جگہ رہے تھے

کیگارو نے کہا تھا۔ "تمہیں اِسی کمرے میں رہنا ہو گا۔ بظاہر کوئی خطرہ نہیں ہے مگر ہمیں
ہوشیار رہنا ہو گا۔ ممکن ہے وہ اب بھی تم لوگوں کو تلاش کر رہے ہوں....."

"ٹھیک ہے۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔" میں نے کہا اور وہ دونوں باہر چلے گئے۔

کوئی خاص احساس دل میں نہیں تھا۔ دونوں رائفلیں یہیں موجود تھیں اور پھر اللہ دین کے
بارے میں بھی کوئی صحیح فیصلہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خواہ مخواہ کے خدشات کا شکار ہو کر فوری
طور پر کوئی قدم اٹھانا مناسب نہیں تھا۔ رات کو میرے پاس ہی لیٹ گیا تھا اور پھر اس نے
پُرخیال انداز میں کہا۔

"میرے اور تمہارے درمیان ایک بات ہوئی تھی منصور۔ کیا خیال ہے۔ نئی
زندگی کے آغاز کے لئے تیار ہو؟"

"میں نہیں سمجھا۔" میں نے چونک کر کہا۔

"یہاں سے نکلنے کا بہترین چانس مل رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی دولت کا حصول
بھی ممکن ہے۔ میرے خیال میں ہم دونوں کم از کم دس دس ہزار روپے کے مالک بن سکتے
ہیں اور اگر داؤ لگ جائے تو لاکھوں کا کاربار ممکن ہے۔"

"کیگارو سے کوئی بات ہوئی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں شاید میں نے تمہیں بتایا تھا کہ یہ لوگ عجیب و غریب فطرت کے مالک
ہیں۔ ہر قسم کی مجرمانہ کارروائی کرتے ہیں اور اس جزیرے پر آباد ہیں۔ حالانکہ یہ جزیرہ عام
راستوں سے ہٹ کر ہے لیکن ان کے خیال میں یہ ان کے لئے محفوظ پناہ گاہ ہے اور پھر
خاص طور سے یہ اسمگلروں کا جو اڈہ ہے اس کی وجہ سے بھی ان کی بچت ہے۔ ایک طرح
سے یوں سمجھو کہ ان کا تعلق بھی انھی اسمگلروں سے ہے لیکن یہ اب براہ راست ان کے
ملازم نہیں ہیں البتہ ان کے لئے کام کرتے ہیں۔"

"تعجب ہے کیسا کام کرتے ہیں جب کہ ان کے مزدوروں کو بھی پکڑ کر ان کے
حوالے نہیں کرتے۔"

"یہ ان کا اپنا مسئلہ ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ کیگارو ہم سے کچھ کام لینا
چاہتا ہے۔ دراصل یہاں اس بستی کا سردار تو بن مالک ہے لیکن ہر شخص اپنے طور پر کام
کرنے کے لئے آزاد ہے وہ اپنی آمدنی کا ایک چھوٹا سا حصہ سردار کو بھی دیتے ہیں۔ یوں
سمجھ لو کہ یہ بستی ایک پورا خاندان ہے اور اس خاندان میں سب ایک دوسرے سے تعاون
کرتے ہیں۔"

"بڑا اچھا طریقہ ہے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ پھر پوچھا۔ "کیا پیش کش
کی ہے کیگارو نے؟"

"بس کچھ غلام ہیں اس کے پاس۔ کہتا ہے کہ تقریباً دس یا گیارہ افراد ہیں' مرد

ہیں' انہیں ایک کشتی میں بھر کر یہاں سے تقریباً تیس میل دور تک جزیرے میں فروخت کرنا ہے۔ وہ جزیرہ غلاموں کی منڈی ہے۔ وہ بھی عام راستے سے ہٹ کر ہے لیکن وہاں بڑی بڑی لانچیں اور جہاز آتے ہیں جو اسی قسم کے کام کرتے ہیں۔ کیگارو چاہتا ہے کہ اس کے یہ غلام ہم لے کر جائیں وہ ہر غلام کے عوض' دو ہزار روپے کمیشن دینے کو تیار ہے۔ اس طرح سے تقریباً بائیس ہزار روپے بنتے ہیں' چنانچہ میں نے اس سے یہی کہا کہ میں اپنے دوستوں سے مشورہ کر لوں۔ میرے خیال میں منصور' یہ تو خواہ مخواہ کی ایک رقم ہاتھ آ رہی ہے۔ کیگارو اپنے دو آدمی بھی ہمارے حوالے کرے گا جو غلاموں کے منتظم ہوں گے۔ بڑی چالاکی سے کام کر رہے ہیں یہ لوگ۔ میں نے پوری تفصیل سنی ہے فی الوقت اس کے خیال میں جزیرہ چھوڑنے کا وقت نہیں ہے کیونکہ ہماری تلاش بھی ہو رہی ہے..... یہ غلام بھی خطرے میں ہیں اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ غیر متعلق لوگوں کے ہاتھ ان غلاموں کو منڈی روانہ کر دیں اور اس کے لئے کیگارو نے مجھ پر اعتماد کیا ہے۔ مقصد یہی ہے کہ ہم ان غلاموں کو ایک مخصوص باڑے تک پہنچا کر رقم وصول کر کے اس کے آدمیوں کے حوالے کر دیں اس کے بعد ہمیں آزادی ہے۔ جہاں چاہیں نکل جائیں۔"

میں ششدر رہ گیا۔ اس جدید دور میں غلاموں کی خرید و فروخت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن جو کچھ میں نے سنا تھا اس کی کوئی نہ کوئی اہمیت تو ہو گی۔ بشرطیکہ اللہ دین کوئی چال نہ چل رہا ہو لیکن میں تہیہ کر چکا تھا کہ حالات کچھ بھی ہوں اللہ دین سے بگاڑنا مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"انوکھی پیش کش اللہ دین۔ کیا تم نے غلاموں کی تجارت کے بارے میں کچھ معلومات بھی حاصل کی ہیں؟"

"ہاں۔ کافی بات چیت ہوئی ہے۔ وہ جزیرہ ان لوگوں کی زبان میں بادیان کہلاتا ہے۔ بہت بڑا کاروبار ہوتا ہے وہاں' باقاعدہ دلال ہوتے ہیں جو رابطہ قائم کر لیتے ہیں۔ باقی کام ان کا ہوتا ہے۔"

"اور اس دور میں ان حالات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"ہاں۔ میری تو آنکھیں کھل گئی ہیں منصور۔ میرا خیال ہے تقدیر ہر انسان کو ایک چانس ضرور دیتی ہے۔ جب تک انسان اپنی جگہ نہ چھوڑے اسے کچھ نہیں ملتا تم میرے ساتھی بن جاؤ' میں کروڑ پتی بنا دوں گا۔ یقین کرو منصور کروڑ پتی پھر ارب پتی۔ دولت ہمارے قدموں میں ڈھیر ہو گی۔ دولت ہی دولت۔" اللہ دین کی آنکھوں میں شیطان ناچ رہا تھا۔

میں چند لمحات خاموشی سے اس کی شکل دیکھتا رہا پھر میں نے گہری سانس لے کر پوچھا۔ "وہ کس طرح اللہ دین؟"

"یار غور کرو۔ ہمارے وطن میں مشرق وسطیٰ سے دولت سمیٹنے کی وبا کس قدر ام ہے۔ ہر تیسرا آدمی دوبئی' کویت' مسقط' شارجہ' سعودی عرب پہنچنے کے خواب دیکھتا ہے ہے وہاں دولت کے درخت اگے ہوئے ہیں اور وہ وہاں سے دولت سمیٹ کر لے آنا چاہتا ہے۔ بے شمار ریکروٹنگ ایجنسیاں کام کر رہی ہیں۔ کچھ صحیح اور کچھ فراڈ۔ فراڈ ایجنسیاں جائز ذرائع سے ان لوگوں کو یہاں لا پھینکتی ہیں۔ کچھ یہاں چھپ جانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور کچھ ناکام۔ ہم اس پروگرام میں کچھ تبدیلیاں کیوں نہ کریں۔"

"مثلاً؟" میں نے پوچھا۔

"غور کرو منصور۔ ریکروٹنگ ایجنسیاں دس دس پانچ پانچ ہزار روپے لے کر ان لوگوں کو وہاں پہنچاتی ہیں۔ ہم یہاں سے ان کے لئے نوکریاں لے کر جائیں گے۔ ہم ایسے لوگوں کی حیثیت سے وہاں پہنچیں گے جو بھرتی کرنے آتے ہیں۔ دو تین آدمیوں کا بندوبست کرنا ہو گا جن میں کچھ مشرق وسطیٰ کے باشندے ہوں گے اور نہ بھی ہوں گے تو بنا دیئے جائیں گے۔ یہ لوگ ایک بہت بڑی کمپنی کے لئے مزدور لے کر جائیں گے لیکن یہ مزدور براہ راست بادیان پہنچیں گے اور یہاں فروخت کر دیئے جائیں گے۔ دولت ہی دولت' ایک ایک غلام پچیس اور تیس ہزار میں فروخت ہو جاتا ہے۔ تم اندازہ کرو۔ کیا کیفیت ہو گی۔ دس پانچ ہزار افراد کو یہاں پہنچا دینا کون سی بڑی بات ہے۔"

میرا دل بیٹھنے لگا۔ انسانیت کے اوپر کتنا بڑا ظلم ہے یہ۔ کیسا انوکھا لیکن مکروہ منصوبہ تھا یہ۔ آج اللہ دین کے ذہن میں تھا کل کسی اور کے ذہن میں ہو گا اور اپنے ماحول سے پریشان لوگ' تلاش معاش میں سرگرداں' ان بھیڑیوں کے ہاتھ لگ جائیں گے اور اس کے بعد کی زندگی ان کے لئے موت سے بدتر ہو گی۔ ہاں موت سے بدتر۔ میں سوچتا رہا۔ زمانہ نہ جانے کتنے ہولناک مصائب کا شکار ہے۔ خونخوار بھیڑیے اپنی سرخ سرخ زبانیں نکالے چمک دار آنکھوں سے ان مظلوموں کی جانب نگراں ہیں کہ یہ کہاں چوکیں اور وہ انہیں دبوچ لیں۔ اللہ دین جیسے شخص اس روئے زمین پر ہر سو بکھرے ہوئے ہیں اور کوئی ایک شخص ان بھیڑیوں کو فنا نہیں کر سکتا لیکن کوئی بھی ایک شخص اگر انہیں فنا کرنے کی قوت رکھتا ہے تو ایک بھیڑیے کو مار دینا بھی ثواب ہی ہو گا' اللہ دین جیسے لوگوں کو زندہ نہیں رہنا چاہئے' کسی بھی قیمت پر نہیں' ورنہ وہ لاکھوں گھرانے تباہ کر دیتے ہیں۔ میری خوش بختی تھی کہ اللہ دین کا منصوبہ میری سمجھ میں آ گیا تھا' اس سے قبل کہ یہ منصوبہ پھیلے اور دوسرے لوگ بھی اسی کے انداز میں سوچیں۔ اس کے ہمنوا اور ہم خیال بن جائیں' اللہ دین کو موت سے ہمکنار کر دینا بہتر ہو گا۔ میرے دل میں نفرت کا طوفان امڈ رہا تھا لیکن میں اب مصلحت کوش بھی ہو گیا تھا' زمانے نے جو تجربات دیئے تھے ان کے تحت میں جانتا تھا کہ کسی بھی برائی کو ختم کرنے کے لئے اچھائی کا پرچار فوری طور پر کر دینا

مناسب نہیں ہے بلکہ اس کے لئے وقت کا انتظار مناسب ہوتا ہے اور مجھے اسی وقت انتظار کرنا تھا' اللہ دین جیسے شخص کی زندگی بہت سوں کے لئے موت کے مترادف تھی' خاموش دیکھ کر اللہ دین نے پوچھا۔

"کیا سوچنے لگے منصور؟"

"تمہارے اس منصوبے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ اتنا شاندار ہے کہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔" میں نے جواب دیا۔

"ہاں اور ہم پہلے آدمی ہوں گے جو اس سلسلے میں جدید پیمانے پر کام کریں گے لطف آ جائے گا منصور' لطف آ جائے گا' میں تم سے کچھ اور باتیں بھی کروں گا لیکن وقت سے پہلے ساری باتیں کر لینا مناسب نہیں ہوتیں۔"

"ٹھیک ہے' میں ہر مرحلے پر تمہارے ساتھ ہوں' بے فکر رہو' میں بھی سمجھ ہوں کہ اس دنیا میں کچھ بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اپنے سے کمزور انسان کو پیس رکھ دیا جائے۔"

"بالکل بالکل۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تم وہ تو کو پیس کر رکھ دے گا۔ اس بات ہمیشہ ذہن میں رکھو۔" وہ بہت مطمئن اور خوش نظر آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سو لیکن مجھے رات کے تیسرے پہر تک نیند نہ آئی۔ خیالات کی یلغار تھی جو مجھے بے چین ہوئے تھی میں کروٹیں بدلتا رہا۔

دوسری صبح کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ ناشتے کے بعد اللہ دین کے گارو کے ساتھ چلا گیا۔ شام کو واپس آیا اور بولا۔ "ہمیں یہاں زیادہ وقت صرف نہیں کرنا پڑے گا منصور' تیاریاں مکمل ہیں البتہ ہمارا سفر ذرا مخدوش ہو گا۔"

"کیا مطلب؟"

"ایک بہت بڑی بادبانی کشتی کے ذریعے سفر کرنا ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ ہماری تو ساری زندگی ہی خطرات سے پر ہے۔ اس سلسلے میں پریشان ہونے سے کیا فائدہ۔"

"بے شک۔ ویسے ان لوگوں کا اتحاد بھی بے مثال ہے میں ان سے بہت متاثر ہوا ہوں۔"

"کوئی خاص بات؟"

"ہاں میری ملاقات بن سالک سے بھی ہو چکی ہے۔ وہ دس کلو چرس بھی ہمارے ہاتھ بھیج رہا ہے اس کا کمیشن بھی ہمیں ملے گا۔"

"بہت خوب۔ یہ عمدہ بات ہے۔"

"جزیرے والوں کو یہ لوگ کچھ بھی نہیں گردانتے۔ بظاہر یہ ان سے خوفزدہ رہنے کی اداکاری کرتے ہیں لیکن ان کے زمین دوز تہہ خانے اسلحے سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ کبھی اگر تصادم کی نوبت آئی تو وہ انہیں ختم کر دیں گے۔ چونکہ ان لوگوں کی وجہ سے انہیں ایک سمت کا تحفظ حاصل ہے۔ اس لئے ان کا خیال ہے کہ ان لوگوں کی موجودگی بہتر ہے' یہاں تو ہر چیز کاشت ہوتی ہے۔ چرس' بھنگ' افیون سب یہاں تیار کی جاتی ہے۔ یہ سب تو ان سے بڑے اسمگلر ہیں۔"

"کمال ہے۔" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

بہرحال اللہ دین خود ہی اس سلسلے میں ساری کارروائی کرتا رہا۔ مجھے اس نے صرف باتوں کی حد تک شریک رکھا تھا۔ اس جیسے آدمی سے ہر طرح کی توقع رکھی جا سکتی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ مجھ سے بھی دھوکا کر رہا ہو۔ یہ بات میں نہیں بھول سکتا تھا کہ اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور آئندہ اس کے ذہن میں کیا پروگرام ہے۔ اس کا تعین بھی ناممکن تھا۔ لہٰذا میں نے بھی خاموشی مناسب سمجھی۔ زیادہ ذہانت کا مظاہرہ

خطرناک ہو سکتا تھا۔ تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ دوسری طرف کے حالات بھی پرسکون تھے۔ گواسکر کے آدمی ہمیں تلاش تو کر رہے ہوں گے لیکن ان میں سے کوئی اس طرف نہیں آیا تھا۔ البتہ میں نے اللہ دین سے اپنے خدشے کا اظہار کر دیا۔

"اس طرف سے تو وہ لوگ اس لئے مطمئن ہو گئے ہیں کہ انہیں ان لوگوں پر اعتماد ہے لیکن کیا انہوں نے ہماری تلاش ترک کر دی ہو گی؟"

"تم گواسکر کی بات کر رہے ہو؟"

"ہاں۔ ان کے پاس جدید اور تیز رفتار لانچیں ہیں۔ کیا جنگل کے علاوہ وہ سمندر کی نگرانی نہ کر رہے ہوں گے؟"

"اس بات کا پورا پورا امکان ہے۔"

"اس کے لئے کوئی بندوبست کیا ہے؟"

"ہاں۔ ہمیں مقامی لوگوں کی شکل میں سفر کرنا ہو گا۔ آج ہمارا میک اپ ہو جائے گا۔ سارے انتظامات کے بعد ہی روانہ ہوں گے۔ دوبارہ تو ان لوگوں کے چنگل میں نہیں پھنسنا ہے۔"

دوپہر کے بعد یہ کام بھی ہو گیا۔ مخصوص طرز کی داڑھیاں اور مونچھیں ہمارے چہروں پر چپک گئیں۔ ایک خاص روغن چہرے پر مل کر رنگت بھی بدل دی گئی۔ مقامی لباس پہننے پڑے تھے پھر ہم اس بڑی بادبانی کشتی پر پہنچ گئے جو ایک چھوٹا موٹا جہاز تھی۔ چار بادبان اس پر لگے ہوئے تھے۔ غلاموں کے لئے الگ جگہ مخصوص تھی۔ یہ غلام ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑ کر کشتی پر پہنچائے گئے۔ ان میں چار یمنی باشندے تھے۔ پانچ مصری اور دو کا تعلق ایشیا سے تھا۔ شاید ہندوستان کے رہنے والے تھے۔ بری حالت تھی بے چاروں کی' زندگی ان پر کٹھن تھی' بیڑیوں کے لوہے سے ان کے جسموں پر زخم پڑ چکے تھے اور وہ شدید اذیت کا شکار تھے۔ چار ملاح ہمارے ساتھ تھے اور باقی پانچ افراد ہم تھے۔ وصول شدہ رقم ہمیں ان ملاحوں کے حوالے ہی کرنی تھی۔ بڑی الجھی ہوئی کیفیت تھی۔ مجھے اب بھی اللہ دین کی بات کا یقین نہیں تھا۔ یقیناً وہ کسی جگہ جھوٹ بول رہا تھا لیکن سچ کو تلاش کرنے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا اس لئے خاموشی بہتر تھی۔ ہمارے پاس دو بندوقیں تھیں۔ مزید دو رائفلیں ہمارے حوالے کر دی گئیں اور ان کے ساتھ ہی تھوڑا سا میگزین بھی۔ میں نے ساحل سمندر پر بن سالک کو دیکھا۔ ایک طویل القامت عرب تھا۔ چہرے سے خشونت ٹپکتی تھی لیکن لہجہ بے حد نرم تھا...... اللہ دین نے میرا اس سے تعارف کرایا اور اس نے بڑی گرم جوشی سے مجھ سے مصافحہ کیا۔ گلاب اور دوسرے دو آدمیوں کو پس منظر میں ہی رہنے دیا گیا تھا۔ اگر اللہ دین میرے خلاف کوئی چال بھی چل رہا تھا تو وہ بہت گہری تھی اور مجھ پر اس کا اظہار کسی طور نہ ہونے دینا چاہتا تھا۔ میں تو اب انسانوں کی طرف سے تقریباً مایوس ہی

ہو گیا تھا۔ ہر شخص کے لئے میرے دل میں شک و شبہہ موجود تھا۔ اس لئے اللہ دین پر بھی میں کوئی بھروسہ نہیں کر سکتا تھا اور مستعد تھا کہ جب بھی میرے خلاف کوئی سازش ہو تو اس سے نمٹنے کے لئے مجھے کوئی دقت نہ ہو۔

غلاموں کو کشتی میں پہنچا دیا گیا۔ کھانے پینے کا سامان بھی وافر مقدار میں ساتھ کر دیا گیا تھا' پینے کے پانی کے ڈرم ایک طرف رکھ دیئے گئے تھے۔ چاروں ملاح بادبان کھولنے لگے' گویا اب ہم سفر کے لئے بالکل تیار تھے۔ ہماری شکلیں بدل چکی تھیں اور گلاب مجھے اس شکل میں دیکھ کر بار بار مسکرانے لگتا تھا۔ معصوم سا آدمی تھا۔ گو اس دوران اس سے کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ ان بے چاروں نے خود کو ہمارے رحم و کرم پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ یہ بھی نہیں پوچھا تھا انہوں نے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ وہ تو صرف یہاں سے نکل جانے کی خوشی میں مست تھے۔

بالآخر بادبان کھول دیئے گئے اور ساحل پر کھڑے ہوئے لوگوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر ہمیں الوداع کہا۔ اللہ دین کی کیفیت یہاں سربراہ کی سی تھی۔ چاروں ملاح بھی اس کے احکامات کی پابندی کر رہے تھے۔ اللہ دین رائفل ہاتھ میں لئے دونوں کندھوں پر کارتوسوں کی پٹیاں لگائے کشتی کے ایک بلند و بالا حصے پر کھڑا ہوا چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ میں گلاب اور اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ موجود تھا۔ اس دوران میں میری ان سے کوئی بات چیت نہ ہوئی تھی۔ بس میں خاموشی سے کشتی کے دونوں سمت دور دور تک سمندر کو دیکھ رہا تھا۔ بادبانوں میں ہوا بھر چکی تھی۔ اور کشتی کی رفتار خاصی تیز ہو گئی تھی۔ ملاح تجربہ کار تھے اور اس رفتار کو مناسب طریقے سے کنٹرول کر رہے تھے۔ انہوں نے جو سمت اختیار کی تھی' وہ جزیرہ بادیان کی طرف جاتی تھی اور وہ اپنی اس رفتار سے مطمئن تھے۔ ہم سمندر میں سفر کرتے رہے۔ اس وقت شام کا جھٹپٹا ہو چکا تھا۔ جب ہم نے سفر کا آغاز کیا تھا' تھوڑی ہی دیر کے بعد رات ہو گئی اور سمندر کو تاریکیوں نے گھیر لیا۔ میں خاموشی سے ایک بادبان کے مستول سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور سمندر کو دیکھتا رہا۔ بادبانی کشتی سے سفر کا یہ پہلا موقع تھا زندگی میں۔ بے چارے غلام گردنیں جھکائے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں زندگی کی کوئی رمق نہیں تھی' وہ اپنے مقدر سے قطعاً مایوس ہو چکے تھے اور یہ یقین کر چکے تھے کہ اب زندگی میں ان کے لئے کوئی کشش نہیں رہ گئی ہے۔ لیکن میری سینے میں آگ سلگ رہی تھی انسانیت سے محبت کرنا میں کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ ہرچند کہ اس دنیا نے مجھے ٹھوکروں کے سوا کچھ نہیں دیا تھا اور ان ٹھوکروں سے میرے اندر بھی یہ فطرت پیدا ہو جانا چاہئے تھی کہ میں کسی بھی انسان سے محبت نہ کروں کوئی کسی کے لئے زندگی نہیں تج دیتا۔ اپنے بارے میں سوچنا زیادہ بہتر ہوتا ہے' اپنی زندگی کو سکون مل جائے تو اس کا مقصد ہے کہ ہم نے سب کچھ پا لیا لیکن انسانیت اس بات کی نفی کرتی ہے' دل کے انتہائی گوشوں

میں محبت کی ایک شمع ہمیشہ روشن رہتی ہے اور اگر اس شمع کو بھڑکنے کا موقع مل جائے تو انسان پارس بن جاتا ہے۔

میں حالات سے مایوس تھا' میری جو کیفیت تھی اس کا آپ ہی بہتر اندازہ کر سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود فطرت انسانی میں کچھ ایسی خوبیاں ہوتی ہیں کہ وہ کسی طور اسے نہیں مرنے دیتیں شاید اسی جذبے پر دنیا قائم ہے ورنہ یہ دنیا کبھی کی تباہ ہو گئی ہوتی' کوئی کسی کا ہمدرد اور غمگسار نہ ہوتا' سب اپنے اپنے مصائب میں الجھ کر ایک دوسرے کی محبتوں کو بھول جاتے اور دنیا کی تباہی نزدیک سے نزدیک تر آتی چلی جاتی' بے شک انسانی جذبے کافی حد تک فنا ہو چکے ہیں لیکن قدرت زندہ ہے' خدا انسان کو محبتوں کا پیغامبر بنا کر بھیجتا ہے دنیا کی مصیبتوں میں پھنس کر وہ کچھ سے کچھ بن جاتا ہے لیکن خدا کی جلائی ہوئی شمع کبھی نہیں بجھتی' یہ میرا ایمان ہے' دلوں کی تاریکیوں میں یہ شمع ہمیشہ روشن رہتی ہے۔

سمندر کا ہولناک سفر جاری تھا' نہ جانے کتنا وقت بیت گیا' اللہ دین ابھی تک جاگ رہا تھا' اس نے اپنی رائفل رکھ دی تھی اور اب ایک جگہ بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا' تھوڑی دیر کے بعد کھانے کی تقسیم کا مسئلہ پیش آیا اس سلسلے میں گلاب اور اس کے دو ساتھیوں کو کام کرنا پڑا تھا' ایک ملاح بھی ہمارے ساتھ شریک تھا جس کا نام نفاض تھا' تھوڑی دیر کے بعد کھانا تقسیم ہو گیا' غلاموں کی طرف توجہ بھی نہیں دی گئی تھی' میں نے اللہ دین سے اس بارے میں پوچھا تو وہ ہنس پڑا۔

"دیکھو دوست ہمدردی کا جذبہ ابھی تمہارے سینے میں زندہ ہے اور یہ حماقت کی بات ہے پہلے اس جذبے سے خود کو آزاد کرو' اس کے بعد دوسری بات ہو گی۔"

"میں کسی خاص جذبے کے تحت یہ بات نہیں کہہ رہا' اللہ دین! لیکن ان لوگوں کو زندہ رکھنے کے لئے تھوڑی بہت خوراک دینا تو ضروری ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں ہم لوگ کھا پی لیں' پھر دیکھا جائے گا' ان کے ساتھ جو سلوک ہوتا رہا ہے وہی جاری رہنا چاہیئے' ورنہ یہ لوگ خود سر ہو جاتے ہیں۔" اللہ دین نے جواب دیا۔

میں چند ساعت تو خاموش رہا' پھر میں نے مسکراتے ہوئے اللہ دین سے کہا۔ "اللہ دین ابھی تم نے ہمدردی کے جذبے کے بارے میں بات کی تھی..... میرا خیال ہے یہ جذبہ تو تمہارے دل میں بھی موجود ہے۔"

"شاید ایسا ہو' میں نے خود اس کا کبھی اندازہ نہیں کیا' تم نے یہ اندازہ کیسے کیا؟" اس نے کہا۔

"تم اپنے ساتھ ان تینوں کو بھی آزاد کرا کے لائے ہو۔" میں نے گلاب اور اس کے دونوں ساتھیوں کی جانب اشارہ کیا اور اللہ دین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں ان کی آزادی میری ضرورت تھی۔ ان کی مدد کے بغیر میں خود بھی آزاد

سکتا تھا' بس ان کا ساتھ مجھے اسی حد تک عزیز تھا' اس کے علاوہ میرے دل میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔"

"میرے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"تمہارے لئے بھی میرے دل میں کوئی جگہ نہیں ہے میرے دوست! بس مجھے تمہاری قوت اور ذہانت کا قائل ہونا پڑا ہے' دو طاقت ور اور ذہین آدمی جب یکجا ہو جاتے ہیں تو گیارہ ہو جاتے ہیں' ممکن ہی میں تنہا کسی مصیبت کا شکار ہو جاؤں' تمہاری شمولیت مجھے سہارا دے سکتی ہے' تم سے میرا مفاد وابستہ ہے اور مجھ سے تمہارا۔ یہی ایک جذبہ ہے جو مجھے تمہیں دوست کہنے پر مجبور کر رہا ہے۔"

"میں اس صاف گوئی کی دل سے قدر کرتا ہوں۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ میں اسے غلط فہمی کے آخری کونے تک لے جانے کا خواہش مند تھا اور چاہتا تھا کہ اس کے دل میں میرے لئے کوئی بھی شبہ پیدا نہ ہو۔ وہ میرے ان الفاظ سے خوش ہوا تھا اور اس نے کہا۔

"میں تمہیں ایک اور بات بھی بتاؤں گا لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے۔"

"کیا۔" میں نے سوال کیا۔

"جذباتی ہونے کی کوشش مت کرنا۔"

"نہیں اللہ دین' تمہارے قرب اور حالات کی گردشوں نے مجھے جذباتیت سے دور کر دیا ہے۔"

"یہ عمدہ بات ہے' یہ کیفیت انسان کو کامیابیوں سے ہمکنار کرتی ہے۔ ٹھیک ہے ہم پہلے کھانا کھا لیں پھر بات کریں گے۔" اللہ دین بولا۔

اچھے خاصے لوازمات موجود تھے' خاصا مناسب بندوبست کیا تھا۔ کے گارو نے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے غلاموں کو کھانا تقسیم کیا.....اور اس کے بعد سب آرام کرنے لگے۔ گلاب اور اس کے دونوں ساتھی دوسری جانب تھے لیکن غلاموں کی کیفیت سے وہ بھی سہمے سہمے تھے۔ انہیں صحیح صورت حال کا اندازہ نہیں تھا' تھوڑی دیر کے بعد گلاب نے میرے کان میں کہا.....

"منصور اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"رہائی حاصل ہو چکی ہے گلاب' دیکھنا یہ ہے کہ تقدیر ہمیں کہاں لے جاتی ہے۔"

"مگر یہ کون لوگ ہیں جنہیں جانوروں کی طرح باندھ دیا گیا ہے۔"

"قیدی ہیں یہ' انہیں ایک مخصوص مقام تک پہنچانا ہے۔"

"ہم کیوں پہنچا رہے ہیں؟"

"یہ ہماری ذمے داری ہے۔"

"مجھے انہیں دیکھ کر ترس آ رہا ہے۔"

"خاموش رہو گلاب ورنہ مصیبتوں کا شکار ہو جاؤ گے۔ میں نے کسی قدر لہجے میں کہا۔ "اور میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ جو کچھ ہو رہا ہے تم خود بھی اسے خام سے دیکھتے رہو اور اپنے ان دونوں ساتھیوں کو بھی ہدایت کر دو کہ کسی مسئلے میں کچھ بولیں۔"

"مگر ایسی کیا بات ہے' تم کس سے خوفزدہ ہو۔"

"حالات سے' وقت سے' بس اس سے زیادہ میں ابھی تمہیں کچھ نہیں بتا سک گا۔"

"تعجب کی بات ہے۔" گلاب گردن ہلا کر خاموش ہو گیا رات کو غلاموں کے کی طرف سے ایک آواز ابھری۔ "ہمیں سردی لگ رہی ہے' اوڑھنے کے لئے کوئی چیز د دو۔"

"کوئی چیز نہیں ہے اوڑھنے کے لئے' خاموش بیٹھے رہو۔" اللہ دین کی آواز ابھ اور میرا دل تڑپ کر رہ گیا۔

خاصی رات گئے تک ہم لوگ جاگتے رہے اور کشتی کے مختلف حصوں میں گھ پھر کر حالات کا جائزہ لیتے رہے' غلام بے چارے اب خاموشی سے گھٹنوں میں گردنیں چھپائے بیٹھے ہوئے تھے' لیٹنے کی کوشش اس لئے نہیں کی تھی کہ لیٹنے سے سردی زیادہ لگ لگتی ہے' میں نے اللہ دین سے پوچھا۔

"کیا خیال ہے' اللہ دین کیا بتایا ہے' ان ملاحوں نے جزیرہ بادیان تک کا سفر ک طویل ہو گا۔"

"اگر کوئی موٹر لانچ ہوتی تو شاید یہ سفر ہم صبح سے شام تک طے کر لیتے لیکن بادبا کشتی کی رفتار موٹر لانچ کی بہ نسبت چوتھائی بھی نہیں ہوتی' یہ بس ہواؤں کے دوش پر چل ہے اگر ہواؤں کا رخ بدل گیا تو بادبانوں کا رخ بھی بدل دیا جائے گا لیکن اس کی رفتار بے حا سست ہو جائے گی' ملاحوں کا خیال ہے کہ کم از کم دو دن اور دو راتوں کا سفر ہو گا۔"

"اوہ خاصا طویل سفر ہے۔"

"ہاں بادبانی کشتی کی وجہ سے۔ موٹر لانچ کا یہ لوگ کوئی بندوبست نہیں کر سکے شاید۔" اللہ دین نے جواب دیا پھر بولا۔ "لیکن سمندری سفر خاصا دلکش ہوتا ہے' مجھے تو بہت لطف آ رہا ہے تمہاری کیا کیفیت ہے؟"

"بس میرے ذہن میں تو صرف ایک خیال ہے کہ کہیں وہ کم بخت ادھر نہ آ نکلیں۔"

"دیکھا جائے گا' اب خطرے کے احساس سے کونوں میں منہ چھپائے بیٹھنے سے کیا

فائدہ........."

"ہاں یہ بھی درست ہے۔"

"لیکن اس کے باوجود میری رائے ہے کہ ہم میں سے ایک آدمی ضرور جاگتا رہے یعنی میں یا تم۔ ہم دونوں ہی حالات پر صحیح نگاہ رکھ سکتے ہیں باقی لوگ تو ناکارہ ہیں۔"

"ٹھیک ہے تم اگر چاہو تو سو جاؤ' جس وقت کہو میں تمہیں جگا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے پھر میں سونے جا رہا ہوں' تم مجھے پانچ بجے کے قریب جگا دینا۔" اللہ دین نے کہا اور سونے کے لئے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں اس بلند جگہ پر آ بیٹھا' میری نگاہیں دور دور تک سمندر کا طواف کر رہی تھیں کہیں پر روشنی کی رمق تک نہیں تھی' پھر بھی میرا دل ڈر رہا تھا کہ کہیں کوئی موٹر لانچ ادھر نہ آ نکلے۔ ہم لوگ شدید خطرے میں پھنس سکتے تھے' میں نے گلاب یا اس کے ساتھیوں کو بھی اپنے نزدیک بلانے کی کوشش نہیں کی وہ تینوں بھی گہری نیند سو رہے تھے' البتہ دو ملاح جاگ رہے تھے دو سو گئے تھے لیکن میرا ان سے کوئی تعارف نہیں تھا اس لئے اپنے طور پر وہ لوگ ایک کونے میں خاموش بیٹھے تھے' ان کی نگاہیں بھی سمندر میں بھٹک رہی تھیں اور وہ بادبانوں کا رخ بھی سنبھالے ہوئے تھے۔ میرا ذہن تیز رفتاری سے کام کر رہا تھا' دو دن اور دو راتوں کا مطلب یہ ہے کہ کل کا دن میرے پاس موجود ہے اور کل کی رات میری اپنی کارروائی کے لئے مناسب تھی اور یہ کارروائی ابھی میرے ذہن میں محفوظ تھی' میں تہیہ کر چکا تھا کہ کسی بھی قیمت پر ان غلاموں کو جزیرہ بادیان پر نہیں جانے دوں گا' خواہ اس کوشش میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے' میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ان لوگوں کو بچانے کے لئے میں جس حد تک کارروائی کر سکتا ہوں ضرور کروں گا یہی تصور میرے ذہن میں تھا کہ اگر ایک ہی شیطان سے دنیا کو پاک کر دیا جائے تو کم از کم اپنا فرض تو پورا ہو جاتا ہے۔ رات کے غالباً تیسرے پہر جب وہ دونوں ملاح جاگ گئے جو اول وقت میں سو گئے تھے اور دوسرے ملاح ان کی جگہ سونے کے لئے لیٹ گئے تو میں نے بھی اللہ دین کو جگا دیا' وہ خوش دلی سے اٹھ گیا تھا' آنکھیں ملتے ہوئے اس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر مجھ سے بولا۔

"ٹھیک ہے اب تم سو جاؤ' بالکل آرام سے سوتے رہو' جب بھی آنکھ کھلے جاگ جانا۔" اور میں اس کا شکریہ ادا کر کے سونے لیٹ گیا اور پھر خاصے دن چڑھے ہی آنکھ کھلی تھی اور وہ بھی اس وقت جب اللہ دین نے ہی مجھے جگایا تھا۔

"اٹھو یار ناشتہ کر لو' خاصا دن چڑھ چکا ہے۔" اس نے کہا اور میں جاگ گیا۔ میں نے منہ ہاتھ وغیرہ دھویا اور پھر ناشتہ کرنے کی لئے چل پڑا۔ میری نگاہ غلاموں کی طرف اٹھ گئی تھی' وہ بے چارے اس وقت اپنے جسموں کو دراز کر کے دھوپ سینک رہے تھے رات بھر کی سردی نے شاید انہیں سونے نہیں دیا تھا' ان کی آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں اور

چہرے لٹکے ہوئے تھے۔

"ناشتہ دے دیا ان لوگوں کو؟" میں نے اللہ دین سے سوال کیا۔

"ہاں انہیں ناشتہ دے دیا گیا ہے' ہم سب بھی ناشتہ کر چکے ہیں' میرا خیال ہے صرف تم باقی رہ گئے ہو' جاؤ ناشتہ کر لو۔" اور میں ناشتہ کرنے چلا گیا' ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد میں بھی اللہ دین کے پاس بیٹھ کر دھوپ سینکنے لگا' رات کو واقعی سردی اچھی خاصی ہو گئی تھی لیکن اس وقت موسم تبدیل ہو گیا تھا' سمندر پر سکون تھا' دور دور تک کسی جہاز یا کشتی کا نشان نہیں تھا' چنانچہ ہم لوگ پر سکون انداز میں سفر کر رہے تھے۔

"میرا خیال ہے اب ہم ان کی رینج سے نکل گئے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں۔" میں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"اور سمندر میں ان کا گشت بھی مؤثر نہیں تھا' ورنہ وہ ضرور ہمیں دیکھ لیتے' بہرصورت یہ سارے تقدیر کے کرشمے ہیں' تقدیر ہمیں کچھ دینے پر تلی ہوئی ہے تو کیوں نہ کچھ حاصل کیا جائے........ کیا خیال ہے؟"

"بالکل درست۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ پورا دن گزر گیا شام ہو گئی اور کوئی واقعہ پیش نہیں آیا' جوں جوں شام ہوتی جا رہی تھی' غلاموں کے چہروں پر مظلومیت کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے' غالباً رات کی سردی کے احساس نے انہیں پریشان کر رکھا تھا لیکن میں ان مظلوموں کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا اس وقت اللہ دین ایک مستول سے ٹیک لگائے کھڑا' ہاتھ میں پکڑے ہوئے چابیوں کے ایک گچھے کو اچھال رہا تھا کہ میں نے اس سے کہا۔

"اللہ دین اگر ان غلاموں کی لئے اوڑھنے کا کوئی بندوبست ہو جاتا تو بہتر تھا' کوئی ایسی ترکیب نہیں ہو سکتی کہ یہاں جو بے کار چیزیں پڑی ہیں' میرا مطلب ہے کپڑا وغیرہ انہیں دے دیا جائے۔"

"مگر اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔" اللہ دین نے کہا۔

"ہے اللہ دین' تم خود غور کرو' اگر سردی سے ان میں سے کوئی اکڑ کر مر گیا تو کیا ہمارا نقصان نہیں ہو گا۔"

"اوہ ہاں اس پہلو پر تو میں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔"

"میرا مقصد یہی ہے ورنہ ان سالوں سے کسے دلچسپی ہو سکتی ہے۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"تو ٹھیک ہے جو کچھ مل سکتا ہے ان کے حوالے کر دو۔" اللہ دین نے کہا اور میں نے خوش دلی سے وہ سارا بے کار کپڑا جو کینوس کے تھیلوں اور ترپالوں کی شکل میں تھا غلاموں کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے جس تشکر بھرے انداز میں مجھے دیکھا تھا اسے میں آج

ہی فراموش نہیں کر سکا۔ لیکن میں آج کی رات کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ چنانچہ میں واپس اللہ دین کے پاس آ گیا اللہ دین کسی خیال میں ڈوبا ہوا تھا' مجھے دیکھ کر چونک سا پڑا۔

"ہو گیا کام۔" اس نے پوچھا اور میں نے گردن ہلا دی۔ اس کے انداز میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "ایک بات کہوں منصور وعدہ کرو کہ غیر جذباتی ہو کر بات کرو گے۔ اگر تم مجھ سے متفق نہ ہوئے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنا ارادہ ملتوی کر دوں گا۔"

"کہو کیا بات ہے اللہ دین۔" میں تعجب سے بولا۔

"گلاب اور ان دونوں آدمیوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو ہمارے ساتھ ہیں۔" اس نے پوچھا اور میں تعجب بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر میں نے تعجب سے کہا۔

"میں سمجھا نہیں اللہ دین۔"

"بے کار لوگ ہیں یہ۔ یہاں سے نکل جانے کے بعد یہ نوکری ہی کریں گے کسی نہ کسی کی ان کی تقدیر میں غلامی ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔"

"تو پھر انہیں بھی انہی لوگوں میں کیوں نہ شامل کریں منصور۔ پچھتر ہزار روپے جو ہمارے اپنے ہوں گے۔ آدھے آدھے۔ کیا خیال ہے تم وعدہ کر چکے ہو کے غیر جذباتی ہو کر سوچو گے۔" اللہ دین نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور میں نے بڑی چابک دستی سے خود کو سنبھال لیا۔ ایک اور ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ مجھے لیکن میری کیفیت اب کافی بدل چکی تھی۔ میں خود کو سنبھالنے کا فن سیکھ چکا تھا۔ چنانچہ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ تمہارے ساتھی ہیں اللہ دین۔ تم خود ہی ان کے بارے میں فیصلہ کر سکتے ہو۔ میں اس بارے میں کیا رائے دوں۔"

"تمہیں اعتراض تو نہیں ہو گا؟"

"قطعاً نہیں۔ تمہارے کسی معاملے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور اللہ دین نے گرمجوشی سے میرا بازو دباتے ہوئے کہا۔

"تم واقعی کام کے آدمی ہو منصور۔ انسان کو اتنا ہی غیر جذباتی ہونا چاہیے میں نے پہلے ان کے لئے انتظام کر لیا تھا اور تین فالتو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں لایا تھا۔ تم آرام سے بیٹھو میں ابھی یہ کام کر لیتا ہوں۔ یہ چاروں ملاح میری مدد کریں گے انہیں بھی ہدایت مل چکی ہے۔" اللہ دین نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ گلاب اور اس کے دونوں ساتھی سو رہے تھے اور میں ایک علیحدہ گوشے میں کھڑا ہو گیا۔ اللہ دین نے ملاحوں سے کچھ کہا اور وہ تیار ہو گئے اور اس کے بعد وہ تینوں سوئے ہوئے آدمیوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ آن کی آن میں

انہیں قید کر لیا گیا۔ وہ بے چارے اس قدر بدحواس ہو گئے تھے کہ ان کی آواز تک نہ نکل سکی۔

اللہ دین کے ہونٹوں پر سفاک مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔" چلو انہیں بھی غلاموں کے ساتھ باندھ دو۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"استاد۔ استاد اللہ دین یہ۔ یہ کیا ہے۔ ہمیں۔ ہمیں کیوں؟" گلاب نے کہا اور اللہ دین قہقہے لگانے لگا۔

"یہ استاد کی استادی ہے بیٹو۔ تمہارا کیا اچار ڈالنا ہے مجھے؟ اب تمہارے بھی دا کھرے ہوں گے۔ چلو۔ ادھر چلو۔" اس نے ہنٹر گھمایا اور شڑاک شڑاک کئی ہنٹر ان پر جڑ دیئے۔ ان کے حلق سے کراہیں نکل گئی تھیں۔ چاروناچار وہ بھی غلاموں کے درمیان جا بیٹھ گئے اللہ دین ان سے نہ جانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔ میں نہ سن سکا میرے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ ابھی تو جزیرہ دور تھا۔ ممکن ہے ابھی ایک ہتھکڑی اور بھی ہو اس کے پاس میرے لئے........ اللہ دین واپس آ گیا۔ وہ بہت خوش تھا۔" بس میرا یہی خیال تھا کہیں اعتراض نہ کرو۔ مگر تم عمدہ آدمی ہو منصور۔ یوں لگتا ہے جیسے ہماری تمہاری خوب نبھے گی۔ کیا خیال ہے پہلے تم سوؤ گے یا میں سو جاؤں۔"

"مجھے نیند نہیں آ رہی۔ تم آرام کرو۔" میں نے کہا اور اس نے چابک میری طرف اچھال دیا۔ میں نے اسے اچک لیا تھا پھر اس نے ترنگ میں چابیوں کا گچھا بھی تھما دیا۔

"انہیں بھی سنبھالو یہ ان سب کی چابیاں ہیں۔ میں چلا۔" وہ پلٹ کر آرام کرنے کی جگہ چل دیا۔ میری نگاہیں تشکر کے انداز میں آسمان کی طرف اٹھ گئی تھیں۔

خداوند۔ یہ بھی تیرا کرم ہے۔ میں ان چابیوں کے لئے پریشان تھا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا۔ میرا دل مسرت سے کپکپا رہا تھا ابھی تھوڑی دیر کے بعد اس کشتی پر ہنگامہ ہونے والا تھا۔"

میں انتظار کرتا رہا۔ آسمان پر مدھم مدھم ستارے ٹمٹما رہے تھے میں خاموشی سے آسمان کو دیکھتا رہا۔ پھر دو ملاح بھی سو گئے۔ اور اس بلند جگہ جا بیٹھا جہاں سے دور دور تک نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔ جاگنے والے دونوں ملاحوں نے ہوا پیما سے ہواؤں کے رخ کا اندازہ کیا اور بادبان کی سمت درست کر کے پھر اپنی جگہ جا بیٹھے۔ میں نے کشتی میں ایک گشت کیا اور پھر خاموشی سے اس جگہ پہنچ گیا جہاں اسلحہ موجود تھا۔ میں نے انتہائی خاموشی سے بھری ہوئی رائفلیں خالی کر دیں اور انہیں ان کی جگہ رکھ دیا تاکہ کسی کو شبہ بھی نہ ہو سکے اور انہیں فوری طور پر استعمال بھی نہ کیا جا سکے۔ ان سارے کاموں سے فارغ ہو کر ایک بار پھر میں اپنی جگہ آ گیا۔ دونوں ملاح جاگ رہے تھے۔ اور مستعد تھے اگر انہیں مجھ پر اعتماد نہ ہوتا تو میری نقل و حرکت انہیں مشکوک بھی کر سکتی تھی۔

تقریباً بیس منٹ تک میں اپنی جگہ بیٹھا رہا - اور پھر چابک ہلاتا ہوا غلاموں کی طرف چل پڑا۔ میرا دل شدت سے دھڑک رہا تھا.........

چور نگاہوں سے میں ان دونوں ملاحوں کو بھی دیکھتا جا رہا تھا جو اپنے کام سے مطمئن ہو کر سکون سے بیٹھ گئے تھے۔ میری نقل و حرکت پر انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی تھی چنانچہ میں غلاموں کے پاس پہنچ گیا۔ دوسرے غلام تو میری مہربانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بوسیدہ ترپالوں میں منہ چھپائے لیٹے تھے لیکن گلاب اور اس کے دونوں ساتھی اس آفت ناگہانی سے آزردہ سہمے سمٹے بیٹھے تھے۔ میرے قدموں کی آہٹ پر گلاب نے گردن اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر گردن جھکالی۔

"گلاب۔" میں نے سرگوشی کی اور وہ چونک کر دوبارہ مجھے دیکھنے لگا۔ چند لمحات دیکھتا رہا پھر اس کی سسکیاں ابھرنے لگیں۔ وہ رونے لگا۔

"منصور۔ منصور۔ تم نے۔ تم نے بھی دھوکا دیا۔ تم نے بھی میرے دل میں تو تمہاری بہت عزت تھی۔ ہم تو دوست تھے آپس میں۔ تم کو کیا ہو گیا منصور..........."

"مجھ سے پہلے تو اللہ دین تمہارا دوست تھا گلاب۔ ان دونوں کا دوست تھا۔ ان سے پوچھو اسے کیا ہوا۔" میں نے کہا۔

"وہ ہمارا دوست نہیں تھا۔ ہم تو اسے استاد کہتے تھے۔ اس نے اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے ہمیں فرار کی راہ دکھائی تھی۔ اس سے زیادہ اسے ہم سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہم سب بے پڑھے لکھے ہیں منصور۔ زمانے کے مکروفریب کو زیادہ نہیں سمجھتے۔ بس جو ہماری انگلی پکڑتا ہے ہم اس کے ساتھ چل پڑتے ہیں۔ اس نے بھی ہماری انگلی پکڑی تو ہم اس کے ساتھ چل پڑے۔ ہماری عقل ہمارا ساتھ نہیں دیتی۔ ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔"

"تمہیں معلوم ہے گلاب جب تم نے اسے میرے بارے میں بتایا تھا تو اس نے رات کو مجھے خنجر سے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"ہماری مدد کرو منصور۔ خدا کے لئے ہماری مدد کرو۔" گلاب بلک بلک کر رونے لگا۔ اس کی آواز بلند ہوئی تو میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"او بے وقوف۔ آواز بلند مت کرو۔ یہ لو چابیوں کا گچھا۔ ان میں تمہاری ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کی چابیاں موجود ہیں۔ ایک دوسرے کی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں کھول دو اور تیار ہو کر میرے پاس آ جاؤ۔" میں نے چابیوں کا گچھا گلاب کو دے دیا۔

لیکن دوسرے لمحے گلاب کے ایک ساتھی کے حلق سے خوف بھری آواز نکل گئی تھی۔ وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے میرے عقب میں دیکھ رہا تھا۔ میں سانپ کی طرح پلٹا۔ اللہ دین میرے سر پر موجود تھا۔ اس کے ہاتھوں میں رائفل دبی ہوئی تھی جس کا رخ میری

جانب تھا۔

"کیا کر رہے ہو یہاں؟" اس نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"تمہارا لہجہ کیسا ہے اللہ دین۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"غم گساری کر رہے ہو ان کی۔ دوستی کا اظہار کر رہے ہو۔ چالبازی، فریب اور وہ بھی مجھ سے؟"

"تم خود کو بہت بڑی چیز سمجھتے ہو اللہ دین؟" میں پرسکون لہجے میں بولا۔

"میں پوچھتا ہوں اس وقت تم یہاں کیوں آئے۔ اس جگہ تمہاری موجودگی کا مقصد کیا ہے؟"

میں کھڑا ہو گیا۔ چمڑے کا ہنٹر میرے ہاتھ میں موجود تھا۔ میں نے اسے کھول لیا۔

"میں اس کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا اور تم خود کو سنبھالو اللہ دین۔ تمہارے ہاتھ میں دبی ہوئی رائفل کا رخ میری جانب ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"اس سے نکلنے والی گولی بھی تمہارے ہی سینے کے پار ہو گی۔"

"سوچ لو اللہ دین۔" میں نے کہا۔

"مجھے تم پر شبہ ہو گیا ہے منصور اور جن لوگوں پر مجھے شبہ ہو جاتا ہے میں انہیں زندہ نہیں چھوڑتا۔ تم پہلے بھی میری نگاہ میں خطرناک تھے لیکن میں نے تمہیں زندگی کے کچھ اور لمحات دے دیئے تھے۔ جزیرہ بادبان پر مجھے ایک آدمی کی ضرورت تھی جو میرے مفاد کے لئے کام کرے اور کام کی تکمیل کے بعد تمہارا کیا خیال تھا کیا میں تمہیں آدھی دولت دیتا۔ نہیں منصور نہیں۔ میں خاموشی سے تمہیں ٹھکانے لگا دیتا اور شاید تم بھی یہی سوچ رہے تھے لیکن فیصلہ وقت سے کچھ پہلے ہو گیا۔ تم مناسب وقت کا انتظار نہ کر سکے۔" اللہ دین نے کہا۔

"تمہاری زندگی کے بھی کچھ لمحات باقی تھے اللہ دین لیکن افسوس تم نے بھی وقت سے پہلے موت کو آواز دے دی۔" یہ کہتے ہوئے میں نے چابک گھمایا۔ اللہ دین نے اندھا دھند فائر کر دیا لیکن اسے شدید مایوسی ہوئی۔ رائفل سے ٹرچ کی آواز نکل کر رہ گئی۔ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں رائفل کو دیکھا اس کا گھوڑا چڑھا کر دوبارہ فائر کیا لیکن اس بار بھی وہی ہوا۔ وہ بلبلا کر رہ گیا۔ میرے ہاتھ میں دبے ہوئے ہنٹر نے اس کی کھال ادھیڑ دی تھی۔ اس نے رائفل کو نال کی طرف سے پکڑا اور مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن میرا دوسرا ہنٹر اس کے شانوں پر پڑا اور اس کے حلق سے چیخیں نکل گئیں۔

میں گلاب وغیرہ کے پاس سے ہٹ آیا۔ تاکہ اگر انہیں عقل آ جائے تو پھرتی سے اپنی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کھول کر میری مدد کے لئے تیار ہو جائیں، اللہ دین سے تو خیر مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا، میں اس سے باآسانی نمٹ سکتا تھا لیکن ملاحوں کا معاملہ خطرناک تھا، وہ یقینی

طور پر اللہ دین کی مدد ہی کریں گے۔ بات ذرا وقت سے پہلے نازک مرحلے پر آ گئی تھی، اگر گلاب اور اس کے ساتھی ہی آزاد ہو جاتے تو پھر اس جنگ میں کوئی مشکل نہیں تھی، وہ ملاحوں کو سنبھال لیتے لیکن کم بخت اللہ دین ہماری سرگوشیوں سے جاگ گیا تھا ویسے بھی وہ شاطر آدمی تھا، اس سے کسی حماقت کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی البتہ رائفلیں کارتوسوں سے خالی کر کے میں نے عقل مندی کی تھی۔ یہی بات اس وقت میری بچت کا باعث بن گئی تھی۔ اللہ دین دہاڑتا جا رہا تھا اور رائفل کے بٹ سے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کے سارے وار میں نے خالی دیئے البتہ میرے ہنٹر نے اس کے بدن کی کھال کو جگہ جگہ سے ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔

پھر وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا، سونے والے ملاح بھی جاگ گئے اور وہ دونوں بھی چونک کر ہماری طرف دوڑے، جو رات کی ڈیوٹی انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے غلام باڑے کی طرف دیکھا اور مخمصے میں پھنس گئے۔ غالباً ان لوگوں کو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ ہم دونوں میں سے کس کی مدد کریں۔ فوری حادثہ ہوا تھا، اس لئے وہ یہ فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔

میں اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا، میری خواہش تھی کہ میں اللہ دین کو ناکارہ کر دوں اور اس کے بعد اگر یہ ملاح مجھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کریں تو پھر ان کی خبر لوں لیکن ملاحوں کو ہوش آ گیا، اللہ دین نے انہیں آوازیں بھی دی تھیں اور اپنی مدد کے لئے بھی کہا تھا، چنانچہ وہ میری طرف دوڑے اور میں نے ان کا استقبال بھی ہنٹر سے کیا لیکن میرے ہنٹر کا ایک سرا ایک ملاح کی گرفت میں آ گیا۔ اس نے پھرتی سے اسے اپنے بازو پر لپیٹ لیا اور زور دے کر اس نے مجھے جھٹکا دیا، ہنٹر تو میرے ہاتھ سے نہیں چھوٹ سکا تھا البتہ اس جھٹکے سے میں کئی قدم دوڑتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ صورت حال کا مجھے اندازہ تھا، چنانچہ اب میرا اپنے اصلی رنگ میں آنا ضروری تھا، ملاح کے قریب پہنچ کر میں نے سر کی ٹکر اس کے منہ پر ماری اور اس کے ناک پر شدید چوٹ لگی۔ وہ ایک خوفناک غراہٹ کے ساتھ الٹ گیا، ہنٹر چونکہ اس کے بازو سے بندھا ہوا تھا اس لئے وہ میرے ہاتھ میں نہ رہ سکا۔ ہنٹر میرے ہاتھ سے نکلتے ہی اللہ دین نے اپنی چوٹوں کو بھول کر، بندوق کے دستے سے بھرپور وار کیا تھا لیکن میرے اندر اب وہ جنون ابھر آیا تھا جو میری شخصیت کے انتہائی گوشوں میں پوشیدہ رہتا تھا، اب میں زندگی اور موت کی جنگ کے لئے تیار ہو گیا تھا کیونکہ تنہا ہی ان پانچوں سے مقابلہ کرنا تھا۔ میں نے اپنا پاؤں سیدھا کیا اور اس کے تلوے پر بندوق کے دستے کا یہ وار روکا۔ دوسرے لمحے میں نے گھوم کر اپنا مخصوص داؤ ایک ملاح کی گردن پر مارا........ بس دیکھنے کے قابل منظر تھا۔ ملاح اپنی جگہ سے اڑتا ہوا کافی دور جا گرا تھا۔ دوسرے دونوں ملاحوں نے عقب سے میری گردن میں قینچی ڈالنے کی کوشش کی لیکن انہیں

بھی چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ میرا ایک پاؤں پھر گھوما اوران میں سے ایک کی پسلی پر پڑا' دوسرے کو پکڑ کر میں نے سامنے کیا اور ایک بھرپور ہاتھ اس کے نرخرے پر مارا تو وہ ہچکی سی لے کر پیچھے ہٹ گیا لیکن اس بدنصیب کی شامت ہی آ گئی تھی۔ اللہ دین نے اپنا واحد ہتھیار یعنی وہ رائفل ایک بار پھر گھمائی اور چوٹ کھانے والا ملاح اس کی زد میں آ گیا۔ اس کے سر کے چیتھڑے اڑ گئے کھوپڑی پھٹ گئی اور وہ بھیانک چیخ مار کر نیچے گرا۔ بس یہیں سے پانسہ پلٹ گیا۔ ملاحوں نے دیکھ لیا تھا کہ ان کا ساتھی اللہ دین کے ہاتھوں مارا گیا ہے چنانچہ وہ تینوں غراتے ہوئے اللہ دین پر جھپٹے اور اللہ دین بوکھلا گیا۔

"وہ.........وہ دشمن وہ ہے۔" وہ چیخا لیکن تینوں ملاح اس سے چمٹ گئے اور اسے مار مار کر ادھ موا کر دیا پھر انہوں نے ہاتھ اور پاؤں پکڑ کر اسے اٹھا لیا۔

"رک جاؤ۔ آہ رک جاؤ۔ ہمارا دشمن وہ ہے وہ.........وہ او او۔" اللہ دین کی آخری چیخ بے حد بھیانک تھی۔ ملاحوں نے اسے پانی میں اچھال دیا تھا لیکن اب ان پر جنون طاری ہو گیا تھا۔ تینوں زخمی تھے اور پاگل ہو گئے تھے۔ وہ خونی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے میری طرف لپکے لیکن میں تیار تھا۔ جونہی وہ میرے قریب پہنچے' میں نے ان کی دھنائی شروع کر دی۔ پستول' رائفل اور خنجر کی لڑائی سے تو وہ بخوبی واقف ہوں گے لیکن یہ لڑائی ان کی سمجھ میں نہ آنے والی تھی۔ وہ گدھوں کی طرح پٹ رہے تھے چیخ رہے تھے۔ مار کھا کر پہلے سے زیادہ طوفانی انداز میں مجھ پر جھپٹتے تھے اور پہلے سے زیادہ چوٹ کھا کر دور جا پڑتے تھے۔ انہوں نے خنجر بھی نکال لیے تھے لیکن میں نے کسی کو قریب ہی نہ پہنچنے دیا۔ وہ فن خنجر بازی سے واقف تھے۔ پینترے بدل بدل کر حملہ آور ہوتے تھے لیکن ان کے ہاتھ خلا ہی میں رہ جاتے اور میرا پاؤں یا ہاتھ کام کر جاتا۔ مجھے گلاب اور اس کے ساتھیوں پر بھی ہنسی آ رہی تھی۔ بے وقوفوں نے مروا ہی دیا تھا حالانکہ احمقوں کی طرح منہ پھاڑے بیٹھے رہنے سے بہتر یہ تھا کہ ہتکڑیاں کھول کر میری مدد کو آتے۔ لیکن وہ ہتھکڑیاں بھی نہ کھول سکے تھے۔ سوئے ہوئے غلام بھی اٹھ کر بیٹھ گئے تھے اور آنکھیں پھاڑے اس جنگ کو دیکھ رہے تھے جس کا اب خاتمہ قریب تھا۔ ملاح نڈھال ہو گئے تھے اور اب وہ ادھر ادھر جھول رہے تھے۔ میں نے جھک کر ہنٹر اٹھا لیا اور وہ سمٹ گئے۔ دو تین ہنٹر میں نے ان پر برسائے تو وہ چیختے ہوئے ادھر ادھر دوڑنے لگے اور پھر ایک کونے میں بیٹھ کر کتوں کی طرح ہانپنے لگے۔ اب ان میں کھڑے ہونے کی سکت بھی نہیں رہ گئی تھی۔

"گلاب۔" میں نے پیار بھرے انداز میں گلاب کو آواز دی اور وہ چونک پڑا۔

"ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔" وہ کپکپاتی آواز میں بولا۔

"ہتھکڑیاں کھول لیں؟"

"نن نہیں۔ چابی نہیں مل رہی۔"

"اوہ۔ اچھا۔ کوئی بات نہیں۔ میں تمہاری مدد کرتا ہوں۔" ——— میں نے کہا اور گلاب کے پاس پہنچ گیا۔ چابیوں کا گچھا اس کے ہاتھ سے لے کر میں نے مختلف چابیاں اس کی ہتھکڑی میں ٹرائی کیں اور بالآخر اس کے ہاتھ کھل گئے یہی چابی اس کی بیڑی میں بھی لگی تھی اور وہ آزاد ہو گیا۔ "اب تم اسی طرح ان دونوں کی چابیاں بھی تلاش کرو۔" وہ ان دونوں کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کھولنے لگا۔ اسی وقت ایک غلام نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہماری تقدیر میں اب بھی وہی رو سیاہی ہے دلیر! یا تمہارے سینے میں ہمارے لئے بھی رحم پیدا ہو سکتا ہے؟" میں نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"میں نے تم سب کے لئے ہی تو جد و جہد کی ہے دوستو۔ اس کے لئے میں نے تمہارے ایک ساتھی کے بدن پر ہنٹر مارا تھا جس کا مجھے بہت دکھ ہے لیکن یہ میری مجبوری تھی۔ مجھے معاف کر دینا۔"

"تو کیا۔ تو کیا تم۔ تم ہمیں آزاد کر دو گے؟" اس نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"تم آزاد ہو۔ گلاب ان سب کی ہتھکڑیاں کھول دو؟" میں نے کہا اور غلام پاگلوں کی طرح چیخنے لگے۔ ان کی مسرت بھری آوازیں کان پھاڑے دے رہی تھیں۔ وہ شدت خوشی سے دیوانے ہو گئے تھے۔ ایک ایک کر کے وہ آزاد ہوتے جا رہے تھے اور اس طرح خود کو دیکھ رہے تھے جیسے انہیں اب بھی اپنے آپ پر یقین نہ آ رہا ہو۔ ان میں سے چند میرے قریب آ گئے اور مجھ سے لپٹ کر دہاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ میں نے بھی انہیں لپٹا لیا۔ بڑی دیر تک یہ ہنگامہ جاری رہا پھر میں ان سے علیحدہ ہو گیا لیکن اسی وقت ایک ناخوشگوار بات ہو گئی۔ کونے میں بیٹھے ملاح حسد سے پھنک رہے تھے ان میں سے ایک نے میرے اوپر ایک خنجر پھینک مارا جو میری ران کو زخمی کرتا ہوا دوسری طرف جا پڑا۔

میں ٹھٹک گیا تھا لیکن ملاحوں کی یہ حرکت آزاد ہونے والے غلاموں نے دیکھ لی اور اس کے بعد میں بھی انہیں نہ روک سکا' وہ وحشیانہ انداز میں چیختے ہوئے ملاحوں پر جھپٹ پڑے تھے' سارے کے سارے ان پر گتھ گئے۔ گھونسے اور لاتیں مار مار کر انہوں نے ملاحوں کی ہڈیاں توڑ دی تھیں پھر انہوں نے ان کے لباس کھینچ کر اتار لئے اور بے حجاب کر دیا اور اس کے بعد میرے منع کرنے کے باوجود انہوں نے تینوں ملاحوں کو اٹھا کر پانی میں پھینک دیا۔

نیچے سمندر میں ہلچل پیدا ہو گئی تھی' میں لنگڑاتا ہوا آگے بڑھا اور کشتی کے کنارے پہنچ گیا۔ تب میں نے پہلی بار بلکہ زندگی میں پہلی بار خونخوار مچھلیوں کو دیکھا' جنہوں نے ملاحوں پر حملہ کر دیا تھا' گوشت خور مچھلیاں ملاحوں کو جگہ جگہ سے کاٹ رہی تھیں۔ ملاح چیخ رہے تھے' ان کے ہاتھ پاؤں پانی پر ابھر رہے تھے' آن کی آن میں مچھلیاں انہیں لے کر تہہ میں بیٹھ گئیں چند لمحات کے بعد سمندر کی سطح حسب معمول پر سکون ہو گئی۔ گلاب کا ایک

ساتھی جلدی سے میرے پاس پہنچ گیا اور اس نے......اپنے لباس سے ایک پٹی پھاڑ کر میرے زخم پر کس کر باندھ دی جس سے خون بہہ رہا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اس کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔

"تمہارا شکریہ دوست۔" میں نے کہا اور اس نے محبت سے میری گردن میں ہاتھ ڈال دیا۔

"نہیں منصور صاحب' آپ ہمارا شکریہ ادا کر رہے ہیں۔ آپ ــــ آپ جس نے زندگی کی انتہائی مایوسیوں میں ہمیں نئی زندگی دی ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہے میرے دوست' یہ میرا فرض تھا۔" میں نے کہا اور وہاں سے ہٹ آیا۔

وحشی غلاموں نے اس ملاح کو بھی اٹھا کر پانی میں پھینک دیا تھا' جو اللہ دین کے وار سے زخمی ہو کر مر گیا تھا' عقل کا کام انہوں نے یہ کیا تھا کہ اس ملاح کا لباس بھی اتار لیا تھا۔ انہیں خود بھی کپڑوں کی ضرورت تھی تینوں ملاحوں کا لباس انہوں نے آپس میں تقسیم کر لیا تھا اور جتنا کپڑا جس کے حصے میں آیا' اس نے اسے اپنے برہنہ بدن کے گرد لپیٹ لیا ان کے اوپری بدن ننگے تھے اور وہ مختصر لباس پہنے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں حکم دیا کہ کشتی میں کپڑے قسم کی جو بھی چیز ہے وہ اسے جس طرح چاہیں استعمال کر سکتے ہیں' چادریں کچھ بستر اور چند ایسی ہی دوسری چیزیں تھیں جنہیں انہوں نے جس طرح بھی ممکن ہوا اپنے بدن کے گرد لپیٹ لیا اور اس طرح تقریباً سب ہی کے بدن ڈھک گئے۔ میں نے ان سے پرسکون رہنے کے لئے کہا اور میری ایک آواز پر وہ خاموش ہو گئے۔ گلاب اور اس کے ساتھی بھی ان کے قریب ہی کھڑے ہوئے تھے۔ تب میں نے ان سے پوچھا۔

"تم میں سے کسی کو کشتی رانی سے کوئی واقفیت ہے؟" سب ہی نے مایوسی سے گردن ہلا دی تھی' میں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا......"کوئی بات نہیں' جس خدائے بزرگ و برتر نے تمہیں اور مجھے آزادی نصیب کی ہے' وہی ہماری زندگیوں کی حفاظت بھی کرے گا۔ بہرصورت میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اب کشتی کا نظام سنبھال لو' ہمیں اس کا رخ بدلنا ہے' یہ جس سمت جا رہی تھی' یقیناً یہ وہی جزیرہ ہو گا جہاں تم سب کو لے جایا جا رہا تھا کیا تمہیں علم ہے کہ وہاں تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونے والا تھا؟

غلاموں نے گردنیں ہلا دیں پھر ان میں سے ایک نے کہا۔"ہاں ہمیں علم ہے کہ ہمیں جزیرہ بادیان پر لے جا کر فروخت کر دیا جاتا اور میں اس کے بعد ہماری ساری زندگی غلامی میں بسر ہوتی۔"

"ٹھیک ہے' میں نہیں چاہتا کہ اب ہم بادیان کی طرف جائیں' ہمیں خدا کے بھروسے پر نئے راستے تلاش کرنے ہوں گے کسی بھی مہذب آبادی میں پہنچ کر انشاء اللہ تعالیٰ

ہم لوگ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے' تم اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ گے اور ہم اپنے گھروں کی طرف لیکن آبادی کی تلاش میں ہمیں کافی جدوجہد کرنی پڑے گی' سمندر ہمارے لئے اجنبی ہے اور یہ معمولی سی کشتی اس کے لئے ناکافی کہ ہمیں کسی دور دراز منزل تک پہنچا دے لیکن ہمیں عزم و ہمت سے کام لینا ہو گا۔ منزل کی تلاش میں ہم سب آخری حد تک جدوجہد کریں گے تم بھی اس کے لئے کمربستہ ہو جاؤ۔"

"ہم سب اس کے لئے تیار ہیں۔" غلاموں نے جواب دیا اور میں مطمئن ہو گیا۔ میں نے ان سے کہا "میں ایک جگہ بیٹھ جاتا ہوں کیونکہ اب میرے پاؤں میں خاصی تکلیف ہو گئی ہے' تم لوگ بادبانوں کا رخ بدلنے کی کوشش کرو اور کشتی کا رخ موڑ دو۔"

غلام اپنے اپنے طور پر اس کام میں مصروف ہو گئے میں اسی بلند جگہ پر پہنچ گیا' جہاں بیٹھ کر میں اور اللہ دین باتیں کیا کرتے تھے۔ میں نے اپنی ہدایات بھی جاری رکھی تھیں اور درحقیقت بادبانوں کے رخ انتہائی آسانی سے پلٹ گئے۔ ان کی گلیاں موڑ دی گئیں اور اس طرح کشتی کا رخ بدل گیا جس سے ہم بے حد مسرور اور مطمئن تھے۔

رات تیزی سے گزرتی جا رہی تھی اور پھر صبح کی آمد ہو گئی۔ روشنی سمندر کے پانی سے برآمد ہونے لگی۔ تاحد نگاہ نیلگوں سمندر پھیلا ہو تھا اور یہ صبح بہت ہی حسین اور خوش گوار تھی۔ نہ صرف میرے لئے بلکہ ان بے چاروں کے لئے بھی جو زندگی سے مایوس ہو چکے تھے اور جنہیں اپنی زندگی پر اپنا حق بھی نہیں رہا تھا' سب کے سب مجھ پر جان نچھاور کرنے کے لئے تیار تھے' انہیں میرے زخم کے بارے میں بھی تشویش تھی' حالانکہ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا۔ اگر خنجر ران میں پیوست ہو جاتا تو یقینی طور پر تکلیف زیادہ ہوتی' تھوڑا سا گوشت کٹا تھا' کیونکہ خنجر گوشت سے رگڑ کھاتا ہوا نکلا تھا' میرے لاکھ منع کرنے کے باوجود انہوں نے صبح کو میرے زخم کو صاف کر کے اس پر نئی پٹی باندھ دی' میں مسکراتا رہا تھا پھر میں نے ان سے کہا۔

"دیکھو گلاب اور میرے ساتھیو۔ میں تمہارا لیڈر بننے کا شوق نہیں رکھتا' بس ہماری ایک ہی خواہش ہے کہ ہم اپنی اپنی منزل پر پہنچ کر اپنے گھروں میں پہنچ جائیں' چنانچہ ہمیں پوری مستعدی سے کام کرنا ہو گا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور وہ تمام مشورے تمہیں دوں گا جو ہمارے حق میں بہتر ثابت ہوں گے۔"

"ہم آپ کے غلام ہیں منصور بھائی' ہمیں آپ کی ہدایات مان کر دلی مسرت ہو گی۔" غلاموں میں سے ایک نے کہا اور میں نے مسکرا کر اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

"نہیں کوئی میرا غلام نہیں ہے۔ ہم سب آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔"

ماحول بے حد خوش گوار ہو گیا تھا۔ ناشتے کا بندوبست کیا گیا' کھانے پینے کی کافی چیزیں موجود تھیں اور ہمیں بظاہر کوئی تکلیف نہیں تھی' سوائے اس کے کہ ہماری کشتی کوئی

صحیح راہ پالے اور ہمیں کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

بحر بیکراں تاحد نگاہ پھیلا ہوا تھا۔ سمندر میں بگولے سے اٹھتے نظر آتے تھے نیلگوں بگولے جنہیں دیکھ کر دل پر وحشت سی طاری ہونے لگتی تھی لیکن ہم نہایت عزم و ہمت سے منزل تلاش کر رہے تھے۔ سمتوں کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ کشتی بس ہواؤں کے رخ پر جدھر بھی جا رہی تھی' ادھر بڑھتی رہتی تھی' ہم یہ فیصلہ بھی نہیں کر سکتے تھے کہ کشتی کو کس جانب لے جائیں بہرطور میرے دل میں خدشات موجود تھے' سمندر کی زندگی کا مجھے بھی کوئی تجربہ نہیں تھا اور باقی سب لوگ بھی اناڑی تھے' ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو اس سفر کے سلسلے میں کوئی رائے دے سکتا۔ پہلا دن نہایت خوش گوار رہا' رات بھی پرسکون گزری ہم میں سے چند لوگ جاگتے رہے تھے' گرفتار شدہ غلام بیچارے زندگی کی آس میں مطمئن اور مسرور تھے لیکن میرے ذہن میں بار بار یہ خدشات جاگ اٹھتے تھے کہ اگر ہمیں طویل عرصے تک کوئی ساحل نہ ملا تو کیا ہو گا۔ یہ خوراک کب تک ہمارا ساتھ دے سکتی ہے اور یہ کمزور کشتی جو بادبانوں کے سہارے چل رہی ہے ہمیں سنبھال سکتی ہے یا نہیں' ابھی تک کوئی خوفناک بات نہیں ہوئی تھی' سمندری طوفان نہیں آئے تھے لیکن سمندر میں رہ کر طوفان سے دور رہنا بھی تو ممکن نہیں تھا۔ رات کو سردی کچھ اور بڑھ گئی' شاید یہ اس سمت کا کرشمہ تھا جس طرف ہم بڑھ رہے تھے' سردی سے ہمارے بدن اینٹھنے لگے اور پھر جب صبح ہوئی تو سورج کی تیزی بھی اتنی ہی شدید تھی جتنی کہ رات کی سردی' یہ چیز باعث تکلیف تھی بہرصورت تین یا چار دن تک ہم بڑے صبر و سکون سے سفر کرتے رہے' اس کے بعد تشویش کا پیدا ہو جانا لازمی امر تھا۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی سمندر ہی سمندر تھا۔ خشکی کا کوئی نشان نہیں ملتا تھا۔ ہماری آنکھیں بے نام سے نقطے تلاش کرتی تھیں جنہیں ہم خشکی تصور کر سکتے تھے لیکن یہ نقطے بھی یہاں مفقود تھے' کوئی ایسا نشان نہیں ملتا تھا جس سے ہمیں خشکی کا کوئی اندازہ ہوتا۔ سورج نکلتا اور غروب ہو جاتا ہم نے کشتی کے تعاقب میں شارک مچھلیوں کو دیکھا۔ یہ مچھلیاں غول کے غول کی شکل میں بعض اوقات کشتی کے چاروں طرف پہنچ جاتیں' اچھلتیں اور کشتی سے ٹکرا کر واپس گر جاتیں' ان کے بھیانک دانت کھلے ہوتے اور ہمیں انہیں دیکھ کر شدید خوف محسوس ہوتا تھا' لمبے لمبے چپو کشتی میں رکھے ہوئے تھے' ابھی تک ان کے استعمال کی کوئی ضرورت نہیں پڑی تھی لیکن میں نے سوچا کہ کشتی میں ان مچھلیوں سے بچاؤ کا بندوبست بھی ہونا چاہیے۔ رائفلیں لوڈ کر لی گئیں اور میں نے ان میں سے چند لوگوں کا انتخاب کر لیا جو رائفل چلانا جانتے تھے' یہ رائفلیں ہمیں فی الحال ان مچھلیوں کے خلاف ہی استعمال کرنی تھیں لیکن ابھی تک کوئی ایسی صورت حال پیش نہیں آئی تھی کہ ہم ان مچھلیوں پر فائرنگ کرتے البتہ بھری ہوئی رائفلیں ہمیشہ تیار رہتی تھیں۔ کھانا پینا بھی بہت کم ہو گیا تھا۔ یوں بھی ہم خوراک احتیاط سے استعمال کر رہے تھے' تمام کے تمام

لوگ صورت حال سے واقف تھے لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ وہ سب ایک دوسرے کے ہمدرد اور غم گسار تھے۔ جن حالات سے گزر کر انہیں آزادی نصیب ہوئی تھی اس کے تحت یہ آزادی ان کی زندگی کے لئے بے حد قیمتی تھی وہ سب ایک دوسرے کے بھرپور ساتھی تھے۔ ابھی تک کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ ہم سب صحت مند تھے۔ لیکن یوں محسوس ہوتا تھا کہ اگر یہ شدید سردی اور شدید گرمی یونہی جاری رہی تو ہمارے بدن اسے برداشت کرنے کی قوت سے محروم ہو جائیں گے۔ جس طرح رات کو سردی سے بچنے کے لئے ہمارے پاس کوئی مناسب بندوبست نہیں تھا۔ اسی طرح دھوپ سے بچاؤ کا سامان بھی ہمارے پاس نہیں تھا، سورج جب مشرق سے نکلتا تو رات بھر کے ٹھٹھرے ہوئے جسموں میں جان سی پڑ جاتی' مگر جونہی وہ نصف النہار پر آتا۔ دھوپ کی شدت ناقابل برداشت ہو جاتی اور ہمیں یوں محسوس ہاتا جیسے ہم آگ پر سینکے جا رہے ہوں۔ ہمارے چہروں کے رنگ بھی بدلنے لگے تھے۔ ہم نے وقت اور دنوں کا تعین بھی چھوڑ دیا تھا ہماری یاس بھری نگاہیں آسمان اور سمندر کے سنگم پر لگی رہتی تھیں جہاں ہمیں کسی جزیرے کا گمان ہوتا تھا' ہم کسی نامعلوم جزیرے کی تلاش میں سرگرداں تھے جس کا بظاہر کوئی وجود نہیں تھا۔

سفر کے اٹھارہویں دن شدید بارش شروع ہو گئی' اس بارش سے ہماری تکلیفوں میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ بارش اتنی شدید تھی کہ محسوس ہوتا تھا' تھوڑی دیر کے بعد ساری کشتی پانی سے لبریز ہو جائے گی اور پھر سمندر میں بیٹھ جائے گی۔ ہم نے اپنے سامان سے برتن نکالے اور انہیں لے کر تمام لوگ بارش کا پانی نکال نکال کر باہر پھینکنے لگے' بارش کی وجہ سے موسم دن میں بھی سرد ہو گیا اور ہمارے بدن جو اب موسم کی سختیوں کے عادی ہو گئے تھے' اچھی خاصی ٹھنڈک محسوس کر رہی تھے لیکن ہم سب اپنے کام میں مصروف تھے اور بارش کے پانی کو کشتی میں جمع نہیں ہونے دے رہے تھے۔ بارش سارا دن اور ساری رات ہوتی رہی اور ہم اس تمام وقت میں پانی نکالنے میں مصروف رہے۔ ہمارے بدن تھکن سے شل ہو چکے تھے پھر دوسری صبح ایک اور مصیبت آئی' تیز ہوائیں چلنے لگیں اور سمندر میں مدوجزر کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ہم اب جان کنی کے عالم میں تھے' سمندر میں طوفانی لہریں مسلسل اٹھ رہی تھیں اور کشتی کسی حقیر کھلونے کی مانند ادھر ادھر ڈولتی پھر رہی تھی' ہم سب بری طرح ہانپنے لگے تھے' اب اس کشتی کو سنبھالنا ہمارے بس کی بات نہیں تھی اور اس وقت جب ایک بادبان کا مستول ٹوٹ کر نیچے گرا تو ہمارے چہروں پر مایوسی چھا گئی' مستول درمیان سے ٹوٹ گیا تھا لیکن کوئی زخمی نہیں ہوا تھا' بادبان نیچے آ پڑا تھا۔ ابھی تین بادبان ہواؤں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اگر ہم میں سے کوئی بھی کشتی راں ہوتا اور بحری سفر سے واقف ہوتا تو پھر پہلا کام یہ کرتے..... کہ ان بادبانوں کو لپیٹ دیتے' طوفانی ہواؤں کی وجہ سے کشتی کسی وقت بھی الٹ سکتی تھی لیکن ہمیں اتنی تمیز ہی نہیں تھی کہ ہم بادبانوں کو لپیٹ

لیتے، کشتی برق رفتاری سے کبھی ادھر جاتی اور کبھی ادھر' بالآخر پھر دوسرا مستول ٹوٹا اور پھر تیسرا۔ اب کشتی میں افراتفری کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی' ہمیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اب ہماری زندگی کا آخری وقت آ گیا ہو' اٹھارہ دن کی صعوبتیں کم نہیں تھیں' ان صعوبتوں نے ہمیں جسمانی طور پر بالکل توڑ دیا تھا اور اب یہ طوفان رہی سہی کسر پوری کر رہا تھا۔ شام کے وقت ہوا کا رخ یکایک تبدیل ہونا شروع ہو گیا اور دیو پیکر موجوں کا شور آہستہ آہستہ کم ہونے لگا' کشتی اب ہچکولے کھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی لیکن رات کے آخر پہر ہماری دوربین نگاہوں نے کچھ یوں محسوس کیا جیسے سمندر میں کوئی لکیر ابھر رہی ہو۔ یہ لکیر میں نے بھی دیکھی تھی لیکن گلاب اور یمنی نے اس کی تصدیق کر دی' وہ بے ساختہ چیخا۔

"شاید خشکی...... خشکی......" ہم سب آنکھیں پھاڑنے لگے لیکن اندھیرا اس تیزی سے مسلط ہو رہا تھا کہ چند ہی ساعت کے بعد ہماری بصارت نے کام کرنا بند کر دیا۔ تاہم خشکی کے تصور ہی سے ہمارے جسموں میں نئی زندگی دوڑ گئی تھی۔ میں نے پہلی بار اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔

"کشتی کا رخ اس طرف موڑ دو جدھر ہم نے وہ لکیر دیکھی ہے۔" کوشش کر کے کشتی کا رخ بدلا گیا۔ ہوائیں ہمیں اس سمت لے جانے لگیں جدھر ہم نے وہ لکیر دیکھی تھی۔ چپو صرف چھ تھے' چھ جوانوں نے انہیں دونوں سمتوں سے سنبھال لیا اور تیز رفتاری سے کشتی کھینے لگے۔ کشتی مسلسل مناسب رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی لیکن ذرا سی دیر میں وہ سب کے سب تھک گئے' ان کے بازو شل ہو گئے تھے' میں ان کا جائزہ لے رہا تھا۔ تب میں نے انہیں تبدیل کر کے دوسرے لوگوں کو اس کام پر مامور کیا۔ میں خود بھی ایک چپو سنبھال کر بیٹھ گیا تھا لیکن ہم میں سے کوئی بھی اس سلسلے میں مشاق نہیں تھا' یونہی بس الٹے سیدھے ہاتھ مار رہے تھے' چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد میں نے ان لوگوں کو کشتی کھینے سے منع کر دیا۔ خواہ مخواہ قوت ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا' وہ بے چارے سب کے سب میرے احکامات کی تعمیل کر رہے تھے' میں ایک اناڑی کمانڈر تھا جو اس وقت ان لوگوں پر مسلط تھا لیکن کسی کی پیشانی پر کوئی شکن نہیں تھی۔ بادبان دو رہ گئے تھے اس لئے کشتی زیادہ تیز رفتاری سے آگے نہیں بڑھ رہی تھی تاہم ہم دیر تک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جزیرے کو تلاش کرتے رہے۔ جب آدھی رات گزری تو آسمان صاف ہو گیا اور ہمیں ستاروں کی روشنی میں وہ سیاہ لکیر صاف نظر آنے لگی۔ اس لکیر کو دیکھ دیکھ کر ہماری ہمت بڑھ رہی تھی پھر جب سمندر کے مشرقی کنارے سے سورج نے اپنا چمک دار چہرہ نکالا تو ہمارے دل خوشی سے اچھل پڑے۔ جزیرہ اب ہم سے زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا اور کشتی اسی جانب تیر رہی تھی۔ جوں جوں ہم جزیرے کے قریب پہنچتے جا رہے تھے ہماری خوشیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا لیکن جب ہم جزیرے کے بہت قریب پہنچے تو یہ دیکھ کر ہم پر ہیبت طاری ہو گئی کہ اس

کے گرد بہت بڑی بڑی چٹانیں کھڑی ہوئی تھیں اور وہاں اونچی اونچی شوریدہ سر لہریں اٹھ رہی تھیں' جو ان چٹانوں سے ٹکراتیں تو ایک مہیب شور پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر کشتی ان موجوں کی لپیٹ میں آ کر چٹانوں سے ٹکرا گئی تو یقیناً اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے چنانچہ میں نے فوری طور پر ایک فیصلہ کیا اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ کہ کشتی کا رخ فوراً تبدیل کیا جائے۔ اب جزیرہ تو قریب آ ہی گیا ہے۔ اگر ہم تھوڑی سی محنت کر لیں تو کوئی مناسب جگہ تلاش کر سکتے ہیں۔ میرے ساتھیوں نے میرے حکم کی تعمیل کی' ایک بار پھر چپو سنبھالے گئے' بادبانوں کے رخ تبدیل کیے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد کشتی کا رخ بدل گیا۔ وہ جزیرے کے کنارے کنارے چل پڑی تھی۔ ہم بڑی عمدگی سے اسے جزیرے کی دوسری سمت لے جا رہے تھے' تھوڑی ہی دیر کے بعد ہمیں یہ چٹانیں نیچی ہوتی نظر آئیں اور اس کے بعد ہمیں ایک ایسی جگہ نظر آ گئی جہاں ہم کوشش کر کے کشتی کو لے جا سکتے تھے۔ تب ہی گلاب نے ایک اور پیش کش کی۔

"کیوں نہ ہم جزیرے تک تیر کر پہنچیں' کشتی کی رفتار کو ہم قابو میں نہ رکھ سکیں گے۔"

"میرا خیال ہے کچھ اور آگے بڑھ چلیں گلاب' ممکن ہے ہمیں کوئی مناسب جگہ مل ہی جائے لیکن اچھے خاصے سفر کے باوجود ہمیں ایسی کوئی جگہ نہ مل سکی جو مسطح ہوتی اور جہاں ہم باآسانی کشتی کو لے جا سکتے۔ کشتی اب جزیرے سے بالکل قریب قریب تیر رہی تھی۔ گو لہریں اسے اونچا نیچا کر رہی تھیں اور کسی بھی لمحے خطرہ پیش آ سکتا تھا کہ کشتی الٹ جائے لیکن ہم اپنے طور پر کوشش کر رہے تھے کہ ایسا نہ ہونے پائے پھر میرے ہی ذہن میں یہ خیال آیا کہ بادبان اب اتار دیئے جائیں' چنانچہ میں نے خنجر اٹھا کر بادبانوں کی رسیاں کاٹ ڈالیں۔ بادبان سمٹ جانے سے کشتی بہت سبک رو ہو گئی تھی۔ یوں بھی ساحل کے قریب بادبانوں کا استعمال بے حد خطرناک ہو سکتا تھا۔ بہر صورت ہم نے آہستہ آہستہ اسے ساحل سے لگا دیا۔ ہمیں چٹانوں پر سے گزرنا تھا جن کے نیچے پانی بھرا ہوا تھا۔ ویران چٹانوں کے درمیان ریتلی زمین پھیلی ہوئی تھی' یوں لگتا تھا جیسے جزیرے پر سبزے کا نام و نشان نہ ہو۔ بس چاروں طرف برہنہ اور بدصورت چٹانیں سینہ تانے کھڑی تھیں' جن کا رنگ ہزار ہا سال کی گردش لیل و نہار کے باعث گہرا سیاہ پڑ چکا تھا اور جنہیں دیکھ کر ہیبت طاری ہوتی تھی لیکن خشکی کا تصور ہی ہمارے لئے روح پرور تھا' یہاں ہم آزاد انسانوں کی مانند اپنے لئے زندگی تلاش کر سکتے تھے۔ سب کے ذہنوں میں یہی خیال تھا' چنانچہ چٹانوں کی ہیبت ناکی ہمیں زیادہ متاثر نہ کر سکی اور ہم ریتلی زمین پر پہنچ گئے۔ چٹانوں کے اس جانب کا منظر اب ہمارے سامنے تھا۔ ویسے چٹانوں کا یہ رقبہ بہت کم تھا' ہمیں ان کے درمیان سے گزر کر دوسری سمت پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہ لگے' البتہ دوسری طرف کا منظر۔ بے حد بھیانک

تھا۔ ہم تو ان چٹانوں کو ہی خوفناک سمجھ رہے تھے لیکن دوسری طرف ایک عجیب ویران اور ہولناک منظر پھیلا ہوا تھا' چٹانوں کے دوسری جانب ڈھلان کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو نجانے کہاں تک چلا تھا۔ اس ڈھلان میں ایک کھاڑی نظر آ رہی تھی جو کافی طویل تھی اور ہمیں اس کا سرا نظر نہیں آ رہا تھا۔ کھاڑی سمندری پانی سے بھری ہوئی تھی اور اس میں بھی چھوٹی چھوٹی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ کنارے پر نرسلوں کے جھنڈ اگے ہوئے تھے' جو دماغ کو پھاڑ دینے والی سڑاند پھیلا رہے تھے۔

اس مقام کی ہولناک ویرانی اور دہشت ناک منظر دیکھ کر ہماری ہڈیوں میں دہشت کی لہریں دوڑنے لگیں' ان دلدلوں کے درمیان سفر کرنا تو ایک طرف رہا' انہیں دیکھتے ہی ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ عجیب وحشت ناک ماحول تھا۔ چھوٹے چھوٹے آبی پرندے نرسلوں پر بیٹھ کر کالی دلدلوں میں اپنی غذا تلاش کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ اور کسی جاندار کا وجود نہیں تھا۔

میں نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے دوسروں کی جانب دیکھا اور سب کی نگاہوں میں مایوسی ہی پائی۔ تب میں نے آہستہ سے کہا۔

"دیکھو دوستو۔ اب تک تقدیر نے ہماری بھرپور مدد کی ہے' سمندر کا ہولناک سفر ختم ہو گیا ہے اور قسمت نے ہمیں اس جگہ لا پھینکا ہے' یہ جگہ کیسی ہے' کیا کیا ہے یہاں پر' یہ ہم نہیں جانتے لیکن بہرصورت ہمیں آگے بڑھنا ہے۔ بے شک یہ سفر خوفناک ہو گا لیکن ہم ایسے ہی سخت راستوں سے گزر کر کوئی ایسا راستہ تلاش کرنے میں یقیناً کامیاب ہو جائیں گے جو ہمیں آبادیوں تک پہنچا دے گا' خدا سے دعا مانگو اور اگر خدا کو ہماری زندگی منظور نہیں ہے تو پھر ہمیں اپنی یہ جان اس کے سپرد کرنے میں کیا عار ہو سکتا ہے؟" تمام لوگوں پر میری ان باتوں کا اثر ہوا تھا اور وہ کسی حد تک پر امید نظر آنے لگے تھے پھر گلاب نے کہا.........

"اگر تم حکم دو منصور' تو ہم کشتی میں سے ایسی چیزیں اٹھا لائیں جو کھانے پینے کی ہوں اور آگے ہمارے کام آ سکیں۔"

"نہایت مناسب خیال ہے' افسوس ہمیں پہلے اس کا خیال کیوں نہیں آیا۔" اور گلاب چھ آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر دوبارہ کشتی کی جانب بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سامان سے لدے پھندے واپس آ گئے تھے اور اب ہمیں آگے کا سفر کرنا تھا' ہم حتی الامکان ایسے راستوں کو تلاش کرنے لگے جن میں سختی تھی اور دھنس جانے کا خطرہ نہیں تھا۔ قرب و جوار کے بدبودار کیچڑ میں مگرمچھ اور گھڑیال کروٹیں بدل رہے تھے۔ دو ایک جگہ دریائی گھوڑے بھی اچھلتے کودتے نظر آئے' بگلے کی قسم کے مختلف پرندے شور مچا رہے تھے اور نرسلوں کی جڑوں میں پانی کے گڑھوں کے نزدیک مینڈکوں کی مسلسل ٹرٹراہٹ سنائی دے

ی تھی۔ ہم اس ڈھلان کو طے کرتے رہے اور قدرت ہماری مدد کرتی رہی' بعض اوقات ں جھاڑیوں میں سے بھی گزرنا پڑتا تھا۔ اور وہاں سے گزرتے ہوئے یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا ہمارا اگلا قدم ہمیں کہاں لے جائے گا لیکن ہم موت کی پرواہ کیے بغیر آگے بڑھتے رہے۔ ا وقت صرف خدا کا سہارا تھا' ورنہ موت تو ہر ہر قدم پر موجود تھی' کوئی بھی غلط قدم ں کسی گھڑیال کے منہ تک پہنچا سکتا تھا یا گہری دلدلوں میں غرق کر سکتا تھا لیکن ہم ڈھلان طے کرتے رہے' البتہ ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کھاڑی سے ذرا ہٹ کر آگے بڑھیں گے۔

پورا دن ڈھلانوں کو طے کرتے ہوئے گزر گیا' نرسلوں کے بیچوں بیچ ایک چھوٹا سا دان پھیلا ہوا تھا۔ اس خالی جگہ کو دیکھ کر ہم نے وہاں بیٹھ کر کھانا کھایا اور تھوڑی دیر رام کر کے خود کو پر سکون کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اس کے بعد پھر آگے کا سفر شروع گیا۔ شام کے سائے ہر شے پر طاری ہونے لگے تھے' دلدلوں پر دھند اتر رہی تھی۔ ہوا سلوں میں بھٹکی ہوئی روحوں کی طرح سرگوشیاں کر رہی تھی۔

تمام لوگ جڑ کر چل رہے تھے۔ میں جانتا تھا کہ ان کے دلوں میں خوف ہے۔ ت کا خوف' خوف کی انتہا موت ہی ہوتی ہے۔ اگر موت کا خوف نہ ہو تو خوف کا تصور ہی تم ہو جائے۔ انسان جینا چاہتا ہے۔ ہر حال میں جینا چاہتا ہے۔ کوڑھ سے سڑتے ہوئے بدن نہیں دیکھ کر بھی خوف آتا ہے' زندگی کے آرزو مند ہوتے ہیں۔ وہ شفا چاہتے ہیں تاکہ ندگی میں ان کا بھی بھرپور حصہ ہو لیکن زندگی جیسی حسین شے کے لئے بھی کتنے وسوسے تنے خوف موجود ہیں۔ یہ خوف قدرتی ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے ظاہر ہے وہاں انسان کا الطہ خدا سے ہوتا ہے جو قادر ہے زندگی اور موت پر لیکن انسان کا انسان سے ف.........

سیٹھ جبار جیسے لوگ موت کے اس احساس کو کیوں بھول جاتے ہیں۔ وہ کسی کو ات کے گھاٹ اتارتے ہوئے اپنی موت کو کیوں بھول جاتے ہیں۔ ان کے لئے بھی تو ات ہے۔ وہ یہ تصور کیوں نہیں کر پاتے کہ کوئی ان پر بھی قادر ہے لیکن فرعون کی داستان ئی تو ہے۔ شداد اور نمرود بھی تو تھے جو خدا بن بیٹھے تھے اور اس کے بعد جب خدا نے ان گرفت کی تو.........وہ داستان عبرت چھوڑ گئے۔ ہاں سیٹھ جبار کا انجام بھی ان سے مختلف ہو گا۔

ذہنی رو سیٹھ جبار کی طرف بھٹک گئی۔ پتہ نہیں یہ سب کے سب مجھے بھول گئے یا مئن ہو گئے میری طرف سے۔ کیا ہمارے فرار کی اطلاع ان لوگوں کو ہو گئی ہو گی؟ اب ری تلاش کے لئے انہوں نے کیا کیا ہو گا.........؟

"منصور۔" گلاب کی تھکی تھکی آواز سنائی دی اور میں چونک پڑا۔

"تھک گئے ہیں بری طرح۔ رات بھی ہو گئی ہے اب تو آگے کچھ نہیں نظر آ رہا۔"

"اوہ- ہاں میرا خیال ہے کوئی مناسب جگہ تلاش کر کے آرام کرو- یہیں کیوں رک جائیں-" میں نے کہا اور پھر سامان اتار کر رکھ دیا- کھانے پینے کا بندوبست ہوا اور ا سیدھے کھانے سے فارغ ہو کر ہم آرام کرنے لیٹ گئے- سب کے سب خاموش تھے جانے وہ کس سوچ میں گم تھے-

انسان کا عزم سرگرم تھا ورنہ جن حالات سے گزرے تھے ان کا ہر لمحہ جان لیوا تھ اس سے زیادہ ہولناک جزیرے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا- چاروں طرف گہری تار مسلط تھی اور اس تاریکی میں مینڈکوں کی ٹرٹراہٹ دماغ میں سوراخ کرتی ہوئی محسوس ہو تھی- کھاڑی سے الگ ہٹ جانے کی وجہ سے اس بدبو سے نجات مل گئی تھی جو نرسلوں ا دلدل کی تھی- اس طرف کی زمین ٹھیک تھی اور جس جگہ ہم موجود تھے وہ کسی قدر صاف ستھری تھی-

دفعتاً" ہمارے کانوں میں عجیب سی آوازیں ابھریں' دھماکوں کی آوازیں' یقیناً فائرنگ ہو رہی تھی لیکن آوازیں اتنی ہلکی تھیں جیسے میلوں دور سے آ رہی ہوں-

ہم سب اٹھ کر بیٹھ گئے- دوہری کیفیت طاری تھی' جہاں فائرنگ کی آوازیں تشویش ناک تھیں وہاں یہ احساس بھی دل خوش کن تھا کہ یہاں انسانی آبادی موجود ہے- فائرنگ کافی دیر تک جاری رہی اور پھر خاموشی چھا گئی- ہمارے ہاتھ رائفلوں پر تھے اور کا ہر طرح کی آہٹوں پر لگے ہوئے تھے میں اس دوران فائرنگ کی سمت کا اندازہ بھی لگانے کی کوشش کر رہا تھا اور کسی حد تک اس میں کامیاب ہو گیا تھا- فائرنگ بند ہو جانے کے بعد مکمل خاموشی چھا گئی تھی- ان لوگوں میں سے کسی نے آواز نہ نکالی جب کہ سب جاگ رہے تھے پھر میں نے ہی یہ خاموشی توڑ دی-

"کیا خیال ہے گلاب- تمہیں زندگی کا ثبوت مل گیا؟"

"ہاں- مگر یہ فائرنگ؟"

"دھت تیرے کی- اب اس خوف کا شکار ہو گئے' یار میں کہتا ہوں اتنی معصومیت بھی حماقت ہوتی ہے- اب تم دشمنوں کے درمیان نہیں ہو- آزاد ہو اور تم سب کی اپنی حیثیت ہے- کسی سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ اپنا مقام پہچانو- اگر کوئی تمہاری طرف آنکھیں نکالے تو تم اس کی آنکھیں نکال لینے کی ہمت پیدا کرو- یہ ضروری ہے دوستو-"

"ٹھیک کہتے ہو بھائی-"

"نہ صرف تم بلکہ اپنے ان ساتھیوں میں بھی ہمت پیدا کرو- نہ جانے ہمیں یہاں کیسے لوگوں سے واسطہ پڑے- ان کے سامنے بزدلوں کی طرح نہیں بلکہ بہادروں کی طرح جائیں گے- کیوں دوستو کیا خیال ہے؟" میں نے دوسرے لوگوں سے کہا اور آسان انگریزی

نا اپنا مانی الضمیر انہیں بتایا- سب نے مجھ سے اتفاق کیا تھا- بھمن نامی ایک شخص نے کہا-

"حالات نے ہمارے اعصاب کمزور کر دیئے ہیں منصور' ورنہ ہم اتنے چوہے بھی ہیں ہیں-"

"ہونا بھی نہیں چاہیئے- آنے والے وقت میں ہمیں کافی ہمت سے کام لینا ہو گیا-"

انہیں سمجھاتا رہا لیکن میرا ذہن خود اس فائرنگ میں الجھا ہوا تھا- آہستہ آہستہ وقت گزرتا ان میں سے چند سو گئے تھے لیکن مجھے نیند نہیں آئی- پلکیں جڑ جاتی تھیں اور پھر آنکھ کھل جاتی تھی-

اس وقت سپیدہ سحر نمودار ہو رہا تھا جب میں نے تھوڑے فاصلے پر آہٹیں سنیں ی کی سی سرعت کے ساتھ میں نے ہاتھ بڑھا کر رائفل اٹھائی اور سنبھل کر بیٹھ گیا پھر میں گھوڑے دیکھے- سیاہ رنگ کے قد آور گھوڑے تھے جن پر زینیں کسی ہوئی تھیں لیکن وہ سواروں سے محروم تھے- میں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں لیکن ان دونوں گھوڑوں کے وہ مجھے اور کوئی نظر نہیں آیا تھا-

میں رائفل لے کر ان کی طرف بڑھ گیا- گھوڑے رک گئے تھے لیکن وہ کنوتیاں ل رہے تھے- میں انہیں چمکارتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا اور پھر میں نے اسی طرح انہیں ارتے ہوئے ان کی لگاموں پر ہاتھ ڈال دیا- گھوڑے سدھے ہوئے تھے میں انہیں وہاں لے آیا جہاں یہ سب سو رہے تھے- پھر میں نے انہیں آوازیں دیں اور سب کے سب جاگ گئے- گھوڑے دیکھ کر سبھی حیران ہوئے تھے- مصری نوجوان فواد الکسی نے کہا-

"اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک گھوڑے پر بیٹھ کر قریبی علاقے کا جائزہ لوں گا-"

"ٹھیک ہے- ضرور-" میں نے کہا اور فواد نے ایک گھوڑے کی لگام تھام لی- وہ گھڑ سواری سے واقف معلوم ہوتا تھا- گھوڑے پر سوار ہو کر اس نے قرب و جوار میں دو تین چکر لگائے اور پھر گھوڑے کو سیدھا دوڑاتا چلا گیا- ہم اسے دیکھتے رہے- اس کی رفتار کافی تیز تھی- تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ ڈھلانوں کے سرے پر پہنچا اور پھر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا- میں نے گہری سانس لی اور ان لوگوں کو ناشتے وغیرہ کا بندوبست کرنے کے لئے کہا- فواد ا دور نکل گیا تھا- بعد میں افسوس ہوا کہ میں نے اسے رائفل کیوں نہ دے دی-

ہم سب ناشتہ کرنے لگے- فواد کا ناشتہ محفوظ کر دیا گیا تھا پھر میرے کہنے پر گلاب نے گھوڑے کی پشت سے زین اتاری اور سامان کے بنڈل اس طرح بنائے کہ انہیں گھوڑے کی پشت پر بار کیا جا سکے- فالتو سامان میں نے وہیں پھینکوا دیا- پھینکے ہوئے سامان میں وہ ں بھی تھی جو بن سالک نے فروخت کرنے کے لئے دی تھی- نہ جانے مجھے کیا خیال آیا میں نے وہ چرس اٹھا کر گھوڑے پر بار کر لی اور اس کے بعد ہم اس طرف چل پڑے

جدھر فواد گیا تھا۔ ابھی ہم زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ ہم نے فواد کو آندھی طوفان کی طرح واپس آتے دیکھا۔ ضرور کوئی خاص بات تھی۔ فواد اسی طرح گھوڑے کو دوڑا رہا تھا۔ بالآخر ہمارے قریب پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر جوش کے آثار تھے۔

"آبادی۔ اس طرف آبادی ہے۔ دور دور تک۔ دور تک خیموں کے شہر آباد ہیں اور.........اور ان ڈھلانوں کے۔ اختتام پر۔ سات آٹھ لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ تین بوڑھے' چار جوان' ممکن ہے اور لاشیں بھی ہوں۔ وہاں جھاڑیاں ہیں اور عجیب و غریب جگہ ہے۔ یہ پستول۔ ان لاشوں کے پاس سے اٹھا کر لایا ہوں' میں۔" اس نے ایک جدید ساخت کا پستول میرے سامنے کر دیا۔ میں نے پستول اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ دوسرے گھوڑے کی زین اتار کر باقی سامان اس پر لاد دیا گیا اور اس کے بعد ہم چل پڑے۔ فواد نے بتایا تھا کہ ان ڈھلانوں کے اختتام پر اور ڈھلانیں ہیں اس لئے وہ ہماری نگاہ سے اوجھل ہیں۔ بہرحال ہم چلتے رہے اور کافی دیر کے بعد اس جگہ پہنچے جہاں جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ ان جھاڑیوں کے درمیان لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ سب گولیوں سے ہلاک ہوئے تھے۔ شکلوں سے یوروپین نظر آ رہے تھے۔ کون سے ملک کے باشندے تھے اس بارے میں کوئی اندازہ نہ لگا سکا۔ رات کی فائرنگ یاد آ گئی تھی۔ یقیناً یہ اسی فائرنگ کے شکار تھے مگر کون تھے یہ.........؟

جس جگہ یہ لاشیں پڑی ہوئی تھیں وہاں سے ڈھلان نظر آ رہے تھے لیکن ان اختتام نہیں نظر آ رہا تھا۔ میں جھاڑیوں میں چکراتا رہا اور پھر میں نے ان ڈھلانوں کے اختتام پر وہ آبادی دیکھی اور دفعتاً" میرا دل دھک سے رہ گیا۔ ایک اور خیال نے میرے ذہن میں طوفان برپا کر دیا تھا۔ کہیں یہ جزیرہ بادیان تو نہیں ہے۔ سمندر کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر اس طرف نکل آنا تعجب خیز بات نہیں تھی۔ خیموں کی اس آبادی سے یہی اندازہ ہوتا تھا۔

میں کافی دیر تک اس خیال میں گم کھڑا رہا۔ اگر یہ جزیرہ بادیان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تقدیر نے ایک اور موڑ پر لا کھڑا کیا ہے۔ ان چند لمحات میں میرے ذہن پر نہ جانے کیا گزر گئی۔ وقت یہ تھی کہ میرے ساتھی بہت معصوم تھے اور کسی بھی سلسلے میں ان سے کوئی مدد نہیں لی جا سکتی تھی۔ وہ میرے اشارے پر جان بھی دے سکتے تھے لیکن خود ان کے اندر سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں نہیں تھیں۔

ان لاشوں کا معمہ حل کرنا بھی مشکل تھا لیکن اگر یہ جزیرہ بادیان تھا تو پھر اس میں حیرت کی بات نہیں تھی۔ مجھے تھوڑی بہت معلومات اس سلسلے میں حاصل ہو چکی تھیں اب نہایت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا تھا۔ اس سلسلے میں' میں نے مناسب سمجھا کہ ان لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے۔

"گلاب۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "صورت حال اچانک دلچسپ ہو گئی ہے"

نہیں اس بات کا علم ہے کہ اللہ دین کہاں جا رہا تھا؟"

"ان غلاموں کو' میرا مطلب ہے ان لوگوں کو غلاموں کی حیثیت سے فروخت کرنے۔"

"گڈ۔ یہی بات ہے۔ بعد میں اس نے لانچ میں آ کر تمہارے بارے میں بھی یہی نیلہ کیا تھا۔"

"ہاں۔ اس ذلیل نے...... ہمارے تعاون کی یہی سزا منتخب کی تھی۔"

"غلاموں کی یہ خرید و فروخت ایک جزیرے' بادیان' پر ہوتی ہے اور ہم نے اسی جزیرے پر نہ جانے کی وجہ سے کشتی کا رخ بدلا تھا اب میرا خیال ہے کہ ہم اسی جزیرے پر آ گئے ہیں۔ سمندر میں ہماری کشتی گھوم گھام کر اسی جگہ آ گئی ہے لیکن اس میں خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر ہم نے ہوشیاری سے کام لیا تو یہاں سے ہمیں اپنے ٹھکانوں تک پہنچنے میں آسانی ہو گی۔"

گلاب کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کے آثار نمودار ہو گئے لیکن میرے سمجھانے بجھانے سے وہ ٹھیک ہو گیا۔ "میں ان لوگوں کو بھی اس صورت حال سے آگاہ کر دوں تاکہ سب ہوشیار ہو جائیں۔ اس کے بعد ہمیں نہایت چالاکی سے کام لینا ہو گا۔؟" گلاب نے گردن ہلا دی۔ کافی دیر تک میں ان لوگوں کو صورت حال اور آئندہ اقدامات کے بارے میں بتاتا رہا۔ ان کی کیفیت بھی خراب ہو گئی تھی لیکن میں نے انہیں بتایا کہ اب وہ غلام نہیں ہیں بلکہ غلاموں کے سوداگر ہیں۔ ہمیں ایک ایک قدم ہوشیاری سے اٹھانا ہو گا۔ یہاں موجود کسی آدمی سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ ہر ایک کے سامنے سینہ تان کر چلو اور کسی بھی صورت حال سے نمٹنے کے لئے تیار رہو۔ اب تم لوگ یوں کرو کہ ان سب کے لباس اتار لو اور انہیں خود پہن لو۔ جو لوگ رہ جائیں گے ان کے لباسوں کے بارے میں بعد میں کوئی بندوبست کر لیا جائے گا۔

میری اس ہدایت پر عمل کیا گیا۔ لباسوں پر موجود گولیوں کے نشانات اور خون کے دھبے صاف کر لئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ ان لاشوں کے پاس سے تین رائفلیں اور دو پستول بھی دستیاب ہوئے۔ لباس میں کرنسی بھی تھی جو ڈالروں کی شکل میں تھی یہ کرنسی بھی قبضے میں لے لی گئی اور اس کے بعد ہم لوگ وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

کوئی اور صورت حال ہو سکتی تو میں کسی قیمت پر اس طرف جانا پسند نہ کرتا لیکن مجبوری تھی۔ تقدیر نے جس جال میں پھنسا دیا تھا اس سے نکلنے کے لئے حتی المقدور تو ہاتھ پاؤں مارنے ہی تھے۔ دونوں گھوڑوں کی لگامیں پکڑے ہوئے ہم ڈھلان پر اترنے لگے اور اچھی خاصی رفتار سے آگے بڑھتے رہے۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ہم خیموں کے شہر کے قریب پہنچ گئے۔

انوکھی آبادی تھی۔ ہر رنگ اور نسل کے لوگ وہاں نظر آ رہے تھے۔ گھوڑے کافی تعداد میں تھے۔ تمام لوگ ایک دوسرے سے بے نیاز ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ کوئی شریف نہ تھا۔ سب کے سب خطرناک نظر آتے تھے لیکن کوئی کسی کی طرف متوجہ نہ تھا۔

خیموں کے اندر ہی بازار لگے ہوئے تھے اور ان بازاروں میں دنیا جہان کی چیز فروخت ہو رہی تھیں۔ عمدہ پوستین' جانوروں کی کھال کے لباس' گھڑیاں اور ایسی ہی دوسر چیزیں۔ خیموں ہی کے اندر چھوٹے چھوٹے قہوہ خانے بنے ہوئے تھے جہاں کھانے پینے چیزیں دستیاب تھیں۔ ایک عجیب میلہ سا معلوم ہوتا تھا جہاں ضرورت کی ہر شے فراہم دی گئی تھی۔ جس ویران اور ہیبت ناک ماحول سے گزر کر ہم یہاں پہنچے تھے اس کے بع زندگی کی یہ رنگا رنگی نا قابل یقین معلوم ہوتی تھی .لیکن صورت حال کا مجھے پورا پورا احسا تھا یقیناً یہ جزیرہ بادیان تھا۔ حیرت کی بات صرف یہ تھی کہ ان لوگوں کے یہاں آنے کے ذ ذرائع تھے۔ ہمیں سمندر کے کنارے کوئی لانچ یا جہاز نہیں نظر آیا تھا۔

میں گہری نگاہوں سے ہر چیز کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ دکانوں پر ہر علاقے ک کرنسی چل رہی تھی۔ چنانچہ میں ہمت کر کے ایک خیمہ دکان پر رک گیا۔ یہ لباسوں کی دکان تھی۔ میں نے ایک لباس کی قیمت پوچھی۔ دکاندار مشرق وسطے کا کوئی باشندہ تھا۔ اس نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں مجھے قیمت بتائی۔ ہمارے پاس کرنسی اچھی خاصی تعداد میں جمع ہو گئی تھی۔ میں باآسانی تمام لوگوں کے لباس خرید سکتا تھا۔ اس کے بعد بھی ہمارے پاس کرنسی بچ رہتی چنانچہ میں نے لباس خرید لئے۔ جس وقت میں لباس خرید رہا تھا تو دو آدمی ہمارے عقب میں آکھڑے ہوئے۔ دبلے پتلے بدن کے تھے دونوں۔ معمولی سے لباس پہنے ہوئے تھے۔ پہلے تو میں نے ان کی طرف توجہ نہیں دی لیکن جب میں لباس خرید کر وہاں سے آگے بڑھا تو وہ لوگ ہمارے پیچھے چل پڑے۔

میں چند قدم چل کر رک گیا اور ان کی طرف دیکھنے لگا۔ تبھی وہ دونوں آگے بڑھ کر میرے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے گردنیں خم کر کے ہمیں سلام کیا اور پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"ایشائی؟"

"مقصد بیان کرو۔" میں نے غرائی آواز میں کہا۔

"معافی کے خواستگار ہیں عالی جاہ لیکن یہ سامان ہماری دلچسپی کا باعث ہے جو آپ کے ساتھیوں پر بار ہے۔"

"اور تفصیل سے بتاؤ۔" میں نے کہا۔

"اس سامان کی موجودگی بتاتی ہے کہ حضور نے ابھی بادیان پر خیمہ گاہ منتخب نہیں

ی۔ ہم اپنی خدمات پیش کرنا چاہتے ہیں۔"

"اور تفصیل سے۔" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔

"سرکار عالی۔ ہم آپ کے قیام کا مناسب بندوبست کریں گے اور حضور کو کوئی پریشانی نہ ہونے دیں گے۔"

"سوائے ایک پریشانی کے' اور وہ یہ ہو گی کہ ایک ڈالر کی جگہ حضور کے پانچ ڈالر خرچ ہوں گے اور زیادہ رقم میں سے یہ دونوں معقول کمیشن وصول کریں گے۔" عقب سے ایک آواز ابھری اور وہ دونوں چونک کر پیچھے دیکھنے لگے۔

دبلے پتلے بدن کا ایک خوبصورت نوجوان پیچھے کھڑا' مسکرا رہا تھا۔ عمر اٹھارا انیس سال سے زیادہ نہ ہو گی۔ موٹی کھال کا ڈھیلا ڈھالا کوٹ اور بڑے بالوں والی ٹوپی پہنے ہوئے تھا' آنکھوں پر کالی عینک لگی ہوئی تھی۔

وہ دونوں اسے خونخوار نگاہوں سے گھورنے لگے۔

"تم.........تم پھر آ گئے۔ یہ بات اصول کے خلاف ہے۔ جزیرے کا قانون بھی نہیں ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"ارے یہ جزیرہ ہر قانون سے آزاد ہے۔ ساری دنیا کا قانون یہاں آ کر ختم ہو جاتا ہے یہی تو اس کی دلکشی ہے۔" نوجوان نے کہا۔ اس کی مسکراہٹ بے حد دلکش تھی۔ چہرے کے خدوخال میں بھی ایک عجیب سی جاذبیت تھی۔

"اس کے باوجود بہروز کسی کے گاہکوں کو خراب کرنا اچھی بات نہیں ہے۔" ان میں سے ایک بولا۔

"فیصلہ کر لو۔ پستول اس جزیرے کا قانون ہے۔" اس نے لباس کے نیچے سے پستول نکالتے ہوئے کہا۔

"اوہو ہو۔ اس کی کیا ضرورت ہے ہماری خیمہ گاہ موجود ہے اور ہمیں کسی خیمے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے ان کے درمیان مداخلت کی اور وہ تینوں چونک پڑے۔

"نہیں ہے۔" نوجوان نے کہا۔

"لوٹ لو۔ تم ہی لوٹ لو انھیں۔" دونوں دبلے پتلے آدمیوں نے طنزیہ انداز میں کہا اور آگے بڑھ گئے۔ نوجوان بہروز کمر پر ہاتھ رکھے ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے مایوسی سے ہماری طرف دیکھا اور خود بھی بڑھنے لگا تو میں نے اسے ٹوک دیا۔

"سنو بات سنو ادھر آؤ۔" میں نے کہا اور وہ کمر پر ہاتھ رکھے میری جانب متوجہ ہو گیا۔

"یس ماسٹر۔" اس نے اس بار کسی قدر بے پروائی سے کہا یعنی پہلے جو اس کے لہجے میں نرمی تھی اس بار برقرار نہیں رہی تھی۔

"تم تنہا کام کرتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"جی ماسٹر بالکل تنہا۔"

"یہ لوگ اگر تمہارے دشمن ہو گئے تو کیا کرو گے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہو گئے کیا' ہیں میرے دشمن' اس طرح نہ بھاگ جاتے یہ لوگ' اگر ایک با میرے ہاتھوں مزہ نہ چکھ چکے ہوتے۔" اس نے کسی قدر فخریہ انداز میں کہا۔ انگلش ہی بوا رہا تھا لیکن لہجہ انتہائی اجنبی تھا اور صاف لگتا تھا کہ اسے انگلش پر عبور حاصل نہیں ہے۔

"اوہ تمہارا جھگڑا ہو چکا ہے؟"

"اچھی طرح' میرا خیال ہے ان کے لباس کے پیچھے اب بھی میرے ہاتھوں سے لگ ہوئی چوٹیں موجود ہوں گی؟"

"بہت بہادر ہو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"زندہ رہنا چاہتا ہوں ماسٹر اور زندہ رہنے کے لئے ہاتھ پاؤں ہلانا بے حد ضرور ہے۔ نیا نیا آیا ہوں۔ اس جزیرے پر' یہاں کے ماحول سے زیادہ واقفیت نہیں ہے' مگر ا جانتا ہوں کہ کچھ کمانے کے لئے زندگی کی بازی لگانا بے حد ضروری ہے' ایک ہی ساتھی ہے اس جزیرے پر میرا ۔ اور وہ ہے میرا پستول۔ اس کے جوہر بھی دکھا چکا ہوں۔ سوڈالر جیۃ تھے میں نے پستول کی نشانہ بازی میں' مگر ایک کم بخت اسی وقت مار دے گیا' بہر صورت کوئ بات نہیں ہے' بس اپنا کام کر رہا ہوں۔" نوجوان نے جواب دیا۔ اس کی آواز میں بھی بچپ نمایاں تھا۔ بہت ہی ہلکی اور شیریں سی آواز تھی۔ میں اس کی دلچسپ شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"آؤ آؤ میرے ساتھ آؤ؟"

"نہیں ماسٹر۔ وقت ضائع کرنا دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہے۔" وہ بولا۔

"تمہارا وقت ضائع نہیں ہوگا۔ تم بھی یہاں یہی کام کرتے ہو جو وہ دونوں کرتے ہیں؟"

"ہاں ماسٹر۔ میں بھی بروکر ہوں۔"

"تو سنو ہمیں خیمہ گاہ کی ضرورت ہے اور یہاں رہائش کے دوسرے کام بھی کرنے ہیں۔" میں نے اس سے کہا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنا چشمہ اتار کر مجھے بغور دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھی بے پناہ حسین تھیں' اتنا خوبصورت نوجوان میں نے اس سے قبل نہیں دیکھا تھا' ان آنکھوں میں مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں ماسٹر؟"

"ہاں بالکل سچ۔" میں نے جواب دیا اور اس کا انداز ایک دم بدل گیا۔

"تب تو میں آپ کا شکریہ بھی ادا کروں گا ماسٹر کہ آپ نے ان لوگوں کو بھگا کر مجھے

یہ خدمت انجام دینے کا موقع دیا۔" وہ ہمارے ساتھ ساتھ چلنے گا۔

"میں بھی یہاں پہلی بار ہی آیا ہوں مسٹر بہروز۔ تم مجھے یہاں کے حالات بھی بتاؤ گے؟"

"سب کچھ بتائیں گے ماسٹر۔ بالکل بتائیں گے' بہروز کو آپ اپنے خادموں میں شمار کر لیں' آپ کو یہاں کوئی دقت نہیں ہو گی اور معاوضہ بھی بہت معمولی۔ جتنا کہ یہاں کا کوئی بھی آدمی نہیں لے سکتا۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ خیمہ گاہ کا بندوبست کرو لیکن سنو اخراجات کے معاملے میں مجھ سے معلومات ضرور حاصل کر لینا۔ میں زیادہ دولت مند آدمی نہیں ہوں۔"

"ماسٹر سارے اخراجات کا فیصلہ بعد میں ہو جائے گا۔ آپ اس کی تو پرواہ' ہی نہ کریں۔ کون سا علاقہ پسند کریں گے؟"

"وہ جو تمہیں پسند ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"تب پھر آپ کے آرام کی تمام سہولتوں کا بندوبست میری ذمے داری ہے۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔" آپ کسی مناسب جگہ چند لمحات آرام کریں۔ میں سارے بندوبست کر کے آپ کے پاس آجاتا ہوں۔" اس مناسب جگہ کا انتخاب بھی اسی نے کیا اور وہاں سے چلا گیا۔ یہ سب کچھ میرے لئے اجنبی تھا۔ میں کسی ایسی جگہ کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بالکل اجنبی دنیا تھی۔ بے حد انوکھی' جہاں انتظامات کے لئے بروکر بھی تھے۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد نوجوان بہروز واپس آگیا۔ اس نے دلکش مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔"دیر سے آنے کی معافی چاہتا ہوں عالی جاہ لیکن آپ کے شایان شان بندوبست ضروری تھا آیئے خیمہ گاہ تشریف لے چلئے۔"

ہم سب اس کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔ ایک سرسبز ٹیلے کے دامن میں ایک بہت بڑا خیمہ لگا ہوا تھا جس کے کئی حصے تھے قناتوں سے خاصی کشادہ جگہ کا احاطہ کر دیا گیا تھا۔ اس کے قرب و جوار میں بھی ایسے ہی خیمے موجود تھے۔ مجھے تشویش ہونے لگی کہ نہ جانے اس خیمے کے اخراجات کیا ہوں گے۔ خیموں میں کینوس کی فولڈنگ چارپائیاں بھی موجود تھیں لیکن ان کی تعداد کم تھی اور وہ سب کے لئے پوری نہیں ہو سکتی تھیں۔

"میں نے مزید بستروں کے لئے کہہ دیا ہے۔ تھوڑی دیر میں پہنچ جائیں گے۔ کیا تنی جگہ کافی ہوگی؟"

"نہایت مناسب۔ کتنی رقم ادا کرنی ہے مجھے؟"

"صرف سو ڈالر۔ دس ڈالر اس خاکسار کا معاوضہ۔" اس نے گردن خم کر کے کہا۔

"یہ کتنے دن کا کرایہ ہے؟"

"ایک ماہ کا۔ اگر دیر تک قیام رہے تو ایک ماہ کے بعد دوبارہ کرایہ ادا کر دیا جائے

گا۔"

"میں نے کرنسی کا جائزہ لیا۔ لاشوں کے لباس سے جو کرنسی برآمد ہوئی تھی وہ تقریباً سات سو ڈالر تھی۔ بہر حال میں نے اسے اس کی مطلوبہ رقم ادا کر دی اور پھر کہا۔

"بہروز تم یہی کام کرتے ہو؟"

"ہاں ماسٹر۔"

"کتنا کما لیتے ہو دن میں؟"

"یہ تقدیر کی بات ہے ماسٹر۔ کبھی پچاس ڈالر کبھی ساٹھ۔ لیکن تقدیر ساتھ نہیں دے رہی۔ سات سو ڈالر جوئے میں ہار چکا ہوں۔"

"جوا...." میں نے پر خیال انداز میں کہا اور پھر سنبھل گیا۔ "مجھے تمہاری مزید ضرورت ہے بہروز۔ پچاس ڈالر کے حساب سے جب تک میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا ادائیگی کرتا رہوں گا۔" میری اس پیش کش پر وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔

"بعض دنوں میں ایک ڈالر کی آمدنی بھی نہیں ہوتی ماسٹر۔ اس لئے یہ پیش کش دلچسپ ہے۔ تاہم اس کے لئے ایک شرط ہے کہ میں سارا دن آپ کی خدمت نہیں کر سکوں گا جو ضرورت آپ کو ہو گی اسے پورا کرنا میرا فرض ہو گا۔ کوئی بھی پریشانی نہ ہونے دوں گا آپ کو.... لیکن میرے اوپر اوقات کی پابندی عائد نہ کی جائے۔"

"وہ کیوں بہروز؟"

"اس لئے ماسٹر کہ مجھے بڑی رقم کی ضرورت ہے۔ میں باہر رہ کر اس کے لئے جدوجہد کرتا رہوں گا۔"

"مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"تب بہروز آپ کا خادم ہے دل وجان سے۔"

"جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا ہے۔ بہروز کہ میں اس جزیرے پر اجنبی ہوں' اس لئے تم مجھے یہاں کے بارے میں معلومات بھی فراہم کرو گے۔"

"دل و جان سے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "کھانے پینے کا کیا بندوبست ہے۔ کھانا بنانے کے لئے کسی خادم کی ضرورت ہے یا......"

نہیں اور کوئی خادم نہیں چاہیئے۔ البتہ کھانے پینے کی چیزیں تو یہاں مل جاتی ہوں گی؟"

"دنیا کی ہر چیز۔ مجھے اپنا سامان دکھا دیں۔ اس کے بعد جس شے کی ضرورت ہو گی میں خرید لاؤں گا۔" میں نے اس بات پر گردن ہلا دی تھی۔ گلاب اور دوسرے لوگوں سے مشورہ کر کے میں نے سو ڈالر مزید خرچ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور پھر گلاب کو ایک طرف لے جا کر کہا۔

"تم اس کے ساتھ چلے جاؤ۔ بس اس کی نگرانی رکھنا۔ کوئی خاص بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں نہایت ہوشیاری سے ہر قدم اٹھانا ہے۔" گلاب اس کے ساتھ چلا گیا۔ ذہن و دل کی عجیب حالت تھی۔ ایسے ہوشربا واقعات سے واسطہ پڑا تھا کہ عقل خبط ہو کر رہ گئی تھی۔ بچپن میں کتابیں پڑھتا تھا اور ان میں اچھی اچھی باتیں ملتی تھیں لیکن آج یہ احساس ہو رہا تھا کہ دنیا ان کتابوں سے کہیں آگے بڑھ چکی ہے' کتابیں نامکمل ہیں۔ انسان کو ان واقعات اور حالات سے روشناس نہیں کرایا جاتا جو انھیں پیش آتے ہیں' بس ایک مخصوص حد تک اس کا سفر کتابوں میں جاری رہتا ہے اور جب وہ کتابوں کے صفحات سے باہر نکل آتا ہے تو دنیا بڑی اجنبی شکل میں اسے ملتی ہے۔ ان حالات میں مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا ناممکن تھا۔ کرنسی نہ ہونے کے برابر تھی۔ جزیرہ بادیان کے اخراجات خوفناک تھے اور انھیں پورا کرنے کا کوئی ذریعہ میرے پاس نہیں تھا۔ ایسے وقت میں ایاز بری طرح یاد آیا۔ وہ کرنسی چھاپنے کی مشین تھی-- ہرچند کہ میں نے اسے جیب تراشی سے روکا تھا اور ہمیشہ اس کی مذمت کی تھی کہ وہ ایسا نہ کرے لیکن اس وقت ان حالات میں یہاں زندگی گزارنے اور سانسوں کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے کرنسی کی انتہائی ضرورت تھی اور اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ اسے جیب تراشی کے ذریعے حاصل کیا جائے۔ میرے سامنے کوئی اور منزل بھی نہیں تھی' تقدیر اور حالات نے اس انوکھی جگہ لا پھینکا تھا جہاں سے بچنے کے لئے ہم نے ایک طویل جدوجہد کی تھی' ہرچند کہ بن سالک اور اللہ دین نے بادیان کے بارے میں بتایا تھا کہ یہاں سے بیرونی دنیا میں نکلنے کے انتظامات ہو سکتے ہیں لیکن ایک جھلک دیکھ کر ہی میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ انتظامات کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اگر دولت ہے تو پھر یہ جزیرہ جنت سے کم نہیں ہے لیکن اس کے بغیر یہاں سانس برقرار رکھنا بھی مشکل ہو گا' اس کا اندازہ مجھے چند ہی لمحات میں ہو گیا تھا۔ دولت کے حصول کے لئے کیا کیا جائے' اس کا کوئی جائز ذریعہ تو سامنے نہیں تھا اور پھر یہاں لاقانونیت کا دور دورہ تھا' ان لاشوں کو دیکھ چکا تھا جو بے گور وکفن وہاں پڑی رہ گئی تھیں' نجانے انھیں قتل کرنے والے کون تھے اور کیوں انھیں قتل کیا گیا تھا' ممکن ہے کہ دولت کے لئے لیکن یہ بات اس طرح غلط ثابت ہو جاتی تھی کہ ان کی جیبوں سے ہمیں خاصی کرنسی ملی تھی پھر وہ غارت گری دشمنی کی بنیاد پر بھی ہو سکتی ہے اور یہاں دشمنی کے فیصلے خود ہی کر لئے جاتے ہوں گے کیونکہ کوئی اور انتظامی محکمہ تو تھا نہیں--

بہروز' گلاب کے ساتھ واپس آ گیا۔ لدا پھندا ہوا تھا۔ وہ درحقیقت ایک منتظم فطرت کا مالک تھا۔ کھانے پکانے کے لئے اس نے تمام چیزیں خرید لی تھیں۔ یہاں تک کہ تیل کے چولھوں کا بھی بندوبست کر لیا تھا۔ البتہ مجھے اس بات پر شدید حیرت تھی کہ غلاموں کی خرید و فروخت اور اسمگلنگ کے کاروبار کے لئے تشکیل دیئے ہوئے جزیرے پر یہ بازار

کہاں سے لگ جاتے ہیں اور یہاں سامان کی خرید و فروخت کرنے والے زندگی کی ضروریات کی تمام چیزیں کہاں سے لاتے ہیں' وہ تو خود غلاموں کے سوداگر نہ ہوں گے' گویا ایک باقاعدہ تجارتی سلسلہ تھا' بہر صورت بہروز کی موجودگی بھی غنیمت تھی۔ اس شخص کے لئے بھی اچھی خاصی رقم خرچ کرنی تھی' دو تین دن میں ہی اس ساری رقم کا صفایا ہو جاتا تھا' اس کے بعد کیا کروں گا؟ یہ سوال سوہان روح تھا اور اس کا کوئی جواب میرے پاس موجود نہیں تھا۔

بہروز میرے پاس آ بیٹھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"برازیل کی سیاہ کافی میری بڑی کمزوری ہے ماسٹر! اس کا ایک پیکٹ اور کریم کے ڈبے آپ کی اجازت کے بغیر لے آیا ہوں اور آپ کے ساتھی سے کافی بنانے کا کہہ دیا ہے۔ کیا آپ مجھے یہ اعزاز دیں گے؟"

"دوستوں کی طرح گفتگو کرو بہروز۔ مجھے یہ پر تکلف گفتگو پسند نہیں ہے۔"

"عنایت ہے ماسٹر۔ آپ کے نام سے روشناس ہو سکتا ہوں؟"

"منصور ہے میرا نام۔"

"اوہ۔ تاریخی نوعیت کا حامل ہے۔ یہاں کب تشریف لائے آقا؟"

"آج ہی۔"

"یہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں' کیا غلام ہیں آپ کے؟"

"نہیں یہ سب میرے ساتھی ہیں۔"

"ان میں' میں نے کچھ چہرے ایسے دیکھے ہیں جو مصری معلوم ہوتے ہیں۔ چند یمنی بھی ہیں۔ ان سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

"تم خاصے تجربے کار معلوم ہوتے ہو۔ کیا عمر ہے تمہاری؟"

"تجربات کی کوئی عمر نہیں ہوتی مسٹر منصور۔ بعض اوقات بچپن کی عمر ہی سو سالہ ہوتی ہے۔"

"پڑھے لکھے بھی ہو؟"

"اس حد تک کہ دنیا میں زندگی بسر کرتے ہوئے مشکل نہ پیش آئے۔" اس نے کہا۔

"بہت پسند آئے ہو مجھے لڑائی بھڑائی سے بھی واقف معلوم ہوتے ہو۔"

"میں نے عرض کیا تھا تاکہ وہ سب کچھ سیکھ لیا ہے جس کے ذریعے اس دنیا میں زندگی بسر کرنے میں دقت نہ ہو۔"

"مستقل یہیں رہتے ہو؟"

"نہیں ماسٹر۔ تین ماہ ہوئے ہیں صرف یہاں۔"

"یہ جزیرہ بادیان ہی ہے نا؟"

"یقیناً۔ لیکن ماسٹر آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟" بہروز نے کسی قدر حیرانی سے پوچھا۔

"بعض سوالات ایسے ہوتے ہیں بہروز۔ جن کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ مجھے اس جزیرے سے مکمل روشناس کراؤ۔ تم کہاں سے آئے ہو؟"

"مصری باشندہ ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"اوہ اچھا میں یہی سوچ رہا تھا کہ تمہارے خدوخال اتنے مانوس کیوں ہیں۔ تم مجھے اس جزیرے کے بارے میں بتاؤ؟"

"آزاد جزیرہ ہے چیف۔ بردہ فروشوں اور اسمگلروں کی جنت۔ آدھی دنیا کے جرائم پیشہ لوگ یہاں آتے ہیں۔ یورپ' امریکہ اور ایشیا کے باشندے۔ غلاموں کی سب سے بڑی منڈی کہلاتا ہے۔ اور کوئی حکومت اس طرف توجہ نہیں دیتی۔ لانچیں اور جہاز آتے ہیں۔ غلام لاتے ہیں اور لے جاتے ہیں۔ غلاموں کو فروخت کرنے والے بھی ہوتے ہیں اور خریدنے والے بھی۔ اس کے علاوہ یہاں منشیات کی تجارت بھی اعلیٰ پیمانے پر ہوتی ہے۔ انھی لوگوں نے یہاں بازار کا بندوبست بھی کیا ہے اور ضرورت کی ہر شے یہاں موجود ہے چونکہ یہاں آنے والے جرائم پیشہ ہوتے ہیں' اس لئے ان سے زیادہ قیمتیں بھی نہیں وصول کی جا سکتیں چنانچہ قیمتیں معمول پر ہیں۔ اس کے باوجود دوکان دار خوب دولت کماتے ہیں۔ کچھ ان کے محافظ ہیں جو ان سے اپنا حصہ وصول کر کے انھیں لٹیروں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ غرض ہر شخص یہاں کماتا ہے۔ مگر آپ ___ چیف آپ یہاں کچھ خریدنے آئے ہیں یا فروخت کرنے۔ آپ کی آمد کا مقصد؟"

"وہ بھی بتا دوں گا کسی وقت۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"معاف کیجئے مسٹر منصور! یہ سوال میں نے صرف اس لئے کیا ہے آپ سے' کہ معلومات حاصل کر سکوں اور اگر میری ضرورت کہیں پیش آ جائے تو اپنی خدمات پیش کر دوں۔"

"ہاں مجھے اس کا اندازہ ہے۔"

"آپ کا جہاز یا لانچ۔ میرا مطلب ہے ماسٹر آپ اپنے جہاز سے آئے ہیں یا کسی اور ذریعے سے؟"

"یہ بھی بعد میں بتاؤں گا بہروز۔" میں نے مسکرا کر کہا اور وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا "کچھ اور بتاؤ بہروز۔ ابھی تو بہت سی باتیں تشنہ ہیں۔"

"آپ سوالات کریں چیف۔"

"یہاں کی زندگی کے بارے میں۔ اتنے سارے جرائم پیشہ ایک جگہ جمع کیسے زندگی گزارتے ہیں؟" اس سے قبل کہ بہروز اس سوال کا جواب دیتا گلاب نے کافی لا کر ہمارے سامنے رکھ دی۔ بہروز نے اسے چکھ کر دیکھا اور مسکرانے لگا۔

"جرائم پیشہ لوگ جس طرح زندگی گزارتے ہیں۔ اس کا تصور بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔ ناچ رنگ ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے لوگوں کے ڈیرے ہیں جہاں ان کی اجارہ داری ہوتی ہے وہ اور ان کے دوست رنگ رلیاں مناتے ہیں اور دشمنی ہوتی ہے تو گولیاں چلتی ہیں اور دس بیس لاشیں گر جاتی ہیں اور اس کے بعد سکون ہو جاتا ہے۔ میرے جیسے دلال بھی یہاں کمانے کی غرض سے آ جاتے ہیں اور خدمت گزاری کر کے کچھ کما لیتے ہیں۔ بڑے بڑے جوئے ہوتے ہیں جو کبھی ایمان داری سے ہوتے ہیں اور کبھی بے ایمانی سے لوٹ مار بھی ہو جاتی ہے۔ غرض یہاں اپنے طور پر جینا ہوتا ہے۔"

"غلاموں کے خریدار کون ہوتے ہیں؟"

"وہ جنھیں غلاموں کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"عورتیں بھی فروخت ہوتی ہوں گی؟"

"کافی تعداد میں۔"

"یہ غلام کہاں رکھے جاتے ہیں؟" میں نے پوچھا اور بہروز چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ اس کی کالی حسین آنکھوں میں بے پناہ تجسس ابھر آیا تھا اور پھر اس نے سنبھل کر کہا۔

"اسی طرح کے غلام باڑے ہوتے ہیں جیسے یہ خیمے ہیں۔ لیکن ایک سوال کو میں اپنے ذہن میں نہیں روک پا رہا ماسٹر۔"

"ہاں ہاں پوچھو۔"

"کسی کی تلاش میں آئے ہو یہاں۔ کوئی کھو گیا ہے تمھارا؟"

"کیا مطلب؟"

"جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا سو فی صد مطلب ہے آقا۔ اس میں کوئی ہیر پھیر نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے بہروز۔ ویسے یہ جہاز اور لانچیں کہاں رکتی ہیں؟"

"مشرقی ساحل کے انتہائی سرے پر۔ وہاں ان کے لئے جیٹیاں بنی ہوئی ہیں۔ مغربی ساحل جو ان بلندیوں کے دوسری سمت ہے۔ غیر آباد اور گندہ ہے ادھر ویرانی پھیلی ہوئی ہے اور وہ قابل استعمال نہیں ہے۔"

"ہوں۔ تمھارا شکریہ۔ تمھارا قیام کہاں ہے بہروز؟"

"کوئی مخصوص جگہ نہیں ہے چیف۔ جہاں جگہ ملتی ہے وہیں لیٹ کر سو جاتا ہوں۔ میں خیمے کی عیاشی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔"

"اوہ۔ اگر تم چاہو تو ہماری اس قیام گاہ پر آرام کر سکتے ہو۔ مجھے خوشی ہو گی۔"

"آپ کی اس پیش کش کا شکریہ ماسٹر۔ میں اس سے فائدہ ضرور اٹھاؤں گا۔ رات کو سرد موسم ہو جاتا ہے اور تھوڑی سی دشمنی بھی ہو گئی ہے ان دونوں سے یہ لوگ ہیں تو

بزدل مگر ہر بزدل شخص مکار بھی ہو سکتا ہے۔"

"کون لوگ؟"

"جونی اور پوکر کی بات کر رہا تھا۔ میرا مطلب ہے وہی دونوں بروکر جو آپ کے پاس آئے تھے۔ میں نے ان کے بزنس کو کافی نقصان پہنچایا ہے۔ ایک بار مرمت بھی کر چکا ہوں سالوں کی۔"

"دونوں کی؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہاں چیف۔ زندگی گزارنے کے لئے کچھ گر بھی سیکھے ہیں‘ ان کے بغیر اس دنیا میں گزارا مشکل ہے اور پھر مجھے یہ پتہ چل گیا تھا کہ بس یہ دونوں تنہا ہیں اور کسی گروہ سے تعلق نہیں رکھتے۔ ورنہ میں ان سے نہ ٹکراتا اور یوں بھی بڑے فراڈ ہیں‘ کوئی سودا کرائیں تو اپنا کمیشن الگ سے رکھتے ہیں۔ ابھی چند دن قبل انھوں نے دو کلو چرس فروخت کرائی تھی نو ہزار ڈالر کے حساب سے۔ پورے چھ ہزار ڈالر مار لئے۔ چرس بارہ ہزار کے حساب سے فروخت ہوئی تھی۔ دو ہزار روپے کمیشن الگ لیا بیچنے والوں سے۔"

"چرس۔" دفعتاً میں دھک سے رہ گیا۔ میرے ذہن میں وہ دس کلو چرس آ گئی جو اتفاق سے میرے پاس محفوظ تھی۔

"چرس یہاں آسانی سے فروخت ہو جاتی ہے؟"

"ہوا میں اڑنے والا آئیٹم ہے چیف۔ کوئی بو بھی سونگھ لے تو چکر لگانے لگتا ہے۔" بہروز نے کہا اور میرے ہاتھ پاؤں مسرت سے پھولنے لگے۔ یہ تو امداد غیبی ہوئی تھی۔ بن سالک کے اس تحفے سے تو میری ساری مصیبتیں دور ہو سکتی تھیں۔ حالانکہ میں نے ایک بار بھی اس پر توجہ نہیں دی تھی۔ وہ دوران سفر کشتی میں ضائع بھی ہو سکتی تھی۔ یوں بھی بس گلاب ہی اسے دوسرے سامان کے ساتھ کشتی سے لے آیا تھا۔ ورنہ شاید وہ کشتی میں ہی رہ گئی ہوتی۔

"کس حساب سے فروخت ہو سکتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اگر اچھی کوالٹی ہے ماسٹر تو بارہ سے چودہ ہزار ڈالر فی کلو تک جا سکتی ہے۔ ہے تمھارے پاس؟"

"ہاں۔ بات کرو۔"

"اوہ۔ کتنی ہے؟"

"دس کلو کے قریب۔"

"دس کلو۔" بہروز کے چہرے پر عجیب سی چمک پیدا ہو گئی۔ "مجھے کیا کمیشن دو گے چیف؟"

"زیادہ سے زیادہ قیمت پر فروخت کراؤ۔ عمدہ کمیشن دوں گا۔"

"آہ۔ یہ میرا بڑا پہلا سودا ہو گا۔ مجھے اس کی تھوڑی سی مقدار دے دو چیف۔ میں آج ہی بات کروں گا۔ بس بہت تھوڑی سی۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ صبر مجھ سے بھی نہیں ہوا تھا۔ میری نگاہ میں وہ بے حقیقت شے تھی۔ میں تو وزن کم کرنے کے لئے اسے پھینک رہا تھا۔ بس یونہی حفظ ماتقدم کے طور پر رکھ لیا تھا۔ لیکن....

بہرحال، سامان کے پاس جا کر میں نے چرس اپنے قبضے میں لے لی اور پھر اس میں سے تھوڑی سی نکال کر میں نے نمونے کے طور پر بہروز کو دے دی۔ بہروز مجھ سے اجازت لے کر ہوا ہو گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد میں پھر اس انوکھے جزیرے کے بارے میں سوچنے لگا۔ میں نے سوچا تقدیر کے کھیل بھی انوکھے ہوتے ہیں۔ میں اس جزیرے سے بچ کر بھاگا تھا لیکن ممکن ہے سمندر کی لہروں نے ہمیں اسی لئے یہاں پہنچا دیا ہو کہ ہمیں بیرونی دنیا میں جانا نصیب ہو جائے۔ ویسے یہاں کی روایات بہت دلچسپ تھیں۔ چرس اگر واقعی فروخت ہو جائے تو سارے مسائل حل ہو سکتے تھے۔ ابھی تو یہاں بہت کام کرنا تھا۔ خود کو اس ماحول میں چاق و چوبند رکھنا تھا ورنہ یہ مجرموں کی بستی تھی۔

میں نے گلاب اور اس کے ساتھیوں کو اس کے بارے میں ہدایات تو دے دی تھیں لیکن نہ جانے وہ بے چارے میری ہدایات پر صحیح طور سے عمل بھی کر سکتے تھے یا نہیں۔ سیدھے سادے جاہل لوگ تھے۔

رات گئے تک بہروز واپس آیا۔ اس کے ساتھ دو افراد اور موجود تھے یہ لوگ عربی لباس میں تھے اور کاروباری قسم کے لوگ معلوم ہوتے تھے "میں نے ان سے بات کر لی ہے آقا۔ یہ ساری چرس خریدنے کے لئے تیار ہیں لیکن قیمت کا مسئلہ نہیں طے ہو پایا۔"

"کیا چاہتے ہیں یہ؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے ساڑھے چودہ ہزار ڈالر کے حساب سے بات کی ہے۔ مگر یہ تیرہ ہزار سے آگے نہیں بڑھ رہے۔" بہروز نے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ اس دام میں یہ اعلیٰ کوالٹی فروخت نہیں کی جا سکتی۔" میں نے کہا اور وہ دونوں میری خوشامد کرنے لگے۔ بہت سی باتیں کیں انھوں نے اور بالآخر چودہ ہزار پر بات طے ہو گئی انھوں نے اپنے لباس سے بڑی نوٹوں کی گڈیاں نکال کر میرے سامنے ڈھیر کر دیں۔ ایک لاکھ چالیس ہزار ڈالر تھے پورے۔ میں نے چرس ان کے حوالے کر دی۔

دونوں چلے گئے تو میں نے مسکراتے ہوئے بہروز کی طرف دیکھا۔ "لو تم بھی اپنا کمیشن لے لو بہروز۔"

"جو چیف عنایت فرمائیں۔" اس نے کہا۔

"جو دل چاہے اٹھا لو۔"

"نہیں چیف اپنے ہاتھ سے۔" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ میں نے دس ہزار ڈالر کے نوٹ اس کی طرف کھسکا دیئے اور اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ اس نے تشکر آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھا اور نوٹ قبول کر لئے۔ عجیب سی کیفیت تھی اس کی۔

"کافی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"بہت بڑی نوازش ہے ماسٹر۔ میں آپ کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔" وہ بولا "یہ میرا سب سے بڑا سودا ہے۔"

"اور اب؟" میں نے مزید دس ہزار ڈالر اس کی طرف بڑھا دیئے تو وہ سہم گیا۔ اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے ان نوٹوں کی طرف دیکھا اور پھر وحشت زدہ انداز میں بولا۔

"یہ کیا ماسٹر۔ ان کا میں کیا کروں؟"

"تم نے ان دونوں کے بارے میں بتایا تھا بہروز کہ انھوں نے فراڈ کر کے صرف دو کلو چرس سے چھ سات ہزار ڈالر کمائے تھے میرے خیال میں دس کلو چرس کا کمیشن دس ہزار ڈالر کم ہے، اس لئے یہ دس ہزار ڈالر تمہاری شرافت اور ایمانداری کا انعام ہیں۔"

اس کے چہرے پر مختلف کیفیت نظر آنے لگی۔ کبھی وہ مسرت سے ہمکنار ہو جاتا اور کبھی ایک عجیب سی حیرت اس کی آنکھوں سے ٹپکنے لگتی پھر اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ "شکریہ۔ بہت بہت شکریہ ماسٹر آپ۔ آپ۔"

میں نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے اسے نوٹ اٹھا لینے کی ہدایت کی اور اس نے تمام نوٹ اپنی جیبوں میں ٹھونس لئے پھر وہ باہر چلا گیا۔

میں دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ عجیب سا نوجوان تھا۔ کم سن مگر بے حد با عمل۔ نہ جانے اس کی کیا کہانی ہے۔ بہرحال میرے لئے تو وہ بہت بڑا سہارا بن گیا۔ اگر یہ چرس نہ ہوتی اور وہ مجھے اس کے بارے میں نہ سمجھاتا تو یقیناً میرے لئے سخت مشکلات پیدا ہو جاتیں اور نہ جانے کیا کیا کرنا پڑتا لیکن اب میں یہاں کچھ وقت آرام سے گزار سکتا تھا۔

دوسرے دن ابتدائی ضروریات سے فارغ ہو کر میں بہروز کے ساتھ باہر نکل آیا۔ بہروز بہت خوش تھا اور مجھ سے نہایت عزت سے پیش آ رہا تھا۔ میں نے بادیان کی سیر شروع کر دی۔ قہوہ خانے دیکھے۔ خیمہ بستیاں دیکھیں۔ ان کے درمیان ہر رنگ ہر نسل کے لوگ موجود تھے۔ سب کے سب اپنے مشاغل میں مصروف تھے اور کوئی کسی کی جانب متوجہ نہیں تھا پھر ہم غلام باڑوں کی طرف نکل گئے۔ بے بس لاچار انسان پنجروں میں قید تھے۔ اس جدید دور میں انسانیت کی یہ تذلیل تصور میں بھی نہیں آتی تھی۔ قیدی جیل میں ہوتے ہیں اور وہ ہوتے ہیں جو کسی جرم کی پاداش میں قید کیے جاتے ہیں لیکن یہ بے گناہ مجرم تھے۔ دل میں ہمدردی کی لہریں اٹھ رہی تھیں لیکن میں بھی ان کی مانند بے بس تھا۔ میں ان کے لئے

کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں بھی تو حالات کا قیدی تھا۔ وہ لوگ پنجروں کے اندر تھے اور میں باہر۔

قیدیوں کی نیلام گاہ دیکھی اور پھر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ نیلام روزانہ چار بجے کے بعد شروع ہوتا تھا۔ عجیب گہما گہمی تھی۔ پھر طویل فاصلہ طے کر کے سمندر کے اس دوسرے کنارے تک پہنچے تھے جسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ یہاں زندگی کا کوئی وجود نہیں ہے اگر ہم کشتی کے ذریعے تھوڑا سا فاصلہ طے کر لیتے تو یقیناً لانچوں اور جہازوں کے اس شہر کے پاس پہنچ جاتے جو سمندر میں آباد تھا۔ جدید ترین لانچیں، چھوٹے جہاز اور بادبانی کشتیاں یہاں بہت بڑی تعداد میں موجود تھیں۔ میں انھیں دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

"یہاں کی خوبی ہے کوئی انسان دوسرے کی جانب متوجہ نہیں ہوتا۔" بہروز نے کہا۔

"تم اکثر یہاں رہتے ہو بہروز؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں چیف۔ پہلی بار آیا ہوں۔"

"تین ماہ ہو گئے تمہیں؟"

"ہاں وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"تمہیں یہاں آنے کا خیال کیسے آیا؟"

"بس چیف۔ حالات...."

ہم دونوں ساحل سمندر سے ہی واپس چل پڑے تھے، میں نے بہروز کی جانب دیکھا اور پھر سوال کیا۔

"میری باتوں سے اکتا تو نہیں رہے بہروز؟"

"نہیں چیف۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے۔ ہم نے پورا جزیرہ ہی دیکھ ڈالا ہے، کچھ اور جگہیں باقی ہیں یہاں؟"

"جزیرہ تو بہت طویل و عریض ہے چیف لیکن جو کام کی چیزیں ہیں وہ میں آپ کو دکھا چکا ہوں، جوں جوں سورج ڈھلتا جائے گا رونق بڑھتی چلی جائے گی، ویسے یہاں کا موسم معتدل ہے۔"

"یوں محسوس ہوتا ہے بہروز، جیسے تم بات ٹال رہے ہو۔"

"کون سی بات چیف؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"میں تمہارے بارے میں کرید رہا تھا۔"

"بے کار ہے چیف، میں ایک سیدھا سادا سا آدمی ہوں، بس کچھ خواہشات یہاں کھینچ لائیں، کچھ مقاصد ذہن میں ہیں، انہیں پورا کرنے کے لئے جدوجہد کر رہا ہوں، ہر کام کر لیتا ہوں چیف، کھیل تماشوں میں بھی حصہ لے لیتا ہوں اور کبھی کبھی جوا بھی کھیل لیتا ہوں

لیکن چیف جوئے میں میری تقدیر یاوری نہیں کرتی۔ ابھی نشانہ بازی میں حصہ لیا تھا۔ میرا نشانہ خاصا اچھا ہے، یوں سمجھیں کہ اس جزیرے پر بس پستول میرا ساتھی ہے لیکن ظاہر ہے مجھ سے اچھے نشانہ باز بھی پڑے ہوئے ہیں، میں سو ڈالر ہار گیا، آپ یقین کریں چیف، اتنا رنج ہوا تھا مجھے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔"

"سو ڈالر ہارنے کا؟"

"ہاں چیف، میرے لئے ایک ایک پیسہ بے حد قیمتی ہے، میں نے کوئی خیمہ اس لئے نہیں لیا کہ اس کے اخراجات ادا کرنے ہوں گے۔ مختصر سا کھانا کھاتا ہوں اور بس ایک لباس ہے میرے پاس، میں ضرورت بھی محسوس نہیں کرتا۔ میری خواہش ہے چیف کہ میں بہت ساری دولت جمع کر لوں۔"

"ہوں اور اس کے بعد مصر لوٹ جاؤ!؟"

"ہاں چیف۔"

"مصر میں تمہارے عزیز و اقارب ہوں گے؟"

"نہیں چیف کوئی نہیں ہے۔"

"محبوبہ بھی نہیں؟" میں نے مسکرا کر سوال کیا اور اس نے گردن جھکالی۔

"نہیں چیف۔ ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔"

"انوکھے انسان ہو، بہرصورت بہروز اس لئے نہیں کہ تم میرے گائڈ بنے ہو، بلکہ تمہاری شخصیت ایسی ہے کہ تم مجھے بے حد پسند آئے ہو۔"

"میں آپ کا شکر گزار ہوں چیف، ویسے ایک بات میں آپ سے بھی عرض کروں؟"

"ہوں ہوں ضرور۔" میں نے دلچسپی سے کہا۔

"چیف یہاں آنے والے اچھے لوگ نہیں ہوتے، مجھے نہ آپ چرس کے سوداگر نظر آتے ہیں اور نہ ہی بردہ فروش، جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ شکل سے غلام لگتے ہیں اور میں محسوس کرتا ہوں کہ ان سے آپ کا کوئی قریبی ذہنی رابطہ بھی نہیں ہے اس کے بعد یہ سوال میرے ذہن میں تشنہ رہ جاتا ہے کہ آپ یہاں کیوں آئے؟ چیف، انسانوں کی تھوڑی سی تمیز مجھے بھی ہے، آپ ان برے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ برے لوگوں میں جذبہ ہمدردی یا دوستی نہیں ہوتا، وہ تو صرف اپنی مطلب براری چاہتے ہیں اور دوسرے کو حقیر نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ کے اندر ایسی کوئی بات موجود نہیں ہے۔ کیا آپ مجھے یہ نہیں بتائیں گے چیف کہ آپ یہاں کیسے آ گئے؟"

"طویل کہانی ہے بہروز۔ تم سے چھپانے کو بھی جی نہیں چاہتا لیکن خوفزدہ بھی ہوں اپنے حالات سے۔"

"میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا چیف لیکن بہروز برا انسان نہیں ہے، آج نہ سہی

جب بھی دل چاہے آپ اس پر مکمل اعتبار کر لیں اور اسے اپنے بارے میں بتا دیں۔"

"ٹھیک ہے تم وعدہ کر چکے ہو کہ راتیں میرے ساتھ ہی گزارو گے' کسی وقت اس موضوع پر بھی بات کر لیں گے' میں آخری بار کہہ رہا ہوں بہروز کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔"

"میں بے حد شکر گزار ہوں چیف۔" بہروز نے جواب دیا۔

ہم لوگ جس راستے سے گئے تھے اس سے واپس نہیں آئے تھے بلکہ ہم نے ایک دوسری سمت اختیار کی تھی۔ یہاں جگہ جگہ کھیل تماشے ہو رہے تھے۔ بے کار لوگ فالتو اوقات میں وقت گزاری کے لئے کچھ نہ کچھ کر لیا کرتے تھے' ویسے میں نے محسوس کیا تھا کہ یہاں ہر قدم پر جوا ہوتا ہے' کسی نہ کسی شکل میں' ایک جگہ میں نے نشانہ بازوں کا اجتماع دیکھا۔ بہروز کو نشانہ بازی سے کافی دلچسپی معلوم ہوتی تھی۔ اس نے گولیوں کی آواز سن کر کہا۔

"چیف ذرا ایک منٹ' اگر آپ بور نہ ہوں تو۔"

"نہیں نہیں چلو۔" میں نے جواب دیا اور ہم لوگ نشانہ بازی کے اس مجمعے میں جا کھڑے ہوئے۔

میکسیکو کے دو باشندے ایک مخصوص ٹارگٹ پر نشانہ لگا رہے تھے' ایک میز بچھی ہوئی تھی جس پر ڈالروں کی گڈیاں سجی ہوئی تھیں۔ غالباً مقابلہ جوئے کی شکل میں ہو رہا تھا۔ میکسیکو کے دونوں باشندے ابھی تک بڑی بڑی رقمیں جیت چکے تھے۔ ایک لمحے کے لئے دل میں امنگ اٹھی کہ میں بھی اس مقابلے میں حصہ لوں' بہروز مجھ سے زیادہ بے چین نظر آ رہا تھا۔ میکسیکو کے دونوں باشندے وہاں کھڑے ہوئے تمام لوگوں کو نشانہ بازی کے لئے چیلنج کر چکے تھے۔ بہروز نے میری طرف دیکھا اور بولا۔

"میں بھی کوشش کروں چیف۔ بس سو ڈالر لگاؤں گا' جو ہو گا دیکھا جائے گا۔" وہ آگے بڑھا' میں بھی اس کے ساتھ آگے بڑھنے لگا تھا۔ بہروز نے جیب سے سو ڈالر کے نوٹ نکال کر میز پر رکھ دیئے اور کنڈیکٹر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کس کے ساتھ نشانہ بازی کرو گے؟"

"جس کا دل چاہے۔" اس نے جواب دیا اور میکسیکو کا باشندہ اس کی جانب مڑ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ طویل القامت اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں والا شخص' خاصا خطرناک معلوم ہوتا تھا۔

"صرف سو ڈالر؟" اس نے حقارت بھرے انداز میں کہا۔

"میری یہی پوزیشن ہے۔ ماسٹر' اگر آپ پسند کریں تو....." بہروز نے نرم لہجے میں کہا اور اس کے بعد کوئی تناؤ نہ رہا میکسیکو کے باشندے نے ہنستے ہوئے پستول اٹھایا اور بہروز

کی جانب دیکھنے لگا۔ "آجاؤ۔" بہروز آگے بڑھ گیا۔ میکسیکو کے باشندے نے بھی سو ڈالر نکال کر بہروز کی گڈی کے ساتھ رکھ دیئے۔ میں دلچسپی سے یہ نشانہ بازی دیکھنے لگا۔ تین ٹارگٹ مقرر کیے گئے تھے' چنانچہ پہلے ٹارگٹ پر دونوں نے نشانہ لگایا اور دونوں کا نشانہ بالکل صحیح بیٹھا۔ دوسرے ٹارگٹ پر بہروز کا نمبر کم رہ گیا۔ اب تیسرا اور آخری ٹارگ تھا۔ چنانچہ بہروز نے دھڑکتے دل کے ساتھ اس ٹارگٹ پر نشانہ لگایا اور اس کے بعد میکسیکن نے۔

بہروز ہار گیا تھا۔ اس کا چہرہ اتر گیا اور وہ جھینپی سی مسکراہٹ کے ساتھ پیچھے ہٹ آیا۔

"میں نے کہا نا ماسٹر۔ جوئے میں میری تقدیر ساتھ نہیں دیتی۔"

"ہوں۔ ذرا اپنا یہ پستول مجھے دکھاؤ بہروز۔" میں نے کہا اور بہروز نے پستول میرے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے اس کی شست دیکھی اور پھر میں خود بڑھ آیا۔ میں نے جیب سے پانچ سو ڈالر کے نوٹ نکال کر میز پر رکھے تھے۔ کنڈیکٹر نے جلدی سے یہ نوٹ سنبھال لیے اور مجھ سے وہی سوال کیا جو بہروز سے کیا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"جس کا دل چاہے مقابلہ کر لے' میں ہارنا چاہتا ہوں۔" وہی میکسیکن' جس نے بہروز سے مقابلہ کیا تھا میرے قریب آ گیا اور تمسخرانہ انداز میں مجھے دیکھتا ہوا بولا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے مسٹر' ضرور ہاریں۔ ہم کب منع کرتے ہیں۔ اس نے پانچ سو ڈالر کے نوٹ میرے نوٹوں کے ساتھ رکھ دیئے۔ مقابلہ ہوا اور میں بڑے اطمینان کے ساتھ ہار گیا۔ میکسیکن ہنسنے لگا تھا۔

"زبان کے پابند معلوم ہوتے ہو دوست' کیا خیال ہے مزید ہارنا ہے یا بس؟"

"جیسا تم کہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آؤ۔"

اور اس بار میں نے جیب سے ایک ہزار ڈالر نکال کر میز پر رکھے تھے۔ میکسیکن نے بھی اتنی ہی رقم میری رقم میں ملا دی اور اس کے بعد پھر مقابلہ شروع ہوا' اس بار میں پھر ہار گیا تھا' میکسیکن ہنسنے لگا۔ تب میں نے پانچ ہزار ڈالر کے نوٹوں کی گڈیاں نکالیں اور بہروز کا چہرہ اتر گیا۔

"چیف میرا خیال ہے بس کیا جائے۔ آپ ڈیڑھ ہزار ڈالر ہار چکے ہیں۔"

"تھوڑے سے اور ہارنے دو' کیا حرج ہے۔" میں نے جواب دیا۔ میکسیکن بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ ویسے اس دوران میں' میں اس کی نشانہ بازی کا جائزہ لے چکا تھا۔ بہت اعلیٰ نشانہ باز نہیں تھا۔ بس ٹھیک ٹھاک ہی تھا لیکن اس بار میں پانچ ہزار ڈالر ہارنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ دو دفعہ اس کے ساتھ نشانہ بازی کر کے میں نے اس کے بارے میں اندازہ لگا لیا تھا۔

میں نے پستول میں کارتوس ڈالے اور شست لے کر کھڑا ہو گیا۔ ٹارگٹ پر نمبر بنے ہوئے تھے۔ ایک سے لے کر سو نمبر تک تھے۔ ایک نمبر بہت باریک اور درمیانہ تھا لیکن دوران میں اس میں ایک بھی سوراخ نہیں ہوا تھا۔ بات ستر اسی اور پچاس تک چل رہی تھی لیکن اس بار میں فیصلہ کر چکا تھا کہ میکسیکن کو نیچا دکھانا ہے۔ چنانچہ میں نے پہلی بار نشانہ لگایا اور ستر نمبر کے خانے میں سوراخ ہو گیا۔ میکسیکن نے نشانہ لگایا اور چالیس تک پہنچ گیا۔ دوسری بار میں نے نشانہ لگایا تو میرا یہ نشانہ تیس پر تھا۔ بہروز خوشی سے اچھل پڑا لیکن میکسیکن اب سنبھل گیا تھا۔ اس نے نشانہ لگایا اور انتہائی کوشش کرنے کے بعد بیس تک آگیا۔ میرا تیسرا نشانہ دس پر تھا اور میں نے یہ بھی رسک لیا تھا۔ میں اگر چاہتا تو نمبر ایک تک جا سکتا تھا لیکن اس طرح مقابلے کی موجودہ شکل ختم ہو جاتی۔

میکسیکن نے مجھے بغور دیکھا۔ اب اس کے چہرے پر کسی قدر گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے۔ تیسرا نشانہ اس نے لگایا اور وہی ہوا جس کا مجھے یقین تھا۔ اس کا یہ نشانہ پچاس پر تھا۔ بہروز خوشی سے اچھل پڑا۔ اور کنڈیکٹر کی جانب لپکا۔ کنڈیکٹر نے پانچ پانچ ہزار ڈالر کے نوٹ ہماری جانب بڑھا دیئے تھے۔ بہروز نے پھرتی سے انہیں اٹھا لیا۔ میکسیکن اب کسی قدر جھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس نے میرے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا خیال ہے دوست' بس یا کچھ اور؟"

"جیسی تمہاری مرضی۔"

"میری مرضی نہیں۔ یہ تو اصول کی بات ہے۔ تمہیں کم از کم دس راؤنڈ کھیلنا ہوں گے اور ان دس راؤنڈ میں جو بھی فیصلہ ہو۔"

میں نے بڑے اطمینان سے گردن جھکا دی تھی۔ اس بار بھی بازی پانچ پانچ ہزار کی رہی اور میں نے نہایت اطمینان سے یہ بازی جیت لی۔ دس سے نیچے تک میں ابھی نہیں گیا تھا جبکہ میکسیکن کوشش کر کے پندرہ تک آ پہنچا تھا۔ ساتویں بازی میں میرے پاس تقریباً ساٹھ ہزار ڈالر جمع ہو چکے تھے اور میکسیکن کے چہرے پر خونخوار تاثرات نظر آ رہے تھے۔ آٹھویں بازی لگائی گئی اور میکسیکن نے مجبور کیا تھا کہ اس بار ہم بیس بیس ہزار ڈالر کی بازی لگائیں۔

میرے پاس تو اب جیتی ہوئی رقم ہی اتنی موجود تھی کہ میں اس بار آسانی سے ہار سکتا تھا۔ آٹھویں بازی میں بیس بیس ہزار ڈالر کی رقم لگائی گئی اور اس بار میں نے ایک نمبر کو داغ دیا۔ جب کہ میکسیکن پھر ستر نمبر پر واپس چلا گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنا پستول نیچے پھینک دیا اور دونوں شانے ہلا کر واپس مڑ گیا۔

"بس........"

"کیوں مسٹر باقی دو بازیاں نہیں؟"

"نہیں۔" اس نے غرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ میں اگر چاہتا تو اصولی طور پر اس کو مجبور کر سکتا تھا۔ خواہ دس دس ڈالر کی بازی ہی لگائی جاتی لیکن میں نے بھی مناسب نہیں سمجھا تھا' بہروز کا چہرہ مسرت سے گلنار ہو رہا تھا۔ اس نے تمام نوٹ فوراً ہی اکٹھے کیے اور اپنی جیبوں میں ٹھونس لئے۔ میں نے ذرا بھی تعرض نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد ہم دونوں وہاں سے واپس چل پڑے تھے بہت سے لوگ ہماری جانب متوجہ ہو گئے تھے

"بہت بڑی بازی جیتی ہے آپ نے ماسٹر۔ آپ تو قیامت کی چیز نکلے' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن میرا یہ تجربہ بھی ہے ماسٹر کہ جو لوگ خاموش رہتے ہیں۔ بے حد عجیب ہوتے ہیں' اب تو میرے دل میں آپ کے لئے کچھ اور جاننے کا اشتیاق بھی بڑھ گیا ہے۔"

وہ پر مسرت انداز میں کہہ رہا تھا۔ اور میں مسکراتا ہوا اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ مجھے بھی اپنے جیتنے کی خوشی تھی۔ اب تو اچھی خاصی رقم میرے پاس جمع ہو گئی تھی۔ ویسے اگر میں چاہتا تو یہاں کے ہنگاموں میں دلچسپی لے کر اچھی خاصی رقم بنا سکتا تھا بہروز بار بار نوٹوں کی گڈیوں کو تھپ تھپانے لگتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ رقم اس کی اپنی ہو۔

چار بجے کے بعد نیلام شروع ہو گیا اور میں نے انسانوں کو بکتے ہوئے دیکھا۔ غلام باڑوں کے سامنے لکڑی کے بڑے بڑے تخت ڈال دیئے گئے تھے۔ غلام عقب سے آتے اور ان تختوں پر کھڑے ہو جاتے' نیلام کرنے والا ان کی کچھ......... خصوصیات بتاتا اور اس کے بعد ان کی نیلامی شروع ہو جاتی۔ میں نے انسانیت کی یہ تذلیل زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی۔ اس سے قبل صرف سنا ہی تھی لیکن آج میں نے گوشت پوست کے جسموں کو بکتے ہوئے دیکھا تھا' میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ پھر کچھ لڑکیاں بھی فروخت کی گئیں جنہیں بڑے شوق سے خریدا گیا تھا نوجوان لڑکیاں تھیں اور شرم و حیا سے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ ظاہر ہے وہ درحقیقت غلام نہیں تھیں بلکہ حالات کا شکار ہو کر یہاں تک پہنچ گئی تھیں۔ میں ان کی بد قسمتی پر کڑھتا رہا۔ میں کچھ نہیں کر سکتا تھا' کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ زمانہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا تھا۔ روایتیں آج بھی جوں کی توں ہیں' بس کچھ شکلیں بدل گئی ہیں۔ سب کچھ جدید ہو گیا ہے اور میں اس جدید دور کو کوستا ہوا وہاں سے واپس آیا۔

طبیعت پر تکدر چھا گیا تھا لیکن بہروز اب بھی بہت خوش نظر آ رہا تھا' خیمہ گاہ میں پہنچ کر اس نے نوٹوں کی تمام گڈیاں نکال کر میرے سامنے ڈال دیں۔

"مبارک باد پیش کرتا ہوں ماسٹر۔ اچھی خاصی رقم جیت لی' ویسے میں نے محسوس کیا ہے کہ نیلام گھر سے واپسی کے بعد آپ کچھ ست ہو گئے ہیں۔"

"ہاں بہروز۔ انسان کی خرید و فروخت میرے لئے دکھ کا باعث ہے۔" میں نے کہا۔

بہروز نے گردن جھکا لی' چند ساعت خاموش رہا پھر بولا۔

"میں تو عادی ہو چکا ہوں چیف۔ ابتدا میں میری بھی یہی کیفیت ہوئی تھی۔ ویسے

چیف تمہارا نشانہ بے حد شاندار ہے۔ میرا خیال ہے تم یہاں بے شمار لوگوں کو قلاش کر کے واپس جا سکتے ہو۔ ایسا انوکھا نشانہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ تمہیں اپنے ہاتھ پر قدرت حاصل ہے' تم ہر گولی ایک نمبر پر مار سکتے تھے لیکن تم آہستہ آہستہ ان لوگوں کو اشتعال دلا رہے تھے۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا پھر میں نے دس ہزار ڈالر کے نوٹ نکالے اور ان کی گڈی بہروز کی طرف بڑھا دی۔

"لو بہروز یہ رکھ لو۔" بہروز ایک بار پھر ششدر رہ گیا تھا۔

"یہ ...... یہ کیوں چیف؟"

"بس یہ تمہارا کمیشن ہے۔"

"نہیں چیف۔ اس سلسلے میں' میں نے کچھ نہیں کیا' چنانچہ میں اس کمیشن کو لینے کا حق دار نہیں ہوں اور چیف آپ یقین کریں یا نہ کریں مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ رقم میں نے ہی جیتی ہے۔ نہیں چیف' میں آپ کی محبت سے کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا۔ میں...... میں خود بھی اتنا گرا ہوا انسان نہیں ہوں چیف بس حالات کی بات کہیں۔" اس کی آواز میں ایک کرب ناک سی کیفیت ابھر آئی اور میں نے اسے شانوں سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

"بہروز مجھے اپنے بارے میں نہیں بتاؤ گے؟"

"بتاؤں گا چیف۔ خدا کے لئے ابھی کچھ مت پوچھو۔ موقع آنے دو۔" اس نے جواب دیا۔

"یہ نوٹ رکھ لو۔ میں فیصلہ کر چکا تھا۔ بلکہ جس وقت جیتا تھا اس وقت میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس میں سے دس ہزار ڈالر تمہارے ہوں گے۔"

"چیف میرے ضمیر پر چوٹ پڑے گی۔ میں برداشت نہیں کر سکوں گا۔"

"بہروز۔ ضمیر بہت اچھی چیز ہے' لیکن تم جس مقصد کے لئے آئے ہو اسے پورا کرو اور ان فضول باتوں میں نہ پڑو۔" میں نے اسے مجبور کیا تو اس نے نوٹ اٹھا کر جیب میں رکھ لئے لیکن اس کی کیفیت عجیب تھی اور اسی رات وہ خیمہ گاہ میں میرے خیمے میں آ گیا۔ آج شاید وہ کہیں نہیں گیا تھا۔

کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد اس نے جیب سے تیس ہزار ڈالر کے نوٹوں کی گڈیاں نکالیں اور میرے سامنے رکھ دیں پھر دوسری جیبوں میں ہاتھ ڈال کر تقریباً بارہ ہزار ڈالر اور نکالے اور میری طرف بڑھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"یہ ہوئے کل بیالیس ہزار ڈالر چیف' اور میرا خیال ہے میرے دل میں اس سے زیادہ کمانے کی آرزو نہیں تھی۔ میری تقدیر میرا ساتھ دے رہی ہے کہ یہ رقم میرے پاس جمع ہو گئی' ورنہ نجانے کتنا عرصہ لگ جاتا۔ نجانے میں اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوتا یا

نہیں۔"

"کیا مقصد ہے تمہارا بہروز۔ یہ تو بتاؤ؟"

"ابھی نہیں بتاؤں گا چیف' ابھی نہیں بتاؤں گا۔ کسی قیمت پر نہیں بتاؤں گا۔" اس نے جواب دیا۔

"خیر..... یہ نوٹ کیوں نکالے ہیں؟"

"چیف' میری خواہش ہے کہ تم انہیں اپنے پاس رکھ لو۔ میرے پاس یہ غیر محفوظ رہتے ہیں' اتنی بڑی رقم لے کر میں منحنی سا آدمی گھوم پھر نہیں سکتا۔ میں ان کی حفاظت نہیں کر سکتا چیف' اور ایک عرض میں اور کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو؟"

"میں نے آپ سے عرض کیا تھا' نا چیف کہ میں آپ کو پورا دن نہ دے سکوں گا اور اپنا کاروبار کرتا رہوں گا لیکن چیف اس رقم کی موجودگی کے بعد میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"بس چیف مجھے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا نے چاہا تو اس میں میرا کام بن جائے گا۔"

"تمہاری مرضی ہے بہروز۔ میری طرف سے تم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ پیسہ کمانے آئے ہو تو اس کا کوئی ٹارگٹ نہ بناؤ جس قدر حاصل کر سکتے ہو کر لو۔"

"نہیں چیف بس مجھے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے میں آپ کو کسی طور پریشان نہیں کروں گا لیکن بس اب میں آپ کے ساتھ ہوں۔ جب تک آپ یہاں قیام کرنا چاہیں کریں اور جب واپس جائیں تو پھر دیکھا جائے گا۔"

میں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ دو تین دن میں نے اس جزیرے پر اسی انداز میں گزارے۔ اس کے بعد میں نے کسی مقابلے میں حصہ نہیں لیا تھا۔ میں زیادہ لوگوں کو اپنی جانب متوجہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ گلاب اور اس کے ساتھی بس زندگی گزار رہے تھے۔ ویسے میں نے انہیں بھی اچھی خاصی رقم دے دی تھی اور اجازت دی تھی کہ وہ جزیرے پر گھومنا چاہیں تو گھوم سکتے ہیں' وہ نکل بھی جاتے تھے۔ تھوڑی بہت خریداری بھی کی تھی انہوں نے اپنے لئے۔ بس معمولی معمولی سی چیزیں' بہت مختصر سی خواہشات تھیں ان کے سینوں میں یقینی طور پر ان کے دلوں میں ایک ہی لگن ہو گی کہ کسی طرح وہ اپنے اپنے وطن پہنچیں۔ میں خود بھی یہی چاہتا تھا لیکن ابھی حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھانا تھا۔ ان بے چاروں کو کیا معلوم کہ میں کس طرح دشمنوں میں گھرا ہوا ہوں اور یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میرے دشمن ممکن ہے مجھے تلاش کرتے ہوئے

یہاں پہنچ گئے ہوں' نجانے کن کن حالات سے گزر کر ہمیں آزادی نصیب ہو سکے۔ بہروز اب ہر وقت میرے ہی کیمپ میں رہتا تھا۔ ابھی تک میرا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا تھا۔ سیر و تفریح میں بھی دلچسپی لیتا تھا۔ کشتیوں کے مقابلے ہوتے۔ مارشل آرٹس کے مقابلے ہوتے۔ دل تو چاہتا کہ کبھی میں بھی کسی تفریح میں حصہ لوں لیکن میں نے یہ کوشش نہیں کی تھی اور مقصد یہی تھا کہ میں اپنے آپ کو نمایاں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کسی سے کوئی دشمنی مول نہیں لینا چاہتا تھا پھر ایک شام میں نے بہروز سے اس موضوع پر بات کی۔ "بہروز' اس جزیرے پر آئے ہوئے مجھے کئی دن گزر گئے ہیں۔ میں یہاں کا ماحول اور یہاں کے حالات دیکھ چکا ہوں۔ یہ عجیب و غریب جزیرہ میرے لئے انتہائی تعجب خیز ہے لیکن بہر صورت اب میں یہاں سے جانے کا خواہش مند ہوں۔"

"اتنی جلدی چیف؟" وہ چونک پڑا۔

"ہاں کیوں۔ تم کیا چاہتے ہو؟"

"نن نہیں چیف۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ بس آپ سے' آپ سے ذرا طبیعت لگ گئی ہے۔"

"تم اگر چاہو تم میرے ساتھ واپس چلو بہروز' میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں مشکلات میں نہ پڑنے دوں گا۔ تمہاری دولت کمانے کی خواہش بھی پوری ہو سکتی ہے' بس باقی تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔" اس کے چہرے پر غم و اندوہ کے آثار پھیل گئے اور وہ غمگین لہجے میں بولا۔

"نہیں چیف سوری' میں ابھی یہاں سے نہیں جا سکتا۔"

"ہوں' تمہاری مرضی ہے میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا لیکن اب میں تمہارے سپرد یہ ذمہ داری کرنا چاہتا ہوں کہ تم میری واپسی کا بندوبست کرو' اس کے کیا ذرائع ہوتے ہیں۔"

"جہاز آتے ہیں اور جاتے رہتے ہیں چیف۔ میں معلوم کر لوں گا کہ تازہ ترین روانگی کس جہاز کی ہے۔ اگر معلومات حاصل ہو جاتی ہیں تو پھر میں بات کئے لیتا ہوں۔ پوچھ لوں گا کہ وہ کہاں جائیں گے اور اتنے افراد کو کسی مناسب جگہ چھوڑنے کا کیا معاوضہ لیں گے۔"

"ہاں بہروز۔ فوری طور پر یہ معلومات حاصل کرو۔"

"کل ہی لیجئے چیف' میں تمام تفصیلات مہیا کر دوں گا آپ کو۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

دوسرے دن بہروز صبح کو ناشتہ کرنے کے بعد چلا گیا تھا۔ شام تک وہ واپس نہ آیا۔ شام کو ساڑھے سات بجے کے قریب جب وہ ہماری خیمہ گاہ میں واپس پہنچا تو اس کا چہرہ بگڑا

طرح اترا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اضطراب کی لہریں تھیں اور وہ بہکا بہکا سا نظر آ رہا تھا۔ اس نے مجھے کسی قدر نڈھال لہجے میں بتایا۔

"آج سترہ تاریخ ہے باس۔ دو تاریخ کو ڈمبارا نامی جہاز یہاں سے روانہ ہو رہا ہے۔ گویا سب سے پہلے جہاز کی روانگی میں ابھی پندرہ دن باقی ہیں۔ اس سے قبل کوئی جہاز نہیں جا رہا۔ ڈمبارا کا کپتان ایک افریقی کرچن ہے۔ میں نے ابھی...... اس تک رسائی تو نہیں حاصل کی لیکن اس کے نائب سے میری ملاقات ہو چکی ہے۔ نائب کا کہنا ہے کہ ڈمبارا مصر کے ساحلی علاقوں سے گزرے گا اور سویز کے ایک مخصوص کنارے پر جو آبادیوں سے تقریباً ستر میل دور ہے کچھ لوگوں کو چھوڑے گا۔ نائب نے کہا ہے کہ وہ بارہ پندرہ آدمیوں کے لئے گنجائش نکال سکتا ہے اور اس کے خیال میں کپتان فی آدمی کم از کم چھ ہزار ڈالر مانگے گا' چیف میرا خیال ہے پانچ پانچ ہزار ڈالر میں معاملہ طے ہو سکتا ہے لیکن کیا تم مصر جانا پسند کرو گے۔ وہاں سے تمہیں اپنے وسائل سے کام لینا ہو گا۔"

"وہ تو تمہارا ملک ہے بہروز۔"

"ہاں چیف وہ میرا ملک ہے' میرا وطن ہے وہ۔" بہروز نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"پھر تم نے کیا کیا اس سلسلے میں؟"

"چیف آپ سے بات کیے بغیر میں نے اسے کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ کیا اتنی رقم دے کر آپ یہاں سے روانہ ہونے کے لئے تیار ہیں؟"

"سو فی صد۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"بس ٹھیک ہے چیف۔ میں اس سے بات کر لوں گا۔ میں نے اس سے یہی کہا ہے کہ کل جواب دوں گا۔ ہمارے کتنے افراد ہیں چیف؟"

"پندرہ۔ تمہیں علم ہے اور اگر تم خود بھی ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ تو پھر سولہ افراد۔" میں نے جواب دیا اور بہروز نے دوسری طرف رخ بدل لیا۔

"بہروز کیا بات ہے؟" میں نے اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف موڑا۔ بہروز کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے۔

"اوہ ڈیئر۔ تمہاری مصروفیت میری سمجھ میں نہیں آئی' اگر تم مجھ پر بھروسہ کر کے مجھے اپنے بارے میں بتا دیتے تو یقیناً میں تمہارے لئے کسی طور غلط نہ ثابت ہوتا۔ اس دنیا میں تو ہر شخص کو کسی نہ کسی ہمدرد اور ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے بہروز۔ تنہا کوئی بھی زندگی اور حالات سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تم اگر مجھے یہ بتا دیتے کہ تمہارا یہاں رکنے کا کوئی خاص مقصد ہے تو برا نہ ہوتا بہروز۔ میرا خیال ہے میں تمہیں اپنے بارے میں بھی تفصیل سے بتا ہی دوں۔"

"چیف میں کچھ دیر کی اجازت چاہتا ہوں۔" بہروز نے کہا۔

"اوہو جانا ہے کہیں۔ ویسے تم میری روانگی سے ہی پریشان ہو یا اور کوئی بات بھی ہے؟"

"چیف مجھے اجازت دے دیجئے۔" اس نے عاجزی سے کہا اور میں حیرانی سے اس کی صورت دیکھنے لگا پھر میں نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے، بہروز' اگر تم جانا چاہتے ہو تو ضرور جاؤ۔ واپسی کب تک ہو جائے گی؟"

جلدی کوشش کروں گا چیف لیکن اگر دیر ہو جائے تو محسوس نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ بہروز آج مجھے ضرورت سے زیادہ ہی پریشان نظر آ رہا تھا اور میں اس کی پریشانی کی وجہ جاننے سے قاصر تھا۔ میرے ذہن میں کرید لگی ہوئی تھی۔ اس نوجوان سے واقعی مجھے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ ویسے میری نگاہ میں اس کی شخصیت بھی پراسرار تھی۔ بظاہر شریف النفس سا آدمی لگتا تھا۔ دولت کمانے کی ہوس بھی اس میں اتنی زیادہ نہیں تھی لیکن اس کی باوجود وہ یہاں رکنا چاہتا تھا بلکہ اب تو اس نے کمانا چھوڑ ہی دیا تھا اور میرے ساتھ ہی رہتا تھا لیکن پھر یہاں رکنے کا مقصد' کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ رات کے کھانے کے بعد میں آرام کرنے لیٹ گیا۔ جہاز کے بارے میں' میں نے جو کچھ تفصیل سنی تھی اس نے واقعی مجھے مسرور کر دیا تھا پھر میں نے یہ خوشخبری گلاب اور اس کے ساتھیوں کو بھی سنانا ضروری سمجھی بے چارے بڑے صبر و سکون سے گزر کر رہے تھے۔ ایک بار بھی انہوں نے یہ سوال نہیں کیا تھا کہ اب میرا کیا ارادہ ہے۔ وہ مجھ پر مکمل اعتماد کرتے تھے' چنانچہ میں اس اعتماد کو مجروح ہونے نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کی ذہنی پریشانیاں عروج پر پہنچ جائیں اور وہ میرے بارے میں غلط انداز میں سوچنے لگیں۔ چنانچہ میں اٹھ کر ان کے پاس پہنچ گیا۔ وہ سب گفتگو کر رہے تھے۔

"کیا بات چیت ہو رہی ہے دوستو؟" میں نے سوال کیا۔ تو ان کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کوئی خاص نہیں۔" گلاب نے جواب دیا۔ "بس یونہی' ہم اپنی اپنی باتیں کر رہے تھے۔" گلاب کہنے لگا۔

"ہوں۔ جزیرہ بادیان دیکھا تم لوگوں نے؟"

"ہاں منصور۔ بڑی عجیب جگہ ہے' سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ روئے زمین پر ایسی ایسی جگہیں بھی موجود ہیں۔"

"ہاں گلاب' اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ یہ جزیرہ اپنی طرز کا انوکھا ہے۔ اسے دیکھ کر قدیم داستانیں ذہنوں میں زندہ ہو جاتی ہیں۔ ہم ان داستانوں کو صرف قصے کہانیوں میں پڑھتے رہے ہیں۔ کون جانتا تھا کہ یہ اب بھی اسی طور زندہ ہیں۔" پھر میں نے انہیں یہاں

سے روانگی کے انتظامات کے بارے میں بتایا تو وہ خوشی سے کھل اٹھے۔

میں ان کی خوشیوں میں کافی دیر تک شریک رہا پھر اپنے خیمے میں واپس آ گیا اور آرام کرنے لیٹ گیا تھا۔ دیر تک بہروز کا انتظار "کرتا رہا" پھر نیند آ گئی لیکن دوسری صبح بھی بہروز کو موجود نہ دیکھ کر میں چونک پڑا۔

"ارے بہروز نہیں آیا؟" میں نے گلاب سے سوال کیا۔

"نہیں منصور بھائی۔ رات کو وہ نہیں پہنچا۔"

"کمال ہے' کہہ کر تو یہ گیا تھا کہ واپس آ جائے گا۔ نجانے کن چکروں میں الجھا ہوا ہے یہ شخص۔ کاش یہ میرے ساتھ ہی روانہ ہو سکتا۔ میں نے سوچا اور پھر دوپہر تک میں بہروز کا انتظار کرتا رہا' جب وہ اس وقت بھی نہ پہنچا تو میں اس کی تلاش میں نکل گیا' جزیرے کے مختلف حصوں میں' میں مارا مارا پھرتا رہا لیکن بہروز کا کہیں پتہ نہیں چلا تھا۔ مجھے تشویش لاحق ہو گئی' یہاں کے حالات میں اپنی نگاہوں سے دیکھ چکا تھا۔ جگہ جگہ جھگڑے ہوتے نظر آتے' خنجر زنی ہوتی اور ایک دو آدمی ہلاک ہو جاتے۔ ایسے کئی واقعات میری نگاہوں میں آ چکے تھے معمولی معمولی سے جھگڑے ہوتے تھے لیکن ان کے نتائج بڑے سنگین ہوتے تھے۔ یہاں کوئی قانون نہیں تھا بس جس کا دل چاہتا کسی سے بھی الجھ پڑتا۔ طاقتور ہوتا تو فتح حاصل کر لیتا۔ کمزور ہوتا تو شکست کھاتا۔ کہیں بہروز بھی کسی حادثے کا شکار تو نہیں ہو گیا۔ تقریباً پانچ بجے جب میں اپنی خیمہ گاہ میں واپس پہنچا تو بہروز آ چکا تھا۔

اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا' آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا اور میں بے چینی اور پریشانی سے اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"ارے بہروز۔ بہروز سنبھالو بھئی خود کو...... کیا بات ہے بہروز' مجھے نہیں بتاؤ گے؟" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا اور اس نے عجیب سے انداز میں اپنا سر میرے سینے پر لگا دیا۔

"چیف' ماسٹر میرا مشن ختم ہو گیا۔ میرا مشن ختم ہو گیا۔" وہ بلک بلک کر رونے لگا۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا' بس میں بچوں کے سے انداز میں اسے تسلیاں دے رہا تھا کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ بمشکل تمام میں بہروز کو خاموش کرانے میں کامیاب ہو سکا۔ اس کے دل کا غبار نکل چکا تھا اور اب وہ کسی قدر پر سکون نظر آ رہا تھا۔

"میں نے بڑی جدوجہد کی ماسٹر' میں نے اتنا کچھ کیا کہ میں نہیں کر سکتا تھا لیکن تقدیر میرا ساتھ نہ دے سکی' میرا بھائی میرا انتظار نہیں کر سکا' وہ سب کچھ ہو گیا جو میں نہیں چاہتا تھا۔"

"تمہارا بھائی؟"

"ہاں منصور میرا بھائی' میرا سعید۔" اس نے کہا اور ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے

آنسوؤں کے سوتے پھوٹ پڑے' میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"بہروز میں بدنصیب ہوں کہ تمہاری پریشانی اور تمہارے درد سے ناواقف ہوں۔ تمہیں خود سے اتنا قریب پاتا ہوں بہروز کہ بیان نہیں کر سکتا لیکن اس کے باوجود تم سے اجنبی ہوں' کیا تم مجھے اپنے بارے میں نہیں بتا سکتے' میری خواہش ہے بہروز کہ تم مجھے اپنی پریشانی اور درد بتا دو۔"

"بدنصیب میں ہوں چیف کہ اب اس ساری دنیا میں میرا کوئی نہیں' بس ایک بھائی تھا میرا' وہ بھی موت کے بے رحم شکنجے میں جا پھنسا اور اب وہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو گیا ہے۔"

"کہاں تھا تمہارا بھائی؟"

"یہیں اسی جزیرے پر۔"

"بادیان پر؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"کہاں تھا وہ؟" میں حیرت سے بولا۔

"ایک غلام باڑے میں۔ غلام کی حیثیت سے۔" اس نے جواب دیا اور میں ششدر رہ گیا۔ یہ انکشاف میرے لئے واقعی حیرت ناک تھا۔

"بہروز براہ کرم مجھے تفصیل بتاؤ؟"

"اب رہ کیا گیا ہے چیف۔ اب کیا رہ گیا ہے میرے لئے اس زندگی میں' میں تنہا رہ گیا ہوں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔" اس نے کہا اور آستین سے آنسو خشک کرنے لگا۔ میں نے جلدی سی رومال نکال کر اس کی آنکھوں پر رکھ دیا تھا۔ بہروز روتا رہا پھر اس نے کہا۔

"چیف' سعید برہان میرا بھائی تھا۔ میرا اکلوتا بھائی جس نے مجھے اولاد کی طرح پرورش کیا تھا۔ وہ حالات کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہو گیا تھا کہ اس نے شرافت کی زندگی چھوڑ دی اور برائیوں میں پڑ گیا لیکن مجھے کانوں کان اس کی خبر نہیں لگ سکی تھی پھر چیف' ایک دن یوں ہوا کہ اس نے خود کو جوئے میں ہار دیا۔ کچھ بردہ فروشوں نے اس پر قابو پا لیا۔ اس نے ان سے اجازت لے کر ایک خط لکھا تھا مجھے۔ اس نے ان سے کہا تھا کہ اگر وہ ہاری ہوئی رقم کا بندوبست کر دے تو اسے رہا کر دیا جائے اور انہوں نے میرے بھائی کی یہ بات منظور کر لی لیکن چیف ہمارے حالات ایسے نہ تھے کہ ہم ایک بھاری رقم ادا کر سکتے۔ میرے بھائی نے بڑے درد بھرے انداز میں مجھے ساری تفصیل لکھی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ اگر رقم کا بندوبست نہ ہو سکا تو وہ مجھے نہ مل سکے گا۔ میں نے ہر ممکن کوشش کر لی چیف' اتنی کوشش کر لی کہ اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا لیکن میں اپنے بھائی کی رہائی میں کامیاب نہ ہو سکا مجھے

بلکہ نہیں معلوم تھی جہاں میرا بھائی قید تھا۔ کیونکہ خط میں اس بارے میں کوئی تفصیل لکھی گئی تھی' میں پاگل ہو گیا تھا' میں انتہائی کوشش کرتا رہا لیکن اپنے بھائی کی رہائی ں کامیاب نہ ہو سکا البتہ میری جدوجہد نے مجھے ان لوگوں سے تھوڑی سی واقفیت دلا دی ں جو میرے بھائی کو جیت چکے تھے یہاں تک کہ معلومات کرتے کرتے مجھے پتہ چلا کہ رے بھائی کو جزیرہ بادیان روانہ کر دیا گیا ہے۔ میں نے بادیان کے بارے میں تفصیلات لوم کیں اور اس جزیرے کے بارے میں مجھے مکمل معلومات حاصل ہو گئیں۔ تب میں ے سروسامانی کی حالت میں ایک جہاز کے ذریعے یہاں کے لئے چل پڑا۔ میرے پاس بہت ہولی سی رقم تھی جو میں نے جہاز کے کپتان کو یہاں تک پہنچنے کے لئے ادا کی تھی۔ یہاں ع کر میں اپنے بھائی کی رہائی کی کوششیں کرتا رہا۔ مجھے اپنا بھائی نظر آ گیا تھا۔ میرا بھائی ایک لام باڑے میں قید تھا اور مجھے بے حد مسرت ہوئی۔ وہ ابھی تک فروخت نہیں ہوا تھا اور ں کی وجہ یہ تھی چیف کہ وہ بری طرح بیمار ہو گیا تھا۔ اس کی بیماری شدید تھی اور وہ جن وں کے پاس تھا وہ ایسی باتوں پر توجہ نہیں دیتے۔ میں نے کسی نہ کسی طرح کچھ رقم حاصل رلی اور اس غلام باڑے کے ایک متولی کو تیار کر لیا کہ وہ میرے بھائی کا علاج کرے اس م کے ذریعے میرے بھائی کا چھوٹا موٹا علاج ہوتا رہا مجھے اس کے بارے میں مزید معلومات ں مل سکیں' بس اس رقم سے صرف یہ ہوتا تھا کہ میں کبھی کبھی اپنے بھائی کی شکل دیکھ کرتا تھا لیکن مجھے اس کے قریب جانے کی اجازت نہیں ملی تھی' انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ رے بھائی کو میری یہاں موجودگی کا علم نہیں ہے۔ بہرطور میں اس سے مطمئن تھا پھر میں نے معلومات حاصل کیں چیف کہ میرا بھائی کتنی قیمت میں فروخت ہو سکتا ہے' مجھے پتہ چلا ہ غلاموں کی بلکہ تندرست غلاموں کی قیمت پچیس سے تیس ہزار ڈالر تک ہوتی ہے اور بف' میں اس رقم کے حصول کے لئے کوشاں ہو گیا۔ میں نے دن رات محنت شروع کر ا' جس طرح بھی ممکن ہوتا میں تھوڑی بہت رقم جمع کر لیتا۔ اس طرح چیف میں نے کل رہ ہزار ڈالر جمع کئے۔ یہ ڈالر میں نے جس طرح جمع کیے اس کا آپ تصور نہیں کر سکتے۔ ں نے دنیا کا ہر کام کیا۔ کون سا کام ایسا تھا جو میں نے نہیں کیا۔ سامان اٹھایا۔ مزدوری کی' لوں کی باتیں سنیں اور ہر ممکن کوشش کر لی جسے آپ بھی جانتے ہیں' میں اس کے صحت ب ہونے سے قبل اس کی قیمت جمع کر لینا چاہتا تھا تاکہ جب وہ فروخت ہو تو میں اسے ریدلوں۔ ہاں چیف میں زیادہ سے زیادہ رقم جمع کر لینا چاہتا تھا تاکہ اس کی بڑی سے بڑی بت جو لگائی جائے اس سے کچھ زیادہ ادا کر کے میں اس کا مالک بن جاؤں۔ چیف مجھے ہاری دنیا میں اپنے بھائی کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ وہ میری زندگی کا واحد سہارا تھا یکن تقدیر نے مجھے یہ موقع نہیں دیا۔ کل شام میرا بھائی مر گیا۔ ہاں وہ مر گیا۔ مجھے متولی نے تایا تھا کہ اس کی حالت بہت خراب ہے' میں نے متولی سے درخواست کی تھی کہ مجھے اپنے

بھائی سے دو باتیں کرنے کی اجازت دی جائے لیکن وہ خوفزدہ تھا کہ اگر اس کا مالک اس بات کی بھنک پا جائے گا تو اسے سخت سزا دے گا' چنانچہ اس نے منظور نہ کیا البتہ جب اس کی لاش غلام باڑے سے نکلوا کر ویرانے میں پھینکوا دی گئی تو میں اس کے قریب پہنچ گیا مگر چیف۔" ایک بار پھر بہروز پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میں اس کی کہانی سن کر دنگ رہ گیا تھا۔ میرا دل شدت غم سے بھر گیا تھا مجھے اپنی بہن اور ماں یاد آ گئی تھیں۔ میں بہروز کا بھرپور ہمدرد اور غم گسار تھا جس طرح بھی ممکن ہو سکا میں نے اسے تسلیاں دیں اور پھر میں نے پوچھا۔

"بہروز تم نے اپنے بھائی کی لاش کی تدفین کر دی؟"

"ہاں چیف اسی میں مصروف تھا۔"

"افسوس بہروز۔ تم نے مجھے اس میں شریک نہیں کیا۔"

"چیف' مجھے معاف کر دیں' میری تمام باتوں کے لئے مجھے معاف کر دیں' میں ذہنی طور پر سخت پریشان تھا' میں کس قدر تنہا ہوں' میری کیا حالت ہے اس کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں اب میں اس دنیا میں تنہا ہوں' بالکل تنہا اور چیف کیا تنہا آدمی کو زندہ رہنے کا حق ہے؟ کیا مجھے زندہ رہنا چاہیے' کیا میں اپنے وطن واپس جاؤں' کیا کروں گا وہاں جا کر' کوئی بھی تو نہیں ہے میرا' اس بھائی کے علاوہ میرا کوئی بھی تو نہیں تھا۔" وہ روتا رہا اور میں اسے تسلیاں دیتا رہا اور اسے اپنی آپ بیتی سنائی۔ بمشکل تمام میں اسے سمجھانے میں کامیاب ہوا تھا پھر میں نے اسے پیش کش کی۔

"میری خواہش ہے بہروز کہ تم خود کو پرسکون رکھو' ہم یہاں سے ساتھ ساتھ مصر چلیں گے اور اگر تم پسند کرو تو میرے ساتھ میرے وطن چلنا' تم اس ماحول کو چھوڑ دینا جو تمہیں تمہارے بھائی کی یاد دلاتا رہے گا۔"

بہروز نے گردن جھکا لی۔ میری اس پیش کش کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ رات کو میں نے بہروز کو اپنے ساتھ رکھا اور اس کی دلجوئی کرتا رہا۔ مجھے اس سے بہت ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ صبح کو میں نے اس سے کہا۔ "بہروز! میرے بارے میں اب تم سب کچھ جان گئے ہو اور اب یہ اندازہ لگا سکتے ہو کہ مجھے یا میرے ساتھیوں کو ایک لمحہ بھی اس جزیرے پر ٹھہرنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور اب میں تمہیں بھی یہاں نہیں رکنے دوں گا۔ تم کچھ بھی کہو میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب تم میرے ساتھ رہو گے۔ اس لئے آؤ ہم ڈمبارا کے کپتان سے بات کر لیں اور پھر یہاں سے روانگی کی تیاریاں کرنا ہوں گی۔" اس نے گردن ہلا دی اور ناشتے وغیرہ کے بعد ہم باہر آ گئے۔ میں خاموشی سے بہروز کے ساتھ چل رہا تھا۔

ساحل پر حسب معمول وہی زندگی تھی۔ وہی چہل پہل تھی بہروز نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ اس نے ڈمبارا کے نائب کو تلاش کیا۔ نائب اس وقت ڈمبارا کے کپتان رابرٹ البانو کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ رابرٹ البانو ایک بدنما چہرے کا مالک قوی ہیکل انسان تھا۔ اس نے گہری سیاہ آنکھوں سے ہمیں گھورتے ہوئے کہا۔

"تم ان لوگوں کے لیڈر ہو۔ کیا تم ہی معاملے کی بات کرو گے؟"

"ہاں۔ میں ان کا لیڈر ہوں۔"

"میرے نائب نے مجھے بتایا تھا کہ ایک شخص پندرہ افراد کے ساتھ واپسی چاہتا ہے۔ کیا تم سب مل کر پندرہ ہو؟"

"سولہ۔ ہم کل سولہ افراد ہیں۔"

"معاوضہ وہی چھ ہزار ڈالر فی آدمی ہو گا۔"

"منظور ہے۔" میں نے جواب دیا اور البانو کے ہونٹوں پر بھیانک مسکراہٹ پھیل گئی۔

"لگتا ہے بہت عمدہ کمائی کی ہے۔ کیا لائے تھے؟"

"یہ بتانا ضروری ہے مسٹر رابرٹ؟" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"نہیں۔ یہ ایک دوستانہ سوال تھا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"چرس۔" میں نے نرم ہو کر کہا۔

"اوہ۔ یقیناً یقیناً۔ اس جزیرے پر چرس سب سے قیمتی چیز ہے اور عام قیمت کی نسبت چار گنا قیمت پر فروخت ہو جاتی ہے۔ نہ جانے کیوں لوگ یہاں زیادہ چرس نہیں لاتے۔ بہر حال دوست' ادائیگی پیشگی ہو گی۔ سامان میں ہتھیار ساتھ نہیں جائیں گے۔ سویز کے ایک غیر آباد علاقے میں لانچ سے اتار دیا جائے گا۔ منظور ہے؟"

"ٹھیک ہے یہ باتیں تمہارے نائب نے بتائی تھیں۔"

"اور سنو۔ دو تاریخ سے پہلے بھی اگر جانا چاہو تو بندوبست ہو سکتا ہے۔ میری ایک لانچ دو ایک دن میں پہنچنے والی ہے وہ فوراً واپس جائے گی۔ چونکہ تمہاری تعداد تسلی بخش ہے اس لئے میں تمہیں اس میں بھجوا سکتا ہوں۔"

"یہ اور اچھی بات ہو گی۔"

”تو پھر پیشگی نکالو اور روانگی سے ایک دن قبل پوری ادائیگی کر دو۔ تمہاری بکنگ ہو جائے گی۔“

”یہ دس ہزار ڈالر ہیں۔“ میں نے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اس کے سامنے ڈال دی۔ البانو نے گڈی اٹھا کر جیب میں ٹھونس لی اور نائب سے بولا۔ ”معزز گاہک کے کوائف معلوم کر لو اور ان کی بکنگ کر لو۔“

”ایک بات اور مسٹر البانو۔“ میں نے کہا اور وہ سوالیہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔ ”تم ہمیں لانچ سے بھجواؤ یا جہاز سے یہ بتاؤ کیا اس میں آرام دہ سفر کا بندوبست ہو گا یا ہمیں بھی غلاموں کی طرح اس میں ٹھونسو گے؟“

”نہایت پر سکون اور آرام دہ سفر۔ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ یہ وعدہ رہا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ البانو کے نائب کووب فوسٹد نے ایک رجسٹر میں ہمارا نام درج کیا۔ ہم سے ہماری خیمہ گاہ کے بارے میں معلوم کیا اور پھر ایک شخص کو ہمارے ساتھ کر دیا تاکہ ہماری خیمہ گاہ دیکھ آئے۔ ہم وہاں سے سیدھے خیمہ گاہ پر آئے تھے۔

بہروز کے اب کہیں جانے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ اس کی زندگی کا سب سے بڑا مشن ختم ہو گیا تھا۔ غم و اندوہ کے تاثرات اس کے چہرے پر منجمد ہو گئے تھے۔ وہ دکھوں میں ڈوب گیا تھا اور اس کا دکھ برحق تھا۔ ساری دنیا میں اس کا ایک بھائی ہی تھا اور اب وہ تنہا تھا۔

میں اس کا دکھ بانٹنے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا اور صرف میری وجہ سے وہ بے چارہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہتا تھا دوسرے دن ہم بازار میں جا کر کچھ خریداری کرنے لگے۔

ایک جگہ کشتیاں ہو رہی تھیں' زور آور قوت جسمانی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ ہم تفریحاً وہاں کھڑے ہو گئے۔ بہت سے لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ دفعتاً میری نگاہ ایک شخص پر پڑی اور میں شدت حیرت سے اچھل پڑا۔ میری پھٹی پھٹی آنکھیں اس شخص پر جم گئیں۔ یہ بن سالک تھا۔ سوفی صد وہی تھا۔ اس کی نگاہیں مجمعے میں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

میں نے دفعتاً بہروز کا بازو دبایا اور بہروز مجھے دیکھنے لگا۔

”آؤ۔“ میں آہستہ سے بولا اور وہ پیچھے ہٹ آیا۔

”کوئی خاص بات ہے منصور؟“

”ہاں بہروز۔ آجاؤ واپس چلیں۔“

”چلو۔ مگر بات کیا ہے؟“ بہروز نے میرے انداز میں کوئی خاص بات محسوس کر لی تھی۔

”بن سالک یاد ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”بن سالک؟“ بہروز نے دہرایا اور پھر گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

”نہیں بھول گیا۔“

”وہی شخص جس نے مجھے چرس فروخت کرنے کے لئے دی تھی۔“

”اوہ۔ ہاں یاد آگیا۔“

”وہ یہاں موجود ہے۔“

”یہاں؟“

”ہاں میں نے ابھی اسے دیکھا ہے۔“

”اوہ۔ ممکن ہے تمہاری تلاش میں ہی آیا ہو۔“

”ہاں اس بات کا امکان بھی ہے۔ بہر حال ہمارے ہاتھوں اسے چوٹ ہوئی ہے لیکن ں سے بھڑنا نہیں چاہتا۔ ہم لوگ یہاں سے نکلنے والے ہیں۔ اس وقت کسی دشمن کی ا ہمیں نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔“

”تو پھر؟“

”اب کوئی خاص مسئلہ تو ہے نہیں' ہمیں اپنی خیمہ گاہ میں رہنا چاہیے اور لانچ کا رنا چاہیے۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے لیکن ایک کام کریں منصور۔“

”کیا؟“

”مجھے بتاؤ کون سا ہے وہ؟“ بہروز نے کہا۔

وہ دیکھو۔ وہ جو سیاہ چغہ پہنے ہوئے ہے' وہ دراز قامت شخص۔“ میں نے اشارہ

”جس کے سر پر بھوری عقال ہے۔“

”ہاں وہی۔“

”ٹھیک ہے اب تم خیمہ گاہ میں جاؤ منصور۔ یہ مجھے تو نہیں جانتا۔ میں اس پر نگاہ ا گا۔“

”کیا مطلب؟“

”مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے منصور لیکن یہ جائزہ لینا ضروری ہے کہ یہ کس مقصد کے آیا ہے۔ میں یہ کام بہ آسانی کر لوں گا تم بالکل بے فکر رہو بلکہ میں اس کے قریب کی کوشش بھی کروں گا تاکہ حالات سے باخبر رہوں۔“

”اس کی کوئی خاص ضرورت تو نہیں ہے بہروز۔“

”ہے منصور۔ براہ کرم مجھے میرا کام کرنے دو اور سنو ممکن ہے اس کے قریب آنے ر میں خیمہ گاہ کا رخ نہ کروں کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ اس وقت تک اس پر بھرپور

نگاہ رکھی جائے جب تک کہ ہماری روانگی کا بندوبست نہ ہو جائے۔ منصور تم مجھ پر بھروسہ کرو میں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاؤں گا جس میں کوئی الجھن پیش آئے' تمہیں مجھ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔"

بہروز کے اصرار پر میں مجبور ہو گیا اور میں نے اسے بن سالک پر نگاہ رکھنے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد میں واپس اپنی خیمہ گاہ کی جانب چل پڑا۔ خیمہ گاہ میں پہنچا تو ان غلاموں کے سوا وہاں کوئی نہیں تھا جو یمنی اور مصری وغیرہ تھے۔ گلاب اور اس کے دونوں ساتھی سیرو تفریح کے لئے باہر گئے ہوئے تھے۔ مجھے ان کی طرف سے بھی تشویش ہو گئی' بن سالک انہیں بھی پہچان سکتا تھا۔

تقریباً شام کو سات ساڑھے سات بجے کے قریب گلاب گھبرایا گھبرایا سا خیمہ گاہ میں پہنچا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں سے عجیب سے تاثرات نکل رہے تھے۔ اس کے ساتھ اس کے دونوں ساتھی نہیں تھے۔ وہ تیر کی طرح میری طرف آیا تھا اور میں نے ایک لمحے میں محسوس کر لیا کہ یقیناً کوئی خاص بات ہے' ممکن ہے اس نے بھی بن سالک کو دیکھ لیا ہو۔

"منصور۔ منصور بھائی غضب ہو گیا۔" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے پر سکون لہجے میں پوچھا۔

"منصور' وہ کم بخت' وہ ...وہ انیل گواسکر......"

"کیا مطلب؟" اس بار میں اچھل پڑا۔

"وہ یہیں موجود ہے۔"

"انیل گواسکر؟" میں نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

"ہاں منصور۔ وہی کم بخت تھا۔ آٹھ نو آدمی تھے اس کے ساتھ۔ بازار میں' میں نے اسے دیکھا تھا۔"

"تمہیں پورا یقین ہے؟"

"سو فیصد مجھے اپنی آنکھوں پر بھروسہ ہے۔"

"اس نے تمہیں نہیں دیکھا؟"

"نہیں مجھے یقین ہے۔"

"وہ دونوں کہاں ہیں۔ تمہارے ساتھ نہیں تھے؟"

"گئے تو میرے ساتھ ہی تھے لیکن راستے میں الگ ہو گئے تھے......"

"ہتھیار درست کر لو گلاب۔ ممکن ہے اس خونی جزیرے پر ہمیں بھی کوئی خونی کھیل کھیلنا پڑے۔"

"یہ کم بخت یہاں کیسے آ گیا؟"

"سو فیصد ہماری تلاش میں۔"

"مگر اسے کیسے معلوم ہوا کہ ہم اس طرف آ سکتے ہیں؟"

"اب پورا کھیل میری سمجھ میں آ گیا ہے۔ بن سالک نے انہیں ہماری نشان دہی کر ہے۔"

"بن سالک؟"

"اس بستی کا سربراہ جہاں ہم نے پناہ لی تھی۔ میں ابھی بن سالک کو دیکھ کر آیا ں۔"

"اوہ۔ وہ بھی ہے؟"

"خوفزدہ ہو گلاب؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"حالات خراب ہو گئے ایک دم۔ اب تو ہمارے یہاں سے نکلنے کے امکانات پیدا ہو ہے تھے لیکن نہ جانے تقدیر کیا چاہتی ہے۔"

"یہ زندگی کے کھیل ہیں گلاب۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے جس طرح اب ں سب کچھ ٹھیک ہوتا رہا ہے اب بھی ہو جائے گا لیکن تم میری ہدایت شاید بھول رہے کہ حالات سے ہمیشہ مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیئے گلاب' زندگی اسی نشیب و فراز کا نام ہے۔"

"ہوں۔" گلاب نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "سارے نشیب و فراز ہماری ہی گی میں آ گئے ہیں منصور۔ آخر ہمیں زندگی کے ان امتحانات سے کب نجات ملے گی؟"

"میں تم سے متفق نہیں ہوں گلاب۔ تم اس جزیرے کو دیکھ چکے ہو۔ تم نے غلام وں میں بند ان غلاموں کو بھی دیکھا ہو گا۔ کیا تمہارے خیال میں ان کے سینوں میں دل ں ہیں۔ وہ انسان نہیں ہیں' ان سے پوچھو ان کے دلوں پر کیا بیت رہی ہے۔"

گلاب خاموشی سے گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ "سنو گلاب' ابھی تو بہت سے حلوں سے گزرنا ہے۔ ابھی تو لاتعداد مسائل ہیں ہمارے لئے۔ خود کو کمربستہ رکھو۔ ہتھیار ار کر لو۔ ہمت سے کام نہ لیا تو ان غلام باڑوں میں نظر آؤ گے اور زندگی اس سے زیادہ تلخ جائے گی۔"

"پھر ایک کام کرو منصور بھائی۔" گلاب نے عجیب سے لہجے میں کہا اور میں سوالیہ ہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیسا کام؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارے پاس ہتھیار موجود ہیں' ان لوگوں کی قیام گاہ کا پتہ چلاؤ اس کے بعد انہیں م رسید کر دو۔ اس جزیرے پر کسی کو موت کے گھاٹ اتار دینا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تم نے دیکھا تھا پہاڑیوں پر جنگ ہوئی تھی۔ کئی افراد کی لاشیں وہاں پڑی ہوئی تھیں لیکن کسی

نے بھی ان کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ کسی نے یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی لاشوں کا کیا ہوا۔ وہ کون لوگ تھے اور کیوں مارے گئے۔ اس طرح میرے خیال میں خیمہ تباہ کر دو۔ ہم خود ہی پہل کر ڈالیں بجائے اس کے کہ وہ ہم پر قابو پائیں۔" گلاب کہا۔ میں نے اس کے چہرے پر نفرت کی سلگتی' آگ دیکھی تھی اور میرے ہونٹوں مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ گلاب ان الجھنوں سے نجات حاصل کرنے کا یہی ایک طریقہ تھا۔ میں نے اسے پرسکون کرتے ہوئے کہا۔ "ایسا بھی کریں گے گلاب' لیکن وقت کا کرو۔"

"وقت وقت.... وقت صرف الجھنیں پیدا کرتا ہے منصور بھائی۔ خدا کی لئے الجھن میں مت پڑو' ہم انہیں کچا چبا جائیں گے۔ ہم انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے تیاریاں کر لو منصور بھائی' میری بات مان لو' میں نے پہلی بار تم سے کوئی بات کہی ہے۔

"میں تمہاری ہدایت پر عمل کروں گا گلاب' میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میری نظر میں تم سب قابل احترام ہو اور میں ہر معاملے میں تم سے مشورے لیتا رہا ہوں' بس تھوڑا انتظار کر لو سنو میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ بن سالک بھی ان کے ساتھ ہے' میں اسے دیکھ آیا ہوں۔ ہمیں یہ اندازہ لگا لینا چاہیئے کہ ان کی تعداد کتنی ہے اس کام کے لئے میں انتظام کر لیا ہے۔"

"کیسا انتظام؟" گلاب چونک کر بولا۔

"تم نے میرے ساتھ بہروز کو نہیں دیکھا؟"

"ہاں۔ بہروز کہاں ہے؟"

"بن سالک کے پیچھے۔ میں نے اسے بن سالک کے پیچھے لگا دیا ہے۔ وہ ہم کے درمیان اجنبی ہے۔ بن سالک یا انیل گواسکر یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ ہمارا ساتھی ہو سکتا ہے' وہ ان کے درمیان رہے گا اور ان کے بارے میں ہمیں معلومات فراہم کرتا رہے گا۔"

"اوہ تو تم یہ کام کر چکے ہو؟" گلاب نے تعجب سے پوچھا اور میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی پھر میں نے کہا۔

"ہاں گلاب' بہروز نے خود ہی اس کی پیش کش کی تھی۔ وہ انتہائی مخلص آدمی ہے بہرصورت تم فکر مت کرو۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ اپنی تیاریاں مکمل رکھو' کسی وقت ہم ان سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔"

"میں تیار ہوں آپ بالکل بے فکر رہیں اور منصور اب میرے دل میں خوف کا شائبہ نہیں ہے۔ وہ دونوں گدھے نجانے کہاں گھومتے پھر رہے ہیں' کیا میں انہیں تلاش کر کے لاؤں؟"

"نہیں رہنے دو۔ وہ پہنچ جائیں گے۔ بس ایک خطرہ ہے کہ کہیں ان کے ذریعے انیل گواسکر کو یا بن سالک کو ہماری خیمہ گاہ کا علم نہ ہو جائے۔"

"میں انہیں تلاش کرنے جاؤں؟"

"نہیں گلاب تم آرام کرو اور ان لوگوں کو تیار کر لو۔ ان سے بھی کہہ دو کہ ان کی زندگی اسی میں چھپی ہوئی ہے کہ وہ مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔"

"ٹھیک ہے میں انتظامات کئے لیتا ہوں۔" گلاب نے کہا اور چلا گیا۔ میں خود بھی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

رات گئے تک بہروز واپس نہ آیا۔ پوری رات گزر گئی پھر دوسرا دن بھی۔ وہ دونوں آدمی بھی آ گئے تھے جو گلاب کے ساتھی تھے لیکن ان دونوں نے کوئی خاص بات نہیں بتائی تھی۔ میں نے خیمہ گاہ کے باہر بھی نگاہ دوڑائی رکھی' خیمے میں ہی چھپ کر قرب و جوار میں نگاہ رکھی' خیمے میں ہی چھپ کر قرب و جوار میں نگاہ دوڑائی۔ چاروں طرف دیکھا کہ کہیں کوئی خیمہ گاہ کی نگرانی تو نہیں کر رہا لیکن ایسی کوئی شخصیت قرب و جوار میں نظر نہیں آئی' چنانچہ میں مطمئن ہو گیا۔

الجھنیں بے شمار بڑھ گئی تھیں' بہروز کی غیر موجودگی بھی میرے لئے پریشان کن تھی' دل چاہتا تھا کہ باہر نکل کر اسے تلاش کروں لیکن اتنا میں جانتا تھا کہ وہ ایک چالاک نوجوان ہے' اس سے قبل بھی وہ ان خطرناک لوگوں کے درمیان رقومات جمع کر رہا تھا' ہرچند کہ اس کے دل میں ایک مقصد تھا ان تمام باتوں کا اور جب انسان کے ذہن میں کوئی مقصد ہوتا ہے تو اس کی جدوجہد اور ذہنی صلاحیتیں بے حد بڑھ جاتی ہیں اور اب اس کا یہ مقصد ختم ہو گیا ہے کہیں کسی مصیبت میں نہ پڑ گیا ہو لیکن مصیبت کا امکان نہیں تھا۔ وہ تین ساڑھے تین ماہ سے یہاں موجود تھا اور یہاں کے حالات سے اچھی طرح واقف تھا اس لئے اس کے بارے میں فکر مند ہونا مناسب نہیں تھا۔ ذہن پریشان تھا۔ دل چاہتا تھا کہ لڑے بھڑے بغیر یہاں سے نکل جاؤں۔ بہتر ساتھی نہیں تھے اور پھر مجھے انسانی زندگیوں سے کھیلنے کا شوق بھی نہیں تھا۔ قتل و غارت گری سے جس قدر بچا جائے بہتر ہے لیکن حالات اسی طرف گھسیٹ کر لا رہے تھے۔

رات کا ایک بجا ہو گا کہ مجھے خیمہ گاہ کے عقب میں کوئی آواز سنائی دی اور میں اچھل کر بیٹھ گیا۔ خیمے کے نیچے کے حصے میں سے ایک چاقو برآمد ہوا اور اس نے خیمے کی چادر کاٹ دی۔ میں اب ہر معاملے سے نمٹنے کے لئے تیار تھا پھر میں نے ایک رائفل اندر داخل ہوتی دیکھی۔ دوسری رائفل اور پھر تیسری۔ میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

چار رائفلیں اندر آ گئیں اور اس کے بعد کارتوسوں کی پیٹیاں۔ ان چیزوں کے بعد ایک انسان بھی رینگ کر اندر آ گیا اور میں نے اسے بخوبی پہچان لیا۔ یہ بہروز تھا۔

میں نے گہری سانس لی۔ بہروز اندر داخل ہو کر کھڑا ہوا تو مجھے مستعد دیکھ کر مسکرا اٹھا۔ "مجھے خطرہ تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کس بات کا؟"

"یہی کہ تم مستعد ہو گے اور کہیں یوں نہ ہو کہ اس طرح اندر داخل ہونے سے میری ہی شامت آ جائے۔" وہ ہنس پڑا۔ اسے ہنستے دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔

"یہ سب کیا ہے بہروز؟"

"اسلحہ.........اور تمہارے دشمن کا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"لمبی کہانی ہے مزے لے لے کر سناؤں گا۔" بہروز نے کہا۔ اور میں نے گردن ہلا دی پھر میں ان رائفلوں کو دیکھنے لگا اور اس کے بعد میں نے انہیں اٹھا کر رکھ دیا۔

"ہاں بھئی کیا کہانی ہے؟"

"بن سالک تنہا نہیں ہے۔ وہ اپنے طور پر نہیں آیا بلکہ لایا گیا ہے۔ پورا گروہ چودہ افراد پر مشتمل ہے اور اس کا سربراہ ایک شخص انیل گواسکر ہے۔ نہایت بد دماغ اور سخت گیر انسان ہے وہ اور بن سالک کے ساتھ اس کا رویہ بے حد خراب ہے وہ تمہاری تلاش میں سرگرداں ہیں۔"

"انہیں ہماری قیام گاہ کا پتہ چل گیا؟"

"نہیں۔ ابھی وہ تمہیں تلاش نہیں کر پائے لیکن دن رات یہ کوشش جاری ہے اور اس کے لئے وہ دلچسپ حرکتیں کر رہے ہیں........"

"وہ کیا؟"

"بس طرح طرح کی حرکتیں۔ وہ آپس میں لڑ پڑتے ہیں اور پھر کسی بھی خیمہ گاہ میں گھس جاتے ہیں۔ کئی بار دوسرے خیموں کے لوگوں نے ان کی پٹائی کی ہے۔ غلاموں کے ایک ایک باڑے کو کھنگال چکے ہیں اور فروخت شدہ غلاموں کو بھی دیکھ چکے ہیں۔"

"خوب۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم ان میں داخل ہو گئے؟"

"نہ ہونے کا کیا سوال تھا۔ یہ دو ہزار ڈالر ایڈوانس اور تین ہزار کام ہونے کے بعد۔" بہروز نے دو ہزار ڈالرز نکال کر میرے سامنے رکھ دیئے۔

"کام......؟"

"تمہاری تلاش۔ صرف تمہاری تصویر موجود ہے ان کے پاس اور یہ اس کی ایک کاپی ہے۔" بہروز نے تصویر نکال کر میرے سامنے ڈال دی۔

"تو تم مجھے تلاش کر رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"اس دوران میں ان کے پاس رہے؟"

"نہیں۔ بلکہ ان کی خیمہ گاہ سے کچھ دور ایک جگہ۔ ویسے چالاک لوگ ہیں۔ ابتدا ں میری بھی نگرانی کرتے رہے۔"

"گویا تم نہایت چالاکی سے انہیں الو بناتے رہے ہو؟"

"نہیں منصور۔ بہت شیطان قسم کے لوگ ہیں۔ جس انداز میں وہ کام کر رہے ہیں ے اس سے خطرہ ہے۔"

"کیسا خطرہ؟"

"وہ ہمیں تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور ہمارے لئے مشکلات کھڑی کر ں گے۔ تم غور کرو۔ لانچ کسی بھی وقت آ جائے گی اور مسٹر البانو ہمیں طلب کر لیں گے۔ ب اگر عین وقت پر وہ لوگ ہم پر آ پڑیں تو کیا ہم اس لانچ سے واپس جا سکیں گے ناممکن ہے۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" میں نے داہنا گال کھجاتے ہوئے کہا۔

"میں نے بہت غور و خوض کیا ہے اس سلسلے میں۔"

"کوئی نتیجہ اخذ کیا؟"

"ہاں ایک ہی فیصلہ کیا ہے۔ میرے خیال میں اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"حالات چونکہ میرے علم میں ہیں منصور اور میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ تمہارے ئی دشمن ہیں۔ مجھے یہ بھی اندازہ ہے کہ اس جزیرے پر اتنے افراد زیادہ عرصے تک چھپے ہں رہ سکتے' وہ ہمیں تلاش کر لیں گے اور تلاش کرنے کے بعد خونریزی لازمی ہے۔ کون ں پر قابو پا لیتا ہے اور کون کس کو قتل کر دیتا ہے یہ سب تو بعد کی باتیں ہیں لیکن یہ بات طے ہے کہ خونریزی یقینی ہے۔ ظاہر ہے ہم شرافت سے خود کو ان کے حوالے نہیں کر سکتے ر وہ ہمیں گرفتار کرنے کی کوشش سے باز نہیں آ سکتے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ ہم ظار کریں اور انہیں خود پر حملہ آور ہونے کا موقع دیں ہم خود ہی ان سے کیوں نہ نمٹ ں۔ میرا خیال ہے منصور ہم اسی طرح کامیاب رہ سکتے ہیں۔"

"گڈ۔ بہت عمدہ آئیڈیا ہے۔"

"صرف میرا آئیڈیا ہے یا تم اسے پسند بھی کرتے ہو؟" بہروز نے پوچھا۔

"بالکل پسند کرتا ہوں۔"

"گویا میری سوچ درست ہے؟"

"ہاں بہروز۔ یقیناً اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے میں بھی اس دوران میں یہی

سوچتا رہا ہوں لیکن ایک بات بتاؤ۔ کیا ہم ان کی خیمہ گاہ پر حملہ کریں؟"

"نہیں، اس سے ہمیں بڑے نقصانات اٹھانا پڑیں گے۔" بہروز بولا اور میں چو
اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم اگر خیمہ گاہ پر حملہ کرتے ہیں تو ظاہر ہے ہمیں ان سے مقابا
پڑے گا۔ قرب و جوار میں دوسرے خیمے بھی ہیں۔ ان لوگوں کو بھی گولیوں سے نقصا
سکتا ہے، یوں یہ جنگ خاصی طوالت اختیار کر جائے گی۔ جو لوگ ہماری گولیوں سے
ہوں گے۔ وہ ہم دونوں کے ہی دشمن ہو جائیں گے اور بلاوجہ ہمیں دوسرے لوگوں سے
الجھنا پڑے گا اس کی بجائے میں نے ایک اور ترکیب سوچی ہے اور اس سلسلے میں ہی
لمبی چال چل چکا ہوں۔"

"اوہ کچھ ہے تمہارے ذہن میں؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"سو فی صد ہے، بشرطیکہ تم اسے پسند کرو۔"

"ہاں ہاں بہروز بتاؤ۔ کیا؟" میں نے ہمہ تن گوش ہو کر پوچھا۔

"میں تمہاری تلاش میں ہوں اور اس کے لئے میں نے ان لوگوں سے باقا
معاوضہ قبول کیا ہے۔ ہمیں کچھ لمبی چال چلنا ہو گی۔ مثلاً" میں یوں کرتا ہوں کہ ایک
حاصل کرتا ہوں اور اسے ڈھلان کے آخری سروں پر جدھر گہرائی شروع ہوتی ہے نصب
دیتا ہوں۔ خیمہ نصب کرنے والوں کو اس بات پر کوئی اعتراض نہ ہو گیا۔ جس کا جہاں
چاہے قیام کر سکتا ہے۔ میں کسی نئی پارٹی کا نام لے کر یہ کام انجام دے دوں گا کیونکہ یہ
تو سب کے علم میں ہے کہ میں کمیشن ایجنٹ ہوں۔ اس خیمہ گاہ میں روشنی کر دی جائے
اور سارے انتظامات کر دیئے جائیں گے پھر میں انیل گواسکر کو اطلاع دوں گا کہ میں نے
سب کا پتہ چلا لیا ہے اور تم لوگ پہاڑیوں کے اس جانب اس خیمے میں مقیم ہو، میں
لوگوں کو وہاں تک لے جاؤں گا جہاں تمہاری کشتی موجود ہے۔ اس طرح وہ اپنی کشتی کو
پہچان لیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ صورت حال کیا ہے۔ اس کے بعد تمہار
کارروائی شروع ہو گی، وہ لوگ کسی بھی لمحے وہاں حملہ آور ہوں گے میں کوشش کروں گا
تمہیں اس وقت سے آگاہ کر سکوں لیکن بہتر یہ ہو گا کہ تم لوگ وہاں پہلے ہی اپنے ا
مورچے سنبھال لینا اور جب وہ خیمہ گاہ کے قریب پہنچیں تو انہیں گولیوں کے نشانے پر رکھ
لینا۔ فی الوقت میں نے چار کو نہتا کر دیا ہے۔ میں اور بھی کوشش کروں گا کہ کچھ اور اسلحہ
حاصل کر سکوں لیکن بظاہر ہمارے پاس یہ اسلحہ بھی کافی ہے۔"

"نہیں اب ہمیں مزید اسلحہ کی ضرورت نہیں ہے بہروز۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک، میری تجویز کیسی ہے؟"

"بہت ہی شاندار۔ تمہاری ذہنی صلاحیتیں تو اب میرے علم میں آئی ہیں۔ تم مجھے
بے حد ذہین انسان نظر آتے ہو۔"

"اب اس کے علاوہ کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔" بہروز نے پھیکی سی مسکراہٹ کے
ساتھ کہا۔

پھر چند لمحات کے بعد اس نے کہا۔ "میری بات کو محسوس مت کرنا منصور۔ تم ایک
شریف النفس انسان ہو۔ خود بھی چوٹ کھائے ہوئے ہو اس لئے چوٹ کی دکھن کا اندازہ ہے
تمہیں، میرا تم سے بڑا ہمدرد کوئی نہیں ہو سکتا لیکن مجھے اب اس دنیا میں رہنے کے لئے خود
کو چاق و چوبند رکھنا ہو گا۔ بس اب میں چلتا ہوں۔ بہت ہوشیاری سے کام کرنا پڑ رہا ہے۔
یہ دو ہزار ڈالر میں خیمہ وغیرہ حاصل کرنے کے لئے خرچ کروں گا۔ اجازت ہے؟" اس نے
کہا اور میں ہنس پڑا۔

تھوڑی دیر کے بعد بہروز چلا گیا۔ وہ اسی راستے سے گیا تھا جس سے داخل ہوا تھا۔
اس کے جانے کے بعد میں خیالات میں کھو گیا۔ صورت حال سنگین تھی اور طبیعت میں ایک
بار پھر جوش پیدا ہو گیا تھا۔ اب بہروز کی اطلاع کے بعد ہی سب کچھ کیا جا سکتا تھا۔

یہ دن ہم نے خیمے میں ہی گزارا۔ شام کو چھ بجے کے قریب بہروز واپس آیا۔ اس
کی آنکھوں میں فتح مندی کے آثار تھے۔ وہ کافی مطمئن نظر آ رہا تھا۔ میں نے پر جوش انداز
میں اس کا استقبال کیا۔ "سناؤ دوست۔ اس وقت تم مرد میدان ہو۔"

"میدان مار لیا ہے میں نے۔ میں ان لوگوں کو آج اس جگہ لے گیا تھا جہاں تمہاری
بوسیدہ کشتی موجود ہے۔ یعنی اس سمندری کھاڑی کے پاس جو ویران علاقے میں ہے۔"

"ویری گڈ۔ پھر کیا ہوا؟"

"وہ لوگ بے حد پر جوش ہو گئے ہیں۔ اس دریافت پر مجھے پانچ سو ڈالر انعام ملے
ہیں اور درخواست کی گئی ہے کہ اب اسی طرح ان کی خیمہ گاہ کا پتہ بھی لگا لوں۔ انہیں وہاں
سے واپس لانے کے بعد میں نے خیمے بھجوا دیئے ہیں اور جگہ منتخب کر کے انہیں بتا دی ہے
خیمے لگ رہے ہوں گے۔"

"ہمارے لئے کیا حکم ہے چیف؟" میں نے مسکراتے ہوئے اسی کے انداز میں پوچھا
اور بہروز کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ایک لمحے کے لئے میں اس کے انداز
کو دیکھتا رہ گیا۔ کم بخت بے حد حسین تھا اور بعض اوقات تو اس چھوٹی سی عمر میں اس کی یہ
کارکردگی دیکھ کر تعجب ہوتا تھا۔

دوسرے لمحے وہ سنبھل گیا اور مسکرا کر بولا۔ "بس اب یہ خیمہ چھوڑ دو اور میرے
ساتھ چل کر مورچے سنبھال لو۔ تھوڑی سی تاریکی اور پھیل جائے تو ہم یہاں سے نکل چلیں
گے۔"

رات کی تاریکی میں سب ہتھیاروں سے لیس ہو کر چل پڑے اور اچھا خاصا سفر کر کے اس جگہ پہنچ گئے جہاں ہمارے لئے کئی چھولداریاں لگائی گئی تھیں۔ جگہ بھی غضب منتخب کی گئی تھی۔ یہاں چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور ان چٹانوں کی آڑ میں رہ کر چھولداریا کے اطراف میں نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔ میں نے یہ جگہ بہت پسند کی تھی۔

"اور کوئی الجھن ماسٹر؟" بہروز نے پوچھا۔

"میرے خیال میں سب کچھ اطمینان بخش ہے۔"

"اب میں ہانکا کرنے جاتا ہوں۔ یہ رات تمہیں جاگ کر گزارنا ہو گی۔ اپنے مور درست کر لو تاکہ شکار بچ کر نہ جانے پائے۔ ہاں اس بات کا امکان بھی ہے کہ وہ لوگ حالات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں اور آج رات حملہ آور نہ ہوں حالانکہ انہیں جس قد جلدی ہے اس کے تحت یہ ممکن نہیں ہے لیکن پھر بھی' آج رات' کل دن میں' یا شاید رات میں' کوئی بھی وقت ہو سکتا ہے' جاؤں میں......؟"

"خدا حافظ بہروز۔" میں نے کہا اور بہروز رات کی تاریکی میں گم ہو گیا۔

بہروز کے جانے کے بعد میں دیر تک ان حالات کے بارے میں غور کرتا رہا۔ بہروز کی کوشش سے میں پوری طرح مطمئن تھا اور اب انسانی زندگی کی میری نگاہ میں کوئی وقعت نہیں تھی۔ انیل گواسکر اور بن سالک کون تھے' مجھے ان سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اس دنیا کا دستور یہی ہے۔ مظالم کرنے والوں کے ساتھی بن کر خود بھی انسانیت کو بھول جانے والے کسی رعایت کے مستحق نہیں ہوتے۔ میرے علم میں تھا کہ انیل گواسکر اور بن سالک' سیٹھ جبار کے غلام تھے جو کچھ ہو رہا تھا اسی کے ایما پر ہو رہا تھا لیکن بہر حال وہ میرے دشمن تو تھے۔ اب وہ کسی کے لئے کام کر رہے ہوں یہ تو بعد کی بات ہے۔ میرے کہنے سے وہ سیٹھ جبار کی غلامی ترک تو نہیں کر سکتے تھے۔

میری اس سوچ اور مسلسل خاموشی کو گلاب کی آواز نے توڑ دیا۔ وہ کھسکتا ہوا میرے قریب آگیا تھا۔ "منصور بھائی۔ کیا سوچ رہے ہو؟"

"اوہ کوئی خاص بات نہیں گلاب۔ تمہیں حالات کا اندازہ تو ہو گیا ہے؟"

"سو فی صد۔ میں اس وقت ایک ہی بات جانتا ہوں۔" گلاب نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"وہ کیا؟"

"یہ جزیرہ دنیا کے قانون سے الگ ہے۔ یہاں کوئی کسی کی مدد کو نہیں آتا۔ انسان کو خود ہی اپنی مدد کرنی ہوتی ہے۔"

"بے شک۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"ہمارے دشمن ہماری شہ رگ کے قریب ہیں۔ وہ ہماری تلاش میں شکاری کتوں

طرح لگے ہوئے ہیں۔ اگر وہ ہماری بو پا گئے۔ تو ہمیں بھون کر رکھ دیں گے۔ ان سے کہ ہمارے دشمن ہمیں ختم کر دیں ہمیں انہیں ختم کر دینا چاہیے۔"

"میں تمہارے اس فلسفے سے متفق ہوں گلاب اور اسی مقصد کے تحت ہم یہاں ہیں۔"

"مگر مجھے پورا پروگرام نہیں معلوم منصور بھائی۔"

"اوہ گلاب' بہروز کی چال کے بارے میں تو میں نے تمہیں بتا ہی دیا ہے۔"

"ہاں۔ وہ معلوم ہے۔"

"اس میں اتنا اضافہ اور کر لو کہ بہروز اب شیر کو ہانکا کرنے گیا ہے تمہیں علم ہے نا جنگل میں شکاری ایک جگہ گھات لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور شیر کو ہانک کر اس جگہ لایا جاتا بہروز اس وقت وہی کام کرنے گیا ہے۔ تم لوگوں کو اب دشمن کے انتظار میں بیٹھنا ممکن ہے پوری رات یہاں نہ آئے۔ کل دن میں آئے یا پھر دوسری رات کو ہمیں ی جگہ انتظار کرنا ہو گا۔"

"گویا وہی پروگرام رہا جو میں نے بتایا تھا؟" گلاب نے خوش ہو کر کہا۔

"سو فی صد وہی۔"

"اب ہمارا کیا کام ہے منصور بھائی؟"

"آؤ میں مورچہ بندی کر دوں لیکن ہر ایک آدمی کو سنبھالنا تمہارا کام ہے۔ اگر کوئی یا غافل ہو گیا تو یوں سمجھو کہ اس کی تقدیر سو گئی اور زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔"

"اوکے' پھر جلدی کریں منصور بھائی۔" گلاب نے کہا اس کے انداز میں جوش پیدا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ بہت زیادہ جلدی اس لئے نہیں تھی کہ ابھی تو بہروز کو لوں کے پاس پہنچنا تھا پھر انہیں ہمارے بارے میں اطلاع دے گا اور اس کے بعد اگر انے فیصلہ کر لیا تو وہ چلیں گے اس لئے ابھی وقت تھا۔ بہر حال میں نے اپنا کام کر لینا خیال کیا اور چھولداریوں کے ارد گرد مناسب جگہ منتخب کر کے مسلح افراد کو تعینات کر یں نے انہیں پوری طرح ہدایات بھی دے دی تھیں۔ طے یہ ہوا تھا کہ جب وہ لوگ طرح نشانے پر آجائیں گے تو میں حلق سے الو کی آواز نکالوں گا اور اس کے ساتھ ہی ساتھی فائر کھول دیں گے۔

ان سب کو مستعد کر کے میں نے اپنی پوزیشن بھی سنبھال لی اور تاریکی میں آنکھیں نے لگا۔ ابھی چاند نہیں نکلا تھا اور وحشت خیز جزیرے کا ماحول تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ا رہی تھی اور دور کہیں نرسلوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے عجیب سی آوازیں رہی تھی۔ کہنے کو یہ ایک آباد جزیرہ تھا اور کافی آبادی تھی یہاں۔ رقص و سرود اور کی محفلیں بھی نظر آتی تھیں۔ قہقہے بھی ابھرتے تھے لیکن اس کے باوجود اگر گہری نگاہ

سے جزیرے کا جائزہ لیا جاتا تو وہاں ایک نامانوس سی ویرانی بکھری محسوس ہوتی تھی۔ لگتا تھ جیسے یہ انسانوں کی آبادی ہی نہیں ہے۔ بس مافوق الفطرت ہستیاں چاروں طرف گردش کرتی نظر آتی تھیں۔ فضاؤں میں لاکھوں بد روحوں کے قہقہے گونجتے محسوس ہوتے تھے اور یقیناً یہ قہقہے بے بسی کی موت مرنے والوں کے تھے جن کا کوئی پرسان حال نہیں تھا اور اب ان کی روحیں فضاؤں کی حکمران تھیں۔

ہواؤں کے شور نے انسانی آوازوں کا روپ دھار لیا۔ یہ آوازیں کچھ کہہ رہی تھیں۔ کسی کی سمجھ میں نہ آنے والی زبان میں' منمناتی ہوئی آوازیں اپنے درد کی داستانیں سنا رہی تھیں اور رفتہ رفتہ یہ آوازیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ میں نے زور سے گردن جھٹک دی۔ میں ماحول کے طلسم میں گرفتار ہونے لگا تھا اور اس وقت میری یہ بے خودی میری اور میرے ساتھیوں کی قاتل بن سکتی تھی اس وقت تو مستعدی میں ہی عافیت تھی چنانچہ میں نے پوری کوشش کر کے خود کو سنبھال لیا۔ ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا کہ کسی کو اپنے قریب بلا لوں ممکن ہے تنہائی میرا ذہن سلا دے لیکن ابھی یہ فیصلہ کر ہی پایا تھا کہ چاند نے بادلوں کی اوٹ سے سر نکال لیا اور ماحول کی تاریکی دم دبا کر بھاگ گئی اور یوں لگتا تھا جیسے چاند اس وقت ہماری مدد کے لئے ہی طلوع ہوا ہو۔ ورنہ عین ممکن تھا کہ ہم دیر تک ان سایوں کو نہ دیکھ سکتے جو انتہائی مہارت سے کہنیوں کے بل رینگتے ہوئے چھولداریوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔

میں بری طرح چونک پڑا۔ میں نے ان پتھروں اور چٹانوں کی طرف نگاہ دوڑائی۔ جہاں میرے ساتھی چھپے ہوئے تھے۔ پتہ نہیں میری طرح ان لوگوں نے بھی دشمن کو دیکھ لیا ہے یا نہیں۔ بہر حال اس کا اندازہ مشکل تھا۔ اس وقت صورت حال انتہائی نازک تھی کوئی ہلکی سی آواز بھی ان لوگوں کو ہوشیار کر سکتی تھی۔

وہ سب بے آواز' چھولداریوں کی طرف بڑھ رہے تھے اور پھر تقریباً دس منٹ کے بعد وہ چھولداریوں کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ بہروز بہترین صلاحیتوں کا مالک تھا۔ اس نے یقیناً ایسی کہانی سنائی ہو گی انہیں کہ وہ سب دوڑ پڑے اور فوری طور پر ہماری غفلت سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں لگ گئے۔ نہ جانے بہروز خود کہاں ہے۔ وہ انہیں ساتھ تو خود ہی لایا ہو گیا۔ میں اس نئے خیال کے تحت کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ بہروز بے وقوف نہیں ہے۔ وہ یقیناً انہیں یہاں تک لانے کے بعد پیچھے ہٹ گیا ہو گیا۔

بہر حال جونہی وہ متعین کردہ نشانے پر پہنچے میں نے الو کی آواز میں اپنے ساتھیوں کو اشارہ دیا اور میرے چوکس ساتھیوں نے جہنم کے دہانے کھول دیئے ان لوگوں پر۔ ہر چند کہ وہ لڑاکے نہیں تھے لیکن جب زندگی اور موت کا معاملہ ہوتا ہے تو ہر شخص کی صلاحیتیں عود کر آتی ہیں۔ ان کے بیشتر نشانے صحیح لگے تھے۔ بن سالک اور انیل گواسکر کے لوگوں میں

ہچ گئی لیکن وہ ایسی جگہ تھے جہاں ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں تھی جس طرف گولیاں ان کا تعاقب کرتیں۔ ان میں سے بعض اسی طرف دوڑ پڑے جہاں ہمارے پناہ گزین تھے اور اطمینان سے موت کا شکار ہو گئے۔ چند چھولداریوں کی طرف دوڑ لیکن کپڑے کی چھولداریاں بھلا پناہ گاہ بن سکتی تھیں۔ وہ روشن تھیں اور اس روشنی ہمیں کافی فائدہ پہنچایا کیونکہ باہر سے ان کے سائے نمایاں نظر آتے تھے اور ہم ان کو شکار کر رہے تھے۔

شاید ہی ان میں سے کوئی جان بچا کر بھاگ سکا ہو۔ ذرا سی دیر میں ہم نے انہیں لیا۔ فائرنگ یک طرفہ ہی رہی تھی وہ لوگ اسطرح حالات کا شکار ہوئے کہ انہیں ایک کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔

ہرچند' ہمیں اندازہ تھا کہ اس وقت کوئی اس سمت کا رخ نہیں کرے گا حالانکہ اس فائرنگ کی آواز دور تک سنی جا رہی ہو گی لیکن اس وقت ہم نے اپنے شکار کی تباہی لگانے کی کوشش نہیں کی اور لاشوں کے پاس نہیں گئے بلکہ خاموشی سے مختلف سے گزرتے' چھپتے چھپاتے اپنی خیمہ گاہ تک پہنچ گئے۔ راستے میں جگہ جگہ لوگ جمع اس طرف ہونے والی فائرنگ کے بارے میں تبادلۂ خیال کر رہے تھے لیکن کسی کا طرف جانے کا نہیں تھا۔

خیمہ گاہ پہنچ کر جب میں اپنے خیمے میں داخل ہوا تو میں نے بہروز کو دیکھا جو سے میرے بستر پر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرا دیا اور میں بھی مسکرانے قدر اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہو بہروز' یوں لگتا ہے جیسے تمام صورت حال سے ہو۔"

"تمام سے تو نہیں منصور لیکن اتنا جانتا ہوں کہ تم مکمل فتح مند ہو کر آئے ہو۔ شاید میں سے کوئی بچ کر جا سکا ہو۔"

"اس کا مطلب ہے تم وہاں موجود تھے؟" میں نے اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہ صرف موجود تھا بلکہ وہ لوگ مرنے کے بعد اس بات پر ضرور حیران ہوں گے کے عقب سے جو گولیاں آ رہی تھیں وہ کس نے چلائیں۔ اس کے علاوہ میں نے والوں کو بھی نشانہ بنایا تھا۔"

"زندہ باد بہروز۔ تم نے عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس طرح تم نے میرے دل میں اور خاص جگہ بنا لی ہے۔ کاش میں بھی تمہارے کسی کام آ سکتا۔ بہر حال بہروز ممکن نے والا وقت ہم دونوں کے لئے خوشگوار ہو۔"

"خدا کرے۔" بہروز آہستہ سے بولا۔

"میں تمہیں ایاز کے بارے میں بتا چکا ہوں۔"

"ہاں۔"

"اگر ایاز بھی چمن کی طرح دغا باز نکل آتا بہروز تو یقین کرو میں اپنے دل و دماغ دوستی اور ہمدردی کو کھرچ کر پھینک دیتا اور اس کے بعد میں کیا ہوتا یہ میں خود بھی نہیر سکتا لیکن ایاز نے دوستی کو زندہ رکھا ہے۔ تم اب میرے لئے دوسرے ایاز بن چکے ہ جوتے اتارو۔ آرام سے لیٹ جاؤ۔"

میں خود بھی جوتے اتار کر بستر پر دراز ہو گیا۔

"کتنی عمر ہے تمہاری بہروز؟" میں نے دونوں ہاتھوں پر سر رکھ کر لیٹتے ہوئے پوچھا

"کبھی غور ہی نہیں کیا۔"

"معصوم ہو۔ بچوں جیسی حرکتیں کرتے ہو۔ بڑے دوست ہیں میرے بہروز۔ بڑ کہانیاں ہیں ان کی' تمہاری زندگی میں حسن و عشق کی چاشنی کہاں ہو گی؟"

"ہاں۔ وقت نے اجازت ہی نہیں دی۔"

"ارے وقت ابھی آیا ہی کہاں ہے؟ ننھی سی عمر میں ان آلام کا شکار ہو گئے لیکر بس اب سب کچھ بھول جاؤ۔ وقت تو سر سے گزر گیا ہے بہروز ہم زندگی کے اس رخ سے آشنا ہی نہ ہوئے۔"

"بہروز کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ پھیل گئی۔ "یہ تو بڑی عجیب بات ہے منصور کیا میں اس پر یقین کر لوں۔ ویسے کیا تم خود کو بہت زیادہ عمر رسیدہ سمجھتے ہو؟"

"واقعات اتنے گزر چکے ہیں مجھ پر سے بہروز کہ صدیوں کی زندگی محسوس ہوتی ہے۔ اتنے واقعات تو سو سال کی عمر میں بھی نہیں پیش آتے' کبھی سوچا نہیں اس بارے میں لیکن غور کروں تو یوں لگتا ہے' جیسے ازل سے ان حالات کا شکار ہوں اور ابد تک رہوں گا۔ یاد نہیں آتا کہ کون سا حادثہ کس عمر میں پیش آیا تھا۔" میں گہری سانس لے کر بولا اور بہروز نے میری کلائی پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔

"واہ۔ یہ کیا بات ہوئی۔ مجھے سکون کی تلقین کرتے کرتے خود اداسیوں میں ڈوب گئے۔"

"لیٹ جا یار۔ بہت سی باتیں کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔" میں نے بے تکلفی سے بہروز کو گھسیٹ کر اپنے نزدیک لٹا لیا۔ بہروز خاموشی سے لیٹ گیا تھا۔ وہ خود بھی جذباتی ہو رہا تھا۔

"زندگی بہت انوکھی چیز ہے بہروز کتابوں کا علم مکمل نہیں ہوتا جب تک اپنی ذات کی ایک کتاب نہ تحریر کر دی جائے۔ احساسات کبھی الفاظ کی گرفت میں نہیں آتے ان کی تو کوئی زبان ہی ایجاد نہیں ہوئی بہروز' کوئی کتاب نہیں لکھی گئی احساسات کی۔ لکھی ہی نہیں جا سکتی۔"

"ہاں منصور' میں تم سے متفق ہوں۔" بہروز نے کہا پھر بولا۔ "تم نے زندگی میں ی لڑکی کو نہیں چاہا منصور؟"

"نہیں بہروز۔ میں نے کہا نا' زندگی بڑی انوکھی چیز ہے یہ کبھی طویل کبھی مختصر معلوم تی ہے۔ محبت کی داستان کوئی نہیں ہے میری زندگی میں' ویسے ہلکے ہلکے لطیف اشارے ہیں کہیں ضرور ملتے ہیں۔"

"مثلاً؟" بہروز کو اس موضع میں دلچسپی محسوس ہو رہی تھی کچی عمر کا بچہ تھا بہر طور ، کی آرزوئیں ایک حیثیت رکھتی تھیں۔

"دلچسپ باتیں ہیں بہروز' پہلی لڑکی سرخاب ہے۔ میں نے اسے غور سے دیکھا تو وہ ، بہت اچھی لگی۔ اس کی پیشانی پر جھولتی ہوئی بالوں کی لٹ کی بات کی تو وہ ناراض ہو ۔ اس نے مجھے سرزنش کی تو مجھے بہت لطف آیا۔ جانتے ہو کیوں؟"

"نہیں۔" بہروز آہستہ سے بولا۔

"اس لئے کہ وہ لٹ مجھے اپنی بہن فریدہ کی یاد دلاتی تھی۔ سرخاب کو میں بہن کی ر چاہتا تھا۔"

"اوہ...... لیکن وہ کیا سمجھتی تھی؟" بہروز بولا۔

ابتدا میں وہ میری باتوں سے غلط فہمی کا شکار تھی لیکن بعد میں سب ٹھیک ہو گیا۔"

"تو تم واقعی اسے بہن کی مانند چاہتے تھے؟"

"ہاں۔ سو فیصد۔

"اور دوسری لڑکی؟" بہروز نے سوال کیا۔

"دوسری لڑکی کو میں راشدہ کہہ سکتا ہوں۔ بلا شبہ غم کی کہانی تھی۔ ایک مجبور ان کی لڑکی جو کسی کو زندگی کا سہارا بنا کر اپنا تحفظ کرنا چاہتی تھی۔ اس نے مجھے اپنا سہارا چاہا لیکن بے وقوف لڑکی نے ریت کے ستون پر ہاتھ رکھا تھا ناکام رہی' تیسری شخصیت کی تھی جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ مجھے چاہتی ہے۔"

"گل کون تھی؟" بہروز نے پوچھا

"لیڈی جہانگیر میری بہت بڑی محسن' خود اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا لیکن رے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ مجھے چاہتی ہے غلط فہمیاں تو قدم قدم پر جنم لیتی ہیں بہروز۔ ، جس طرح مجھ سے مانوس ہو گئی تھی اسے بھی غلط نام دیا جا سکتا ہے۔"

بہروز نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے کچھ سوچتا رہا تھا پھر اس نے ایک گہری سالی اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"کیوں۔ کہاں؟" میں نے پوچھا۔

"بس نیند آ رہی ہے منصور۔ ہمیشہ سے تنہا سونے کا عادی ہوں۔ صبح کو ملاقات ہو

گی، شب بخیر۔" وہ باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد مجھے دیر تک نیند نہیں آئی۔ ذہن میں پھر بہت سی یادیں تازہ ہو گئی تھیں۔ نہ جانے رات کے کون سے پہر ان یادوں کے ہجوم میں نیند نے آغوش میں لے لیا اور دوسری صبح بہروز نے ہی جگایا تھا۔

بہروز نئے لباس میں تھا اور نکھرا نکھرا نظر آ رہا تھا یوں بھی ایک خوبصورت جوان تھا۔ ہنستا مسکراتا نظر آتا تو اور بھی خوبصورت نظر آتا تھا۔ اس وقت بھی وہ ہشاش بشاش تھا۔

"اٹھئے چیف۔ آیئے میلہ دیکھنے چلیں؟"

"میلہ؟" میں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"ہاں، بے شمار لوگ جمع ہیں۔ ایسے میلے اکثر لگتے ہیں، ان راتوں کی صبح کو جن میں جزیرہ گولیوں سے گونجتا ہے رات کو تو کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ اس ہنگامہ خیزی کو قریب سے دیکھے لیکن دوسری صبح لاشوں کی تلاش میں بہت سے نکل پڑتے ہیں اور میلہ لگ جاتا ہے۔"

"اوہ۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "تم دیکھ آئے میلہ؟"

"نہیں۔ بس دور سے لوگوں کا ہجوم دیکھ کر آیا ہوں۔ چند لمحات ان کی چہ میگوئیاں ہی سنی تھیں۔"

"کیا چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں؟"

"ہمیشہ سے مختلف نہیں ہے چیف۔ کس کو پڑی ہے کہ کسی کے قاتلوں کی کھوج کرے۔ یہاں تو دشمنیاں چلتی ہی رہتی ہیں۔"

"آؤ۔ ناشتہ وغیرہ کر لیں۔ اس کے بعد چلیں گے۔" میں نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم بھی تماشائیوں کی حیثیت سے وہاں پہنچ گئے۔ میں نے زمین پر پڑے لوگوں کو دیکھا اور سینے میں عجیب سی ہلچل پیدا ہو گئی۔ یہ ہمارے شکار تھے۔ انہیں میں نے زندگی سے محروم کیا تھا۔ یہ اچھی بات تو نہ تھی لیکن اگر میں انہیں موت کے گھاٹ نہ اتارتا تو وہ لوگ مجھے موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ ہاں وہ میرے دشمن تھے اور میری تلاش میں آئے تھے۔ بن سالک اور انیل گواسکر کی لاشیں بھی ان لاشوں میں شامل تھیں۔ گویا عارضی طور پر میرے دشمنوں کا صفایا ہو گیا تھا۔

"بہروز۔ کپتان البانو سے ملو۔ اس سے لانچ وغیرہ کی صورتحال معلوم کرو۔ میں جلد از جلد یہ جزیرہ چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔" اس نے گردن ہلائی اور آگے بڑھ گیا۔

دوپہر کو ساڑھے بارہ بجے کے قریب واپس آ گیا۔ کپتان البانو نے اسے بتایا تھا کہ لانچ آج رات کے کسی حصے میں یا کل صبح تک پہنچ جائے گی اور پھر چوبیس گھنٹے کے اندر اندر واپس روانہ ہو جائے گی۔

بعد کے واقعات قابل ذکر نہیں۔ لانچ دوسرے روز صبح پہنچی تھی۔ اسی دن کپتان

ر کو رقم ادا کر دی گئی۔ یہ شخص عجیب سی شخصیت کا مالک تھا۔ صورت سے ہی قدیم قزاقوں کا نمونہ لگتا تھا آنکھوں میں ہوس ناچتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

"اوکے اوکے۔" اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تیاریاں مکمل کر لو۔ کل صبح بارہ بجے لانچ چل پڑے گی۔ میں سارے انتظامات مکمل کر دوں گا۔"

لانچ بڑی عمدہ اور مضبوط تھی اگر واقعی اس میں ہمیں آرام سے سفر کرنے کا موقع ملا تو سفر دلچسپ ہو گا۔ کوئی خاص تیاریاں کرنی تو نہیں تھیں۔ تھوڑا سا سامان اور خریدا گیا رات ہی کو تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں۔

کپتان البانو نے ہم سے ملاقات کی اور ہمارا تعارف گیری ینگ نامی ایک شخص سے کرایا جو لانچ کا کپتان تھا۔ "مسٹر ینگ پروگرام کے مطابق تمہیں مطلوبہ جگہ اتار دیں گے اور مسٹر ینگ ان شریف لوگوں کا خیال رکھنا۔"

"ٹھیک ہے مسٹر البانو۔ آپ کا سامان کہاں ہے؟" ینگ نے پوچھا اور ہم نے سامان کی طرف اشارہ کر دیا۔ البانو گیری ینگ سے ہمارا تعارف کرانے کے بعد واپس چلا گیا تھا اور ہمارے تمام تر معاملات گیری ینگ سے تھے۔ سامان لوڈ ہو گیا تھا ہمیں بھی لانچ پر بلا لیا گیا۔ ینگ نے جو ہمیں رہائشی جگہ بتائی تھی وہ اطمینان بخش تھی اور ہم سب ہی نے اسے پسند کیا تھا۔ لانچ پر جہاز کے عملے کے علاوہ چار افراد اور تھے۔ جنھیں جزیرہ بادیان سے کہیں جانا تھا باقی تمام لوگ ہم تھے۔ ٹھیک ساڑھے دس بجے لانچ کے انجن اسٹارٹ ہو گئے اور پھر لانچ نے آہستہ آہستہ ساحل سے دور کھسکنا شروع کر دیا۔ گلاب اور اس کے ساتھیوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایک بار پھر زندگی کی جانب لوٹ رہے ہیں۔ ان کی نگاہیں بادیان کے ساحل پر جمی ہوئی تھیں جس کے دوسری جانب کی دنیا عجیب و غریب تھی۔ وحشت خیزی اور قدیم ماحول کی تمام تر خونخوار روایات کے ساتھ جزیرہ بادیان آج بھی خوفناک حیثیت رکھتا تھا۔ خیالات کے سائے بہروز کے چہرے پر بھی تھے اور یقینی طور پر میں بھی ان سے محفوظ نہ تھا۔ خود میری اپنی زندگی کے عجیب واقعات میں بادیان کا نام بھی آتا تھا۔ ایک معمولی سے ڈرائیور کا بیٹا جس نے زندگی کے ان ہنگاموں کے بارے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہاں سے کہاں جا پہنچا تھا۔ کیا کیا دکھا دیا تھا اس دنیا نے اسے؟

لانچ تیز ہوئی تو بادیان کی وہ خوف ناک چٹان جو درحقیقت کسی کشتی کا بادبان معلوم ہوتی تھی اور جس کے نام سے یہ جزیرہ مشہور ہوا تھا اور بگڑتے بگڑتے بادبان سے بادیان ہو گیا تھا۔ دور ہوتی جا رہی تھی، یہاں تک کہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تب ہم سب چونکے، گلاب نے پھیکی سی مسکراہٹ سے میری طرف دیکھا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر میرے قریب پہنچ گیا۔

"منصور بھائی! کیا اس بار زندگی ہمیں ہماری منزل تک پہنچا دے گی؟"

"کچھ نہیں کہا جاسکتا گلاب، کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ آنے والے وقت کے بارے میں کچھ کہنا انسان کی سب سے بڑی حماقت ہوتی ہے اور اب میں یہ حماقت کبھی نہیں کروں گا۔"

"امکانات تو ہیں منصور بھائی اس بات کے، امکانات تو ہیں کہ ہم کسی طرح ساحل تک پہنچ جائیں؟"

"ہاں۔ انسان کو ہمیشہ پر امید رہنا چاہیے، ممکن ہے تقدیر ہمارے لئے کچھ نئے راستے منتخب کر چکی ہو۔"

"اگر ہم قاہرہ پہنچ گئے منصور بھائی تو اس کی بعد کیا کریں گے؟"

"گلاب ایک ایسی آبادی تک پہنچنا ہمارا مقصد تھا جہاں سے ہم اپنی زندگی کے راستے منتخب کر سکیں۔ اگر تقدیر نے ہمیں قاہرہ پہنچا دیا تو وہاں ہماری حیثیت مجرموں کی سی ہو گی۔ ظاہر ہے ہم اپنی کہانیاں سناتے پھریں گے اور کوئی ان کہانیوں پر یقین نہیں کرے گا۔ ہو گا وہی۔ جو قانونی طور پر ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ اپنے طور پر اپنی اپنی زندگی بچانے کی کوشش کریں گے۔ یہ ذمے داری سو فی صد انکی اپنی ہے۔ باقی رہا تمہارا معاملہ کوشش کرنا، کسی بھی پولیس اسٹیشن پہنچ جاؤ۔ وہاں جاکر اپنے بارے میں تفصیلات بتا دینا اور ان سے درخواست کرنا کہ تمہیں تمہارے سفارت خانے پہنچا دیں اس کے بعد ممکن ہے تمہارا سفارت خانہ تمہیں تمہارے ملک پہنچا دے۔ مشکلات کا شکار تو ہو گے گلاب لیکن بہر طور اس کے علاوہ اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔" گلاب میری باتوں کو غور سے سنتا رہا پھر بولا۔

"منصور بھائی کیا تم وہاں میرا ساتھ چھوڑ دو گے؟"

"ہاں گلاب۔ میں تمہیں پہلے بھی آگاہ کر چکا ہوں اور اب بھی یہی بات کہہ رہا ہوں کہ قاہرہ پہنچنے کے بعد ہمارے راستے الگ الگ ہوں گے۔ دراصل مجھے کچھ ایسے معاملات سے نمٹنا ہے جن کے بارے میں تمہیں تفصیل بھی نہیں بتا سکتا۔ میں نہیں چاہتا گلاب کہ تم میرے ساتھ مشکلات میں پھنسو۔ تم نے اپنی جو کہانی سنائی ہے اس میں اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ تم زندگی میں کوئی تبدیلی تلاش کر سکو۔ تمہارے لئے اپنے وطن چلے جانا ہی مناسب ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تب پھر اس کے لئے بھی مجبور نہ کرو منصور بھائی کہ میں وہاں قانونی طور پر سب کچھ کروں۔"

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں منصور بھائی۔ میں اک سیدھا سادا جاہل سا آدمی ہوں لیکن اتنی باتیں ضرور جانتا ہوں اگر میں نے خود کو سچائی اور سادگی سے قانون کے حوالے کر دیا تو قانون میری باتوں پر یقین نہیں کرے گا اور لوگ یقینی طور پر نہ جانے مجھے کیا سمجھیں گے اور پھر میرے ساتھ

جو کچھ ہو گا وہ اس سے الگ نہیں ہو گا جو ہوتا چلا آیا ہے، منصور بھائی اگر تم میرا ساتھ چھوڑ دو گے تو میں یہ کوشش کروں گا کہ مصر میں اپنے لئے کوئی جگہ تلاش کر سکوں۔ اگر مجھے وہاں کوئی مناسب جگہ مل گئی تو کچھ عرصہ نوکری کرنے کے بعد پھر اپنے لئے کوئی ایسا راستہ تلاش کروں گا کہ اپنے وطن پہنچ جاؤں۔ میں خود بھی اتنا ناکارہ نہیں ہوں۔ بس یوں کہیں کہ حالات نے مجھے مٹی بنا دیا تھا۔"

میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی اور کہا۔ "اگر یہ بات ہے گلاب تو مجھے انتہائی خوشی ہوگی۔ میں اس بات پر بے حد مسرور ہوں گا کہ تم زندگی کے بہتر راستے تلاش کر سکے میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں گلاب۔"

گلاب خاموش رہا اس کے بعد اس نے اس موضوع پر اور کوئی بات نہیں کی۔ دوسرے تمام لوگ جو میری وجہ سے آزادی کا چہرہ دیکھ سکے تھے میرے ممنون تھے اور اپنی دنیا الگ بسائے ہوئے تھے گلاب انھی میں شامل ہو گیا۔ بہروز البتہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک بات پوچھوں ماسٹر؟"

"ضرور پوچھو، تمہیں کوئی روک سکتا ہے۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ مجھے ان لوگوں میں شمار نہیں کریں گے جو آپ کے معاملات میں ملوث ہو سکتے ہیں؟"

"نہیں بہروز میں نے تم سے بادیان پر ہی کہہ دیا تھا کہ تم اسی طرح میری زندگی کا جزو بن چکے ہو جس طرح ایاز میرا ساتھی تھا، ایاز کی وجہ سے مجھے اس دنیا سے اس قدر نفرت نہیں ہوئی جتنی ہو جانی چاہیئے تھی۔ دوسری شخصیت تم ہو جس کی وجہ سے میں اس دنیا سے محبت کروں گا۔ حالات کیسے بھی ہوں تم میرے ساتھی رہو گے بہروز تم یقینی طور پر میرے ساتھی رہو گے۔"

"میں اس اعتماد اور اس محبت کے لئے صحیح الفاظ تلاش نہیں کر سکتا جس سے میں تمہارا شکریہ ادا کروں منصور۔ بس یوں سمجھو کہ میں تمہارا غلام ہوں۔" بہروز کے انداز میں عجب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ میں نے محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اسے اپنے ساتھ لے کر اس جگہ پہنچ گیا جو ہمارے آرام کے لئے مخصوص کی گئی تھی۔

لانچ سبک روی سے اپنا سفر طے کر رہی تھی۔ دوپہر ڈھلی، شام ہو گئی۔ ہمیں کھانے پینے کی چیزیں فراہم کی جاتی رہی تھیں۔ کیپٹن ینگ بہت اچھی طرح ہمارے ساتھ پیش آ رہا تھا شام کی چائے پر وہ ہمارے ساتھ ہی آ بیٹھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"کہو دوستو۔ کیسا سفر طے ہو رہا ہے؟ کسی قسم کی کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی ابھی تک؟"

"نہیں مسٹر ینگ بے حد شکریہ۔ بس اب ہمارے ذہنوں پر یہ احساس سوار ہے قاہرہ کے درمیان ساحل پر اتر کر کہاں جائیں گے۔ کیا آپ اس سلسلے میں بھی ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں مسٹر ینگ؟" میں نے سوال کیا۔

ینگ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی پھر اس نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ قاہرہ پہنچنے میں کافی وقت ہے تم لوگوں کو ابھی سے اس کے لئے پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔"

"اس کے باوجود ہم اپنے ذہنوں میں کوئی پروگرام تو ترتیب دے لیں۔" میں نے کہا۔

"پہلے سے سوچے ہوئے پروگرام کبھی پورے نہیں ہوتے میری اس بات کو یاد رکھنا۔" ینگ نے کہا اور میں عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ نجانے کیوں مجھے ینگ کے الفاظ کسی قدر عجیب لگے، بہر طور میں نے اس کا تذکرہ اس سے نہیں کیا اور خاموشی سے چائے پیتا رہا۔ "بادیان سے آتے وقت تم اپنے ساتھ کیا لائے تھے؟"

"کیا مطلب ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"میں نے جو کہا ہے اس کا وہی مطلب ہے مسٹر، اس میں کوئی ہیر پھیر والی بات نہیں۔ بادیان آنے والے اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ ضرور لاتے ہیں۔ غلام، چرس یا ایسی ناجائز منشیات جو عام جگہ پر ایسی قیمتیں نہیں دیتی۔" ینگ نے کہا۔

"ہاں۔ ہم لوگ چرس لائے تھے۔"

"البانو نے بھی یہی بتایا تھا۔ ویسے آپ لوگوں نے کافی دولت کمائی ہو گی چرس سے۔ آپ کے اس سامان میں کیا کیا چیزیں ہیں؟" ینگ نے پوچھا۔

"اس کی تفصیل بتانا ضروری نہیں ہے ینگ۔" میں نے جواب دیا اور وہ شانے ہلا کر ہنس پڑا۔

"اوہ نہیں۔ نہیں۔ یہ باتیں صرف برائے گفتگو سے تعلق رکھتی ہیں اگر آپ اس معاملے میں کچھ بتانا نہیں چاہتے، تو نہ سہی۔" ینگ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"سوری مسٹر ینگ۔ میرا مقصد کسی طور آپ کی دل شکنی کرنا نہیں تھا۔ براہ کرم تشریف رکھیئے۔"

"اوہ نہیں ڈیئر۔ میں ناراض ہو کر نہیں اٹھ رہا۔ میں نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے اور ایک بار پھر تمہیں ایک بات بتا دوں کہ یہ سب کچھ میں نے ازراہ دوستی پوچھا تھا۔ تم اس کو محسوس نہ کرنا۔ میں ذرا لانچ کا جائزہ لے لوں۔" ینگ وہاں سے چلا گیا لیکن نہ جانے کیوں میری چھٹی حس مجھے خطرے کی طرف متوجہ کرنے لگی حالانکہ بظاہر ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ ینگ نے جو کچھ کہا تھا وہ ایک عام سی بات تھی۔ بہروز نے میری یہ کیفیت محسوس کر لی اور مجھ سے کہنے لگا۔

"کیا بات ہے چیف۔ کچھ الجھے الجھے سے نظر آنے لگے ہو میرا مطلب ہے کچھ دیر قبل تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھے لیکن اب؟"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یار بہروز تم تو اب میری رگ رگ سے واقف ہوتے جا رہے ہو۔ تم نے یہ اندازہ بھی لگا لیا کہ میں کچھ الجھ گیا ہوں ویسے کیا تمہیں ینگ کی گفتگو عجیب سی محسوس نہیں ہوئی؟"

"ہوئی تھی..... اور یہ بھی علم ہے کہ آپ اسی گفتگو سے الجھے ہیں مسٹر منصور۔" بہروز نے کہا۔

"ہاں یہ کہو کہ میری چھٹی حس مجھے کسی خطرے کا احساس دلا رہی ہے۔ ہمارے ہتھیار بھی بادیان پر لے لئے گئے تھے اور ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ لانچ کا عملہ کس قدر مسلح ہے؟"

"مگر..... یہاں ہمیں ہتھیاروں کی ضرورت کیوں پیش آئے گی؟" بہروز نے پوچھا۔

"میں نے کہا نا۔ اس کا جواز نہیں ہے میرے پاس۔ ممکن ہے یہ میرا وہم ہو۔" بہروز پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ شام گہری ہوتی گئی اور ماحول پر اس کے بعد تاریکی کا سناٹا مسلط ہو گیا۔ سمندر کی لہریں لانچ سے ٹکرا ٹکرا کر منتشر ہوتی رہیں اور ان کی آواز فضاؤں میں ابھرتی رہی۔ باقی لانچ پر خاموشی تھی، عملے کے افراد پر سکون انداز میں اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے رات کا کھانا کھایا اور پھر آرام کرنے کے لئے اس مخصوص حصے میں دراز ہو گئے جو ینگ نے ہمیں بتایا تھا اور تقریباً اس وقت رات کے ساڑھے دس بجے تھے ہم پر اچانک تیز روشنیاں پڑیں۔ ان روشنیوں نے ہمیں اپنے احاطے میں لے لیا تھا۔ روشنیاں اتنی تیز تھیں کہ ہماری آنکھیں چکا چوند ہو گئیں اور ہم سب آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھ بیٹھے۔ چند لمحات کے بعد ہمارے سامنے کی سمت کی روشنیاں بجھا دی گئیں بس عقب سے ہم پر ویسی ہی تیز روشنیاں پڑ رہی تھیں جو یقیناً کسی سرچ لائٹ سے ڈالی گئی تھیں اور پھر ایک شخص ہمارے سامنے آگیا آنکھوں سے دھند چھٹی تو میں نے اس شخص کو دیکھا میرا دل دھک سے ہو کر رہ گیا یہ کیپٹن البانو تھا۔ اس کے عقب میں چار آدمی تھے جن کے ہاتھوں میں دبے ہوئے پستول ہماری جانب اٹھے ہوئے تھے۔ کیپٹن البانو کو لانچ پر دیکھ کر مجھے جس قدر حیرت نہ ہوتی کم تھی میں ششدر کھڑا اسے دیکھتا رہا اور البانو مسکراتا رہا پھر بولا۔

"میں تمہاری اس حیرت سے لطف اندوز ہو رہا ہوں مسٹر، تمہیں یقیناً تعجب ہو گا کہ میں تمہیں خدا حافظ کہہ کر گیا تھا پھر میں اس لانچ پر کیسے پہنچ گیا؟"

"حیرت کی بات ہے مسٹر البانو اور مزید حیرت اس بات پر ہے کہ تمہارے پیچھے کھڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں پستول ہیں، آخر کیوں.... تمہارا انداز ہمارے ساتھ اتنا

جارحانہ کیوں ہے اور تمہیں اس طرح لانچ پر آنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں تم یہ سوال کرسکتے ہو دوست' بات دراصل یہ ہے کہ "یہ جزیرہ' جسے بادیان کہا جاتا ہے ان جرائم پیشہ افراد کا جزیرہ ہے جو اپنی قوت اور طاقت کے بل پر یہاں آتے ہیں دولت سمیٹتے ہیں اور اپنی اپنی دنیا میں واپس چلے جاتے ہیں' یہاں ہر لمحہ ہر گھڑی ہر شخص کو محتاط رہنا ضروری ہے' میں خود بھی یہاں قانونی طور پر نہیں آتا' ہر چند کہ میرا جہاز ایک قانونی حیثیت رکھتا ہے اور میں دنیا کی نگاہوں میں ایک باعزت کپتان ہوں لیکن یہ میری ذہانت ہے کہ میں سمندر میں کچھ وقت ایسا بھی حاصل کر لیتا ہوں جسے بادیان پر گزار سکوں پھر اس وقت کا حساب میں نہایت صفائی سے دے دیتا ہوں اور کسی کو شبہ بھی نہیں ہوتا کہ میں سمندر کے سینے پر سفر نہیں کرتا رہا ہوں' یہ وقت جو میں بادیان پر گزارتا ہوں میرے عزیز' صحیح معنوں میں یہی میری آمدنی کا ذریعہ ہے ورنہ کسی جہاز کی کپتانی سے کسی شریف آدمی کو کیا مل سکتا ہے تم خود سوچو میں نے جو دولت اکٹھی کی ہے' بادیان سے اکٹھی کی ہے اور بادیان کے لوگ البانو کو بہتر طور پر جانتے ہیں' کم ازکم وہ جو اس کے شکار ہو چکے ہوں۔

تو میرے پیارے دوستو' ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ میں بادیان سے واپسی کا سفر اختیار کروں' ممکن ہے میں تمہیں یہاں سے لے جاکر قاہرہ چھوڑ دیتا لیکن تمہارے پاس جتنی دولت مجھے محسوس ہوئی تھی' اس نے سچی بات ہے کہ میری نیت خراب کردی۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ' تمہاری دولت میرے پاس آنی چاہیے اور چونکہ ابھی میں اور مسٹر ینگ کہیں جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے اس لئے تمہاری دولت لوٹنے کے بعد ہمیں تم سے بھی نجات حاصل کرنا ہوگی تاکہ ہم آرام سے بادیان پر اپنا کچھ کام کریں۔ میں نے تمہارے سامان کی تلاشی لے لی ہے جو کچھ مجھے مل سکا ہے مجھے معاف کرنا میں نے حاصل کر لیا ہے اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ بھی ہمیں دے دو۔"

"گویا تم..... لٹیرے ہو' قزاق ہو تم؟" میں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں جب ہمارا جہاز سمندر کی مخصوص پٹیوں کو چھوڑ کر بادیان کی جانب رخ کرتا ہے تو اس جہاز پر موجود تمام لوگ لٹیرے بن جاتے ہیں۔ اس وقت ہمارے ذہن میں صرف ایک ہی خیال ہوتا ہے' دولت۔ دولت..... ہم اپنی مہذب زندگی وہیں چھوڑ آتے ہیں اور وہ راستے اختیار کر لیتے ہیں جو ہمیں دولت کی سمت لے جاتے ہیں۔ تم سے سب کچھ حاصل کرنے کے بعد ہم تمہیں سمندر میں پھینک دیں گے اور لانچ واپس بادیان پہنچ جائے گی۔ بادیان پر میرا جہاز موجود ہے' ابھی تو مجھے وہاں بہت کچھ کرنا ہے۔ میرے پاس قطعی وقت نہیں ہی کہ میں کہیں دور تک سفر کر سکوں' نہ ہی مسٹر ینگ ابھی کہیں جا سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اب تم لوگ اپنے آخری سفر کی تیاریاں کرو' ہاں ذرا ان کی تلاشی تو لینا۔" اس نے

عقب میں کھڑے ہوئے آدمی سے کہا اور چند افراد ہمارے قریب پہنچ گئے۔

میں اس خوفناک صورت حال سے ایک لمحے کے لئے تو سخت پریشان ہو گیا تھا لیکن زندگی کا اختتام اچانک اتنے قریب کبھی نہیں آیا تھا جتنا اب' چنانچہ میرے پاس سوچنے کے لئے ایک لمحہ بھی نہیں تھا۔ جو کچھ کرنا تھا اندھے اقدامات کے تحت کرنا تھا چنانچہ جونہی شخص نے عقب سے آکر میرے سینے پر ہاتھ رکھا' میں نے دونوں ہاتھ الٹے کر کے اس پسلیوں پر مارے اور پھر اسے سر سے بلند کر کے اس قوت سے البانو پر پھینکا کہ البانو خود سنبھال نہ سکا۔ وہ پیچھے کھڑے ہوئے آدمیوں پر ڈھیر ہو گیا۔ دو آدمیوں نے اسے سنبھالا بقیہ دو نے فائرنگ شروع کردی۔ چند چیخیں ابھریں' میں نے یہ بھی اندازہ نہیں لگایا تھا کہ چیخیں کس کی ہیں' اس وقت تو جو کچھ ہونا تھا ہو ہی جانا تھا۔ اڑتا ہوا ان دونوں پر جا پڑا البانو کو سنبھالنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ میں نے اندازہ رکھا تھا کہ ان دونوں کے تول کس طرح میرے ہاتھ میں آسکتے ہیں چنانچہ جونہی میں ان پر گرا میرے دونوں ہاتھوں نے ان کے پستول چھین لئے اور پھر میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان دو افراد پر گولیاں چلا دیں جن کے ہاتھوں میں پستول موجود تھے اور جو فائرنگ کر رہے تھے۔ میری چلائی ہوئی دونوں گولیوں نے ان کی پیشانیوں میں سوراخ کر دیئے اور وہ چیخیں مار کر الٹ گئے۔ البانو جو کسی قدر سنبھل گیا تھا الٹی قلا بازی کھا کر میری طرف آیا اور میں نے ایک گولی اس کے سینے میں بھی داغ دی۔ میں اس وقت ذرا بھی تکلف سے کام نہیں لے رہا تھا۔ جہاز کے عملے کا جو فرد میرے سامنے آیا' میں نے اس پر بے دریغ پستول استعمال کر ڈالا۔

اسی دوران گلاب نے بھی ایک کارنامہ دکھا ڈالا' یعنی جو دو پستول نیچے گر پڑے تھے ان نے اپنے قبضے میں لے لئے اور وہ بھی جہاز کے عملے کے لوگوں پر فائرنگ کرنے لگا۔

بہروز کا کوئی پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے' ذرا سی دیر میں ہم نے عملے کے تقریباً دس آدمیوں کو ڈھیر کر دیا۔ کچھ اور لوگ جو ہمارے ساتھی غلام تھے اسلحے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے چنانچہ ان کی مدد سے ہم نے انتہائی پھرتی سے حالات پر قابو پالیا۔ لانچ کے عملے کے تمام افراد یا تو شدید زخمی ہو گئے تھے یا ہلاک ہو چکے تھے۔ کیپٹن البانو کے عین دل کے مقام پر گولی لگی تھی چنانچہ اس کی فوری موت واقع ہو گئی تھی۔ کچھ فاصلے پر گیری ینگ کی اوندھا پڑا تھا۔ میں نے اسے پاؤں کی ٹھوکر سے پلٹ کر دیکھا تو اس کی پیشانی اور سینے میں تین گولیاں پیوست تھیں' یہ گلاب کی چلائی ہوئی گولیاں تھیں۔ گلاب نے درحقیقت اس وقت انتہائی برق رفتاری سے کام کیا تھا اور میری پوری پوری مدد کی تھی ورنہ غیر تربیت یافتہ لوگوں سے ایسے خوفناک اور اچانک پیش آنے والے حادثے سے نمٹنے کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ لانچ کا ہنگامہ فرو ہو گیا تھا اور اب کوئی مزاحمت نہیں تھی۔

"بہروز کہاں ہے گلاب؟" میں نے لانچ میں نگاہ دوڑاتے ہوئے پوچھا اور گلاب بھی

ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر ہم دونوں ہی ایک طرف لپکے۔ بہروز ہمیں نظر آ گیا تھا۔

میں نے جلدی سے اس کا بدن دیکھا۔ اس کی بائیں ران پر سوراخ تھا اور اس خون ابل رہا تھا۔ بقیہ بدن ٹھیک تھا۔ سانس کی رفتار میں بھی کوئی فرق نہیں تھا ابتدائی امداد کے طور پر میں نے اس کے زخم پر پٹی کس دی اور اسے ہلا جلا کر دیکھا۔ وہ بے ہو تھا چنانچہ میں اسے اس جگہ سے اٹھا کر لانچ کے کیبن میں لے گیا۔ ران کے زخم کا اند لگانے کے بعد ہی فیصلہ کیا جا سکتا تھا کہ گولی نے کس قدر نقصان پہنچایا ہے۔

"کسی چیز کی ضرورت، منصور بھائی؟" گلاب نے پوچھا۔

"نہیں گلاب لانچ کو کنٹرول کرو۔ میں ذرا بہروز کو دیکھ لوں، اس کے بعد تمہار پاس پہنچتا ہوں۔" میں نے کہا اور گلاب چلا گیا بہروز کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ خون رک گیا لیکن اتنی ہی دیر میں کافی خون بہہ گیا تھا اور اس کے چہرے پر زردی کھنڈ گئی تھی۔

میں نے احتیاط سے اس کے زخم پر بندھی ہوئی پٹی کھولی۔ خون پھر رسنے لگا لیکن زخم دیکھے بغیر چارہ بھی نہیں تھا اور اس کے لئے بہروز کا زیریں لباس اتارنا ضروری میں نے تکلف مناسب نہیں سمجھا۔ زیادہ خون بہہ جانے سے اس کی زندگی کو بھی خطرہ لا ہو سکتا تھا چنانچہ میں نے اس کا لباس نیچے سرکا دیا تھا لیکن دوسرے لمحے میرے دماغ ایک شدید دھاکا ہوا۔ میری آنکھیں جھپک گئیں پھر کھلیں اور پھر بند ہو گئیں۔ مجھے ان بصارت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ جو کچھ میں نے دیکھا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔ بہروز لڑکی تھ ہاں بہروز لڑکی تھا۔ ایک لمحے کے لئے دل میں اس کی طرف سے بدگمانی پیدا ہو گئی۔ اس یہ بات مجھ سے کیوں چھپائی لیکن پھر خود میرے ذہن نے مجھے سارے سوالات کے جواب دے دیئے۔ ابتدا میں اسے میرے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ آہستہ آہستہ ہی اعتماد قا ہوا اور اس کے بعد جھجک پیدا ہو گئی ہو گی۔ بہروز نے کوئی جھوٹی کہانی تو نہیں سنائی مجھ سوائے اس کے کہ اس نے اپنے کردار کو ایک نوجوان کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ وہ تو او زیادہ قابل عزت تھا کہ اس نے لڑکی ہو کر اس طرح حالات کا مقابلہ کیا۔

میں نے خود کو سنبھال لیا۔ وہ لڑکی ہے تو کیا ہوا۔ اس وقت میرے علاوہ کوئی نہیں ہے جو اس کی دیکھ بھال کر سکے چنانچہ میں نے ذہن کو ہر آلودگی سے پاک کر کے اس زخم کو دیکھا اور یہ دیکھ کر مجھے از حد مسرت ہوئی کہ گولی گوشت ہی سے پار ہو گئی تھی اد ہڈی کو نقصان نہیں پہنچا تھا۔

نرم و نازک بدن کے لئے اب زیادہ احتیاط کرنی پڑی۔ کوئی دوا وغیرہ تو نہیں تھی جلا ہوا کپڑا دونوں طرف سے زخم میں بھرا اور احتیاط سے پٹی کس دی۔ خون بالکل رک گیا تھا۔ میں نے "اطمینان کرنے کے بعد اس کا لباس درست کر دیا۔ اور پھر پیشانی مسلنے لگا۔ خدا بہروز پر اس بات کا کیا اثر ہو گا اور دوسرے لوگوں کو...... نہیں دوسرے لوگوں کو اس بات

کی ہوا بھی نہیں لگنی چاہیے۔ بہت سے فیصلے کیے تھے میں نے دل ہی دل میں بہروز بدستو بے ہوش تھا۔ میں نے اسے اطمینان سے لٹا دیا۔ اب تو صورت حال اور نازک ہو گئی تھی۔ میں کسی اور کو اس کے پاس نہیں چھوڑ سکتا تھا لیکن باہر کا جائزہ لینا بھی ضروری تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب ذہن میں نہیں آئی کہ اسے وہیں رہنے دوں اور کیبن کا دروازہ باہر سے بند کر دوں۔

تھوڑی دیر کے بعد میں کیبن سے باہر آ گیا۔ گلاب اور دوسرے لوگوں پر سکتے کی کیفیت طاری تھی۔ لانچ کا انجن اسٹارٹ تھا اور لانچ اپنی جگہ رکی ہوئی تھی۔ سمندری لہریں اسے ہچکولے دے رہی تھیں۔ میں نے سب سے پہلے اس کا انجن بند کیا اور اسٹیئرنگ سنبھال لیا پھر لانچ کو سیدھا کرنے کے بعد میں نے گلاب کو مخاطب کیا اور گلاب سراسیمہ سا میرے پاس آ گیا۔

"سب سے پہلے ان لوگوں سے معلوم کرو گلاب، کہ ان میں سے کوئی لانچ کی ڈرائیونگ سے متعلق کوئی بات جانتا ہے؟؟"

"نہیں جانتا منصور بھائی۔"

"کیسے معلوم ہوا؟؟"

"ہم لوگ یہی باتیں کر رہے تھے کہ اب کیا کریں گے؟؟" گلاب نے جواب دیا۔

"اوہ۔ فکر کی کوئی بات نہیں ہے گلاب۔ میں لانچ سنبھال سکتا ہوں۔ آؤ تمہیں اس کے بارے میں مختصراً کچھ بتا دوں یا پھر یوں کرو کہ پہلے ہم ان ذلیل آدمیوں سے نجات حاصل کر لیں، چلو سب لوگ ان کے لباسوں کی تلاشی لو اور جو کچھ ان کے پاس سے برآمد ہو نکال لو۔ اس کے بعد ان کی لاشوں کو سمندر میں پھینک دو۔" میں نے انہیں ہدایت دی اور وہ سب میری ہدایت کی تعمیل میں مصروف ہو گئے۔

لاشوں کے لباسوں سے بہت کچھ ملا تھا۔ بہرحال لانچ کو ان لوگوں سے خالی کر دیا گیا۔ اس کے بعد فرش سے خون وغیرہ صاف کیا گیا۔ گلاب نے ان میں سے چند لوگوں کے لباس بھی اتار لئے تھے اور انھی لباسوں سے فرش سے خون صاف کیا گیا اور پھر ان کپڑوں کو پانی میں پھینک دیا گیا۔ سمندر میں بڑا ہنگامہ ہو رہا تھا۔ پہلے تو ہم نے اس پر توجہ نہیں دی لیکن پھر کسی خیال کے تحت میں نے کنارے پر آ کر جھانکا تو نیچے ایک دہشت ناک منظر نظر آیا۔ گوشت خور مچھلیوں کے غول لانچ کے اردگرد پھیل گئے تھے اور انسانی اعضا پانی پر اچھل رہے تھے۔ مچھلیوں نے اپنے تیز دانتوں سے ان لاشوں کے حصے بخرے کر لئے تھے۔ اور اپنا اپنا حصہ منہ میں دبائے ادھر ادھر بھاگ رہی تھیں۔

مچھلیوں کی تعداد اتنی تھی کہ یہ چند لاشیں اس کے لئے بہت کم تھیں۔ ابھی تو پانی میں خون موجود ہے وہ وہیں الجھی رہیں گی لیکن لاشوں کو چٹ کرنے کے بعد وہ بے قابو ہو

جائیں گی اور پھر ممکن ہے وہ لانچ پر حملہ آور ہوں۔ کافی عظیم جثے کی مچھلیاں تھیں اور ان کے آری جیسے دانت نمایاں تھے۔ ان کی آنکھوں میں موت کی چمک دیکھی جا سکتی تھی۔ اس لئے اس سے قبل کہ وہ کوئی خطرناک مرحلہ پیدا کر دیں ان کے نرغے سے نکل جانا ضروری ہے۔

"لانچ ڈرائیو کرنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا نہ ہی سمندر کے بارے میں کچھ جانتا تھا لیکن اگر میں بھی ان لوگوں سے اپنی عدم واقفیت کا اظہار کر دیتا تو سب خوفزدہ اور بددل ہو جاتے اور اس کے بعد نہ جانے کیا مشکل پیدا ہوتی۔

بہرحال لانچ کے کل پرزے دیکھے۔ ڈرائیونگ سے واقفیت تھی اس لئے کام چلا لیا اور لانچ کو بھی کار کی طرح چلانے لگا۔ انجن کی آواز سے مچھلیاں کچھ خوفزدہ ہو کر دور ہٹ گئیں اور میں لانچ ان کے درمیان سے نکال لے گیا۔ میری تمام توجہ اب لانچ پر تھی اور چند منٹ کے اندر اندر مجھے اس کی ڈرائیونگ سمجھ میں آ گئی اب کوئی دقت نہیں تھی۔

گلاب میرے نزدیک آ کھڑا ہوا تھا۔ میں اسے ڈرائیونگ کا طریقہ بتانے لگا اور پھر خود اسٹیرنگ سے ہٹ گیا۔ گلاب نے کنٹرول سنبھال لیا تھا۔ میں اسے اصولی باتیں بتانے کے بعد بولا۔

"کیا خیال ہے گلاب تم اسے کنٹرول کر سکتے ہو؟"

"ہاں منصور بھائی۔ یہ تو بہت آسان ہے۔"

"اگر سمندر میں کوئی خاص بات دیکھو تو فوراً مجھے اطلاع دینا۔"

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"بہروز ابھی تک بے ہوش ہے۔ اسے دیکھوں کہیں اس کی حالت زیادہ نہ بگڑ جائے اور سنو تمہارا کیا نام ہے؟" میں نے ایک شخص سے کہا۔

"دانیال' آقا۔" اس شخص نے ادب سے کہا۔

"دانیال۔ چائے یا کافی ملے تو بنا کر لے آؤ۔ دوسرے لوگوں کو بھی پلاؤ اور خود بھی پیو۔ ہم صبح کی روشنی میں باقی امور کا جائزہ لیں گے۔"

"جو حکم آقا۔" دانیال نے کہا اور میں کیبن کی طرف چل پڑا۔ میں نے کیبن کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ بہروز چت لیٹا تھا بلکہ لیٹی تھی۔ اب تو اس کی شخصیت عجیب ہو گئی تھی۔ میری نگاہ میں لیکن بہروز کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ کیبن کے دروازے پر آہٹ ہوئی تو اس نے گردن گھمائی اور پھر مجھے دیکھ کر اس پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔

"منصور..... منصور..... من......" وہ بے اختیار دونوں ہاتھ پھیلا کر اٹھا اور میں جلدی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔

"لیٹے رہو۔ لیٹے رہو۔"

"خدا کی قسم...... خدا کی قسم۔ یہ تم ہی ہو۔ یہ تم ہو منصور؟ میرے آقا۔ میرے الک۔ میرے منصور۔" وہ شدید جذباتی ہو گئی۔ میں اس کے قریب پہنچا تو اس نے دونوں ازو میرے گرد ڈال کر مجھے بھینچ لیا۔

"کیسی کیفیت ہے تمہاری؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔ آہ۔ نہ جانے۔ نہ جانے کیسے کیسے وسوسوں کا شکار رہا ہوں۔" بہروز نے کہا۔

"مثلاً؟"

"مجھے جب ہوش آیا تو میں نے خود کو اس کیبن میں بند پایا۔ میں اٹھ کر وہاں گیا تو ں نے دروازہ بند پایا۔ اس وقت' اس وقت میں نے یہی سمجھا کہ میں قیدی ہوں اور ان بختوں نے ہم پر قابو پا لیا ہے۔"

"تم اٹھ کر دروازے تک جا چکے ہو؟" میں نے کہا۔

"ہاں۔ مگر یہ بتاؤ۔ کیا ہوا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔ ہم نے ان سب کو قتل کر دیا اور اب ان کے بدن بے گوشت ہو چکے وں گے۔"

"کیا مطلب؟"

"ان کی لاشیں مچھلیاں کھا چکی ہوں گی۔"

"سمندر میں پھینک دیا تھا انہیں؟" بہروز بے صبری سے سوالات کیے جا رہا تھا۔ بے وقوف نے شاید ابھی تک اپنی حالت پر غور نہیں کیا تھا۔

"ہاں۔ ان کی لاشیں سمندر میں پھینک دی گئی تھیں۔"

"البانو اور ینگ بھی؟" بہروز نے پھر کہا۔

"ان لوگوں میں سے کوئی زندہ نہیں بچا۔"

"میرے خدا' البانو۔ وہ ہمارے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا منصور۔" بہروز خیال انداز میں بولا۔

"کیسی غلط فہمی؟"

"اس کا خیال تھا کہ شاید ہم جزیرہ بادیان سے بہت بڑی دولت لے جا رہے ہیں اور یرے خیال میں اس کی یہ غلط فہمی فطری تھی۔

"وہ کیوں؟" میں نے سوال کیا۔

"دراصل تمہیں دولت سے کوئی دلچسپی نہیں معلوم ہوتی اس کا اندازہ تو میں بھی کر کا ہوں۔ تم نے منہ مانگی قیمت نہایت آسانی سے اسے دے دی۔ بس یہی بات تھی۔"

"اوہ۔ ممکن ہے۔"

"ممکن نہیں یہی حقیقت ہے۔ وہ ایک جہاز کا کپتان ہے اور پھر جو کچھ اس نے اپنے اور جہاز کے بارے میں بتایا ہے اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ غیر قانونی طور پر وہ کتنی دولت کما لیتا ہے۔ اگر وہ اس "غلط فہمی" کا شکار نہ ہوتا تو اتنا بڑا کھیل نہ کھیلتا۔ وہ خود بھی چھپ کر لانچ پر آ گیا۔ مقصد یہی ہو گا کہ ہمیں موت کے گھاٹ اتار کر سمندر میں پھینک دیا جائے گا اور لانچ واپس چلی جائے گی۔"

"یقیناً ایسا ہی تھا۔"

"لیکن......" بہروز مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ "تم نے یہاں بھی پانسہ پلٹ دیا۔"

"ہم میں سے کوئی سمندر کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ہمیں علم نہیں ہے کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔ اگر سمندر میں یونہی بھٹکتے رہے تو ڈیزل کا ذخیرہ ختم ہو جائے گا اور خوراک بھی۔ ابھی تو یہ بھی نہیں معلوم کہ......"

"اوہ۔ یہ۔ یہ کافی کی بو نہیں ہے؟" دفعتاً بہروز نے چوہے کی طرح ناک سکوڑتے ہوئے کہا اور میری بات درمیان میں رہ گئی۔ اسی وقت دانیال کافی کی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہو گیا ایک بڑے برتن میں کافی تھی اور ساتھ شیشے کے دو مگ رکھے ہوئے تھے۔

"شکریہ دانیال۔ باقی سب لوگوں کے لئے؟"

"بنا لی آقا۔ تمہارے بعد ان لوگوں کو دوں گا۔" دانیال نے ٹرے میرے سامنے رکھ دی اور باہر نکل گیا۔

"میرے خدا۔ یوں لگتا ہے جیسے لانچ مکمل طور سے ہماری کمان میں ہو۔ تم نے اتنی جلدی حالات پر کنٹرول کر لیا ہے منصور؟"

"ہاں۔ لانچ تو ہماری کمان میں ہے لیکن سمندر...... لو کافی پیو؟" میں نے پیالوں میں کافی نکالی اور ایک پیالہ اسے دے دیا۔ اس نے شکریہ کے ساتھ پیالہ لے کر پوچھا۔

"انجن پر کون ہے؟"

"گلاب...... لیکن مجھے اس کی دیکھ بھال کرنی ہو گی۔ وہ بے چارہ ڈرائیونگ نہیں جانتا۔ بس میں اسے الجھا آیا ہوں۔"

ہم دونوں کافی پیتے رہے۔ بہروز کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا پھر اس نے کہا۔

"ہاں۔ تم کیا کہہ رہے تھے؟"

"مزید کچھ نہیں کہوں گا۔ تم کافی اور لے لینا اور آرام کرنا۔ ابھی چلنا پھرنا خطرناک ہو گا۔" میں نے اپنے پیالے میں مزید کافی لی اور باہر نکل آیا۔ مجھے یقین تھا کہ ابھی تک بہروز نے صورت حال پر غور نہیں کیا تھا۔ اسے گمان تک نہیں معلوم ہوتا تھا کہ میں اس کی اصلیت سے واقف ہو گیا ہوں ورنہ اس کے آثار اس کے چہرے پر ضرور جھلکتے۔

باہر کے معاملات ٹھیک تھے۔ سب کافی پی رہے تھے کچھ کھانے پینے کا شغل بھی

ی تھا۔ گلاب نے ایک اور ہیلپر بنا لیا تھا جو اس کی جگہ اسٹیئرنگ سنبھالے ہوئے تھا۔

"سب ٹھیک ہے گلاب؟"

"ہاں منصور بھیا۔ بالکل ٹھیک۔ کافی مزہ دے رہی ہے تم آرام کرو منصور بھیا۔ اب م اس لانچ کی اماں کو بھی چلا لیں گے۔" گلاب کافی خوش نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس کی ی میں رخنہ اندازی پسند نہیں کی جبکہ میرا ذہن جب بھی آنے والے وقت کے بارے سوچتا مجھے یہ احساس ہونے لگتا کہ ابھی ہمیں بہت سی مشکلات سے گزرنا ہے۔ زندگی ی اور بھینٹ چاہتی ہے۔ سمندری سفر آسان نہ ہو گا۔ بس تقدیر ہی ہمیں پار لگا سکتی ہے ہ راستوں سے ناواقفیت' لانچ کے کنٹرول سے ناواقفیت جتنے مسائل پیدا کر سکتی ہے ان کا ازہ لگانا بھی مشکل تھا۔

صبح ہو گئی۔ رات کو میں نے دوبارہ بہروز کی طرف جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ رج نکل آیا۔ دانیال اور دوسرے چند لوگوں نے صبح کا ناشتہ تیار کیا۔ میں بھی اس طرف جا ا تھا جہاں وہ لوگ ناشتہ کر رہے تھے۔

"کھانے پینے کا کتنا سامان موجود ہے دانیال؟" میں نے دانیال سے پوچھا۔

"بہت مختصر ہے آقا۔ خاص طور سے پانی۔ پانی کے بس یہ دو ڈرم ہیں جو آدھے ھے ہیں اور یہ خوراک کے ڈبے......"

واقعی اتنے لوگوں کے لئے یہ خوراک اور پانی چار دن چھ دن سے زیادہ نہیں چل تا تھا۔ ظاہر ہے ینگ اور البانو کسی طویل سفر کا پروگرام بنا کر نہیں نکلے تھے۔ اگر وہ طویل ر کا پروگرام بناتے تو لانچ میں اتنے لوگوں کی ضرورت کا سامان رکھا جاتا' ان کا تو خیال تھا کہ وڑی دور سمندر میں چل کر ہمیں لوٹیں گے' قتل کریں گے اور سمندر میں پھینک دیں ے۔ اس کے لئے زیادہ خوراک اور پانی کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ خوراک اور پانی بھی وہ ہو ا جو لانچ کے عملے سے بچ رہا ہو گا اور اسے اتارنے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی ہو گی۔

خوف کی پہلی منزل تھی۔ راستوں سے بے خبر سمندر کے سینے پر بھٹکنے والوں کا ئلہ خوراک اور پانی تھا۔ اس کے خرچ ہو جانے کے بعد کیا صورت حال ہو گی۔

میں نے دانیال کو ہدایت کی۔ "دانیال تمہیں خوراک کا انچارج بنایا جاتا ہے۔ اس ت کا اندازہ لگا لو کہ ہمارے پاس خوراک کتنی ہے۔ جس قدر ممکن ہو کم سے کم خوراک رچ کرو۔ ورنہ اس کے بعد......"

"جو حکم آقا۔" دانیال نے کہا۔ دوسرے لوگوں کو بھی میری اس بات سے اتفاق تھا ی تک بہروز کی شکل نہیں نظر آئی تھی۔ مجھے تشویش ہوئی کہ کہیں ران کے زخم نے دت تو نہیں اختیار کر لی چنانچہ میں کیبن کی طرف چل پڑا۔

بہروز کیبن کی ایک آرام کرسی پر دراز تھا۔ میرے قدموں کی آہٹ سن کر اس

نے گردن گھمائی اور مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس نے صورت حال پر غور کر لیا ہے۔

"ہیلو بہروز؟"

"ہیلو" وہ آہستہ سے بولا۔

"کیا حال ہے بھائی؟"

"ٹھیک ہوں منصور۔"

"زخم کی تکلیف کیسی ہے؟"

"بہت زیادہ بھی نہیں۔ کیا باندھا ہے اس پر؟"

"لانچ میں دوا نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ میں نے جلا ہوا کپڑا زخم میں بھر کے پٹی کس دی ہے۔"

"اوہ۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ دوا بہت ہی زود اثر ہو۔ تکلیف بہت کم ہے۔" اس نے کہا۔

"شکر ہے۔ میں تمہارا ناشتہ یہیں لے آتا ہوں۔ بہتر ہے مکمل آرام کرو تاکہ زخم جلد ٹھیک ہو جائے۔"

بہروز کی آنکھوں میں تشکر کے جذبات رقصاں تھے وہ چند لمحات مجھے دیکھتا رہا اور پھر اس کی آنکھیں جھک گئیں۔ میں خاموشی سے باہر نکل آیا تھا۔ دانیال سے میں نے اپنا اور بہروز کا ناشتہ لیا پھر واپس کیبن میں پہنچ گیا۔ ناشتہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

میں خاموشی سے بہروز کے ساتھ ناشتہ کرتا رہا اور چند لمحات کے بعد میں نے نگاہ اٹھائی تو بہروز کو اپنی جانب نگراں پایا۔ مجھ سے نگاہ ملتے ہی وہ ذرا جھینپ سا گیا تھا۔ "چیف ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں ہاں ضرور۔"

"میرے زخم کو تم ہی نے بینڈج کیا تھا نا؟"

"ہاں۔ کیوں؟" میں نے سوال کیا۔ بہروز نے اس سلسلے میں کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ ایک لمحے کے لئے اس کے ہاتھ میں لرزش سی پیدا ہوئی۔ یوں لگتا تھا کہ کوئی خاص خیال اسے بے چین کر رہا ہے اور میں اس خاص خیال کی وجہ سمجھتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ بہروز کو اندازہ ہو چکا ہے کہ جسم پر بینڈج لباس کو بدن سے علیحدہ کیے بغیر نہیں ہو سکتی اور اس کا راز کھل چکا ہے لیکن میں اس وقت تک بہروز پر اس کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا جب تک بہروز خود ہی اس بارے میں کچھ نہ بتا دے۔ ناشتہ ختم ہو گیا۔ بہروز کی نگاہیں اب بھی جھکی ہوئی تھیں۔

"اچھا بہروز۔ میں چلتا ہوں۔ تم آرام کرو۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا اور اس نے ہچکچاتے ہوئے میری طرف دیکھا اور پھر بولا۔

"چیف۔ آپ یقین کریں کہ یہ زخم خراب نہیں ہو گا۔ مجھے کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ میں اس سلسلے میں بہت سخت جان ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں چیف کہ میں آپ کو اس سلسلے میں پریشان نہیں کروں گا لیکن میں اس کیبن میں زیادہ وقت نہیں گزار سکتا۔ ابھی تک یہاں رہا ہوں تو طبیعت اکتا سی گئی ہے۔ آپ اجازت دیں کہ میں بھی آپ کے ساتھ باہر رہوں۔"

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے میں تمہیں باہر بلانے کا بندوبست کرتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا چیف۔؟"

"ایک منٹ انتظار کر لو۔" میں نے جواب دیا اور باہر نکل آیا پھر میں نے بہروز کے لئے کرسی کا انتظام کیا۔ دو آدمیوں کو اس بات پر مامور کیا کہ بہروز کو کرسی پر بٹھا کر باہر لے آئیں اور کچھ لمحات کے بعد بہروز میرے پاس تھا۔ میں نے اس کی کرسی ایک جگہ رکھوا دی جہاں سے وہ سمندر کا نظارا کر سکتا تھا۔ اس طرح بہروز باہر آ گیا۔ وہ خاموشی سے سمندر دیکھتا رہا۔ میں ڈیزل کے ٹین چیک کر رہا تھا حالانکہ نہیں جانتا تھا کہ یہ ڈیزل کتنے دن ہمارا ساتھ دے سکتا ہے۔ بہرطور لانچ کا سفر جاری رہا اور پھر پورا دن ہم پر سے گزر گیا۔ بہروز نے مچھلیوں کے شکار کا مشورہ دیا تھا۔ میں نے گلاب اور دوسرے لوگوں سے اس بارے میں مشورہ کیا اور انہوں نے اس بات کی تائید کی چنانچہ دانیال ہی کی نگرانی میں رسیوں کا ایک جال تیار کیا جانے لگا۔ دانیال اس سلسلے میں کچھ سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ یہ دوسرا آدمی تھا جو کام کا ثابت ہو رہا تھا اور یہ کہ اس کا تعلق یمن سے تھا اور یہ غلاموں میں سے ایک تھا لیکن ذہین آدمی تھا۔ جلد ہی جال تیار ہو گیا اور شام پانچ بجے کے قریب جال سمندر میں ڈالا گیا۔ اس کے نتائج بڑے ہی شاندار نکلے۔ تقریباً بیس سیر وزنی مچھلیاں ہمارے جال میں آ گئی تھیں اور ہم نے انہیں کشتی میں کھینچ لیا۔ زیادہ مچھلیاں پکڑنا بے مقصد تھا کیونکہ ہمارے پاس ان کے خشک کرنے کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ زیادہ مچھلیاں یقینی طور پر خراب ہو جاتیں اس لئے ان کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ بہرطور دانیال نے کچن میں ہی مچھلیاں بھونیں اور اب رات کا کھانا یہی رہا۔ نہایت لذیذ مچھلیاں تیار کی گئی تھیں۔ سب نے نہایت ذوق و شوق سے کھائیں۔ اس طرح سمندر پر اب ہماری دوسری رات کا آغاز ہو گیا۔ رات پرسکون تھی۔ کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ میں نے بہروز کو دوبارہ کیبن میں منتقل کر دیا تھا۔ بہروز کی کیفیت کی وجہ اچھی طرح جانتا تھا۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ جب تک وہ اپنی زبان اس سلسلے میں نہیں کھولے گا۔ میں اس کا اظہار نہیں کروں گا کہ میں اس کی اصلیت جانتا ہوں حالانکہ وہ سمجھتا تھا کہ میں اب اس کی اصلیت سے واقف ہوں پھر بھی اسی انداز میں مجھ سے گفتگو کرتا رہا تھا جیسے وہ لڑکا ہو اور میں نے بھی اس گفتگو پر اسے ٹوکا نہیں تھا۔

رات کا آخری پہر تھا جب گلاب نے مجھے سوتے سے جگایا۔ میں تقریباً ساڑھے تین بجے سویا تھا اور اس وقت تک میں لانچ کا اسٹیئرنگ سنبھالے رہا تھا۔ اس دوران میں، میں نے اس کی مکمل چیکنگ کی تھی۔ ساڑھے تین بجے گلاب نے اپنی ڈیوٹی سنبھال لی اب اسے صبح سات بجے یہ ڈیوٹی انجام دینی تھی۔ اس کے بعد اسٹیئرنگ دوسرے آدمی کے سپرد کرنا تھا۔ میرا اس وقت جاگنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا لیکن گلاب نے مجھے کسی خاص وجہ سے ہی جگایا تھا۔

"کیا بات ہے گلاب؟" میں نے سوال کیا۔

"منصور بھائی۔ لانچ کا انجن بند ہو گیا ہے۔" گلاب نے جواب دیا۔

"ایں۔ بند ہو گیا ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا اور پھر میں نے خود بھی یہ بات نوٹ کی کہ انجن کی آواز نہیں آ رہی۔ "کیوں کیا بات ہے۔ اندازہ نہیں ہو سکا؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں کوئی اندازہ نہیں ہو سکا البتہ میں نے سوئچ آف کر دیا ہے۔" گلاب نے جواب دیا۔

"یہ اچھا ہوا۔ آؤ دیکھیں کہ کیا بات ہے؟" میں نے کہا اور اٹھ کر سٹیرنگ پر پہنچ گیا۔ لانچ کے انجن کے بارے میں جس قدر اندازہ لگایا جا سکتا تھا اس سلسلے میں میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ ڈیزل ختم ہو گیا ہے۔ ڈیزل کے جو ٹین باقی بچے تھے میں نے اس میں الٹ دیئے اور انجن اسٹارٹ کیا مگر انجن اسٹارٹ نہیں ہوا۔ اب مجھے واقعی پریشانی ہو گئی تھی۔ لانچ لہروں کے رحم و کرم پر تھی اور ہچکولے لے رہی تھی۔ یہ پریشانی تو واقعی خطرناک تھی اور اس کا کوئی حل میرے پاس نہیں تھا۔ میں اس کے انجن کو ٹٹولنے لگا۔ میں اب اتنا بڑا مکینک بھی نہیں تھا کہ انجن کو سنبھال سکتا۔ میں نے ہر ممکن کوشش کر لی لیکن لانچ کا انجن نہیں چلا۔ اگنیشن کا سوئچ بھی آن ہو جاتا تھا مگر انجن اسٹارٹ نہیں ہو رہا تھا۔ نہ جانے کیا خرابی ہو گئی تھی۔ گلاب اور دوسرے لوگ پریشان نظر آنے لگے کیونکہ یہ مصیبت ہمارے سر پر آن کھڑی ہوئی تھی۔ گلاب نے متفکرانہ انداز میں میری شکل دیکھی اور بولا۔

"اب کیا کیا جائے منصور بھائی؟"

"کیا کیا جا سکتا ہے گلاب۔ تقریباً جو چیزیں ضروری تھیں وہ میں دیکھ چکا ہوں۔" میں نے کہا اور گلاب بہت زیادہ پریشان نظر آنے لگا۔

"اس کا مقصد ہے لانچ اب آگے نہیں بڑھے گی؟" اس نے پریشان لہجے میں کہا۔

میں خاموشی سے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ گلاب کی بات کا میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ظاہر ہے میں اب سلسلے میں کیا کہہ سکتا تھا۔ لانچ رکی ہوئی تھی۔ بادبان کا کوئی سلسلہ نہیں تھا جس کی مدد سے اس کو ہوا کے رخ پر آگے بڑھایا جا سکتا۔ کوئی بھی صورت حال نظر

آ رہی تھی کہ ہم ان حالات پر قابو پا سکتے۔

تقریباً ایک گھنٹے تک مزید کوشش کی گئی۔ بادبان بنانے کی کوشش بھی کی گئی تھی کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جسے بادبان کے کپڑے کے طور پر استعمال کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ بانس وغیرہ یا کوئی ایسی بلیاں بھی نہیں تھیں جن پر بادبان چڑھائے جا سکتے۔ لانچ پر یقینی طور پر ان حالات سے نمٹنے کا کوئی طریقہ ہو گا یا انجن مکینک اس کے ساتھ ہوں گے لیکن اس وقت ہم بے یار و مددگار لوگوں کے لئے کوئی طریقہ نہیں تھا چنانچہ ہم بے بسی سے ہاتھ ملتے رہے۔ اب بات صرف سمندر کی لہروں کی تھی جو لانچ کو متحرک تو کیے ہوئے تھیں لیکن لانچ کس طرف جا رہی ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ بعض اوقات وہ دائیں سمت سے آگے بڑھ جاتی اور پھر اسی انداز میں پیچھے ہٹ جاتی۔ وہاں تو ہوا کے رخ کی بات تھی۔ اس کے علاوہ ہچکولے بھی اتنے لگ رہے تھے کہ اب چیزیں گرنے لگی تھیں۔ گویا تباہی نزدیک تھی جب ہم بالکل ہی بے حال ہو گئے تو میں کیبن میں پہنچ گیا۔ بہروز بھی صورت حال سے پریشان تھا۔ اس نے سراسیمہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔

"میں صورت حال سمجھ چکا ہوں منصور۔ اب کیا ہو گا؟"

"اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے بہروز۔ میں نہیں جانتا انجن کو کیا ہو گیا ہے۔ نہ لانچ کے بارے میں اتنی معلومات رکھتا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں اس پروگرام سے نہیں چلا تھا۔ اگر صورت حال علم میں ہوتی تو میں ایسی کارروائی نہ کرتا۔ میں لانچ کو چلانے کی کوشش نہ کرتا لیکن اب جو کچھ ہوا ہے وہ ہم سب کی تقدیر ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ آئندہ تقدیر ہمارے لئے کون سا راستہ انتخاب کرتی ہے۔" میں نے جواب دیا اور بہروز ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ باہر گلاب اور دوسرے لوگ لانچ کی ریلنگ سے لگے ہوئے اپنی تقدیر کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ تب بہروز کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

"چیف۔"

"کیا بات ہے بہروز؟"

"میرا نام سعدیہ ہے۔" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بہروز۔ تم جس حیثیت میں مجھ سے ملے تھے میں نے تمہیں قبول کر لیا تھا۔ تم نے اپنے حالات بتائے میں نے ان پر یقین کر لیا۔ میں نے سادگی سے تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ اگر تم نے اپنے ذہن میں کوئی بات پوشیدہ رکھی ہوئی تھی تو وہ تمہارا حق ہے۔ میں کون لگتا ہوں تمہارا۔ ضروری تو نہیں ہے کہ تم ساری باتیں مجھے بتا دو۔"

"چیف ناراض نہ ہو۔ کبھی دل میں ایسا خیال نہ لاؤ۔ تم صورت حال سے واقف ہو۔ تم تجربہ کار ہو۔ تم حقیقت کا تجزیہ کرو گے چیف تو تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ میں بے

قصور لڑکی تھی۔ میں لڑکی بن کر اگر یہ سب کچھ کرتی، تو تم خود ہی سمجھتے ہو میرا کیا حال ہوتا۔ بادبان پر ایک لمحے محفوظ نہ رہتی۔ تم یقین کر لو منصور کہ میں نے ہر رات سولی دیکھی ہے۔ میں ہر لمحے اس خوف کا شکار رہی ہوں کہ میرا راز آشکارا نہ ہوجائے۔ ایک نوجوان کی حیثیت سے بھی میں محفوظ نہیں تھی۔ جزیرہ پر جو کچھ مجھے کرنا پڑا وہ میرے لئے بے حد خوفناک تھا۔ اپنی حیثیت قائم رکھنے کے لئے اس قسم کے ہنگامے مجھے کرنے پڑے یقین کرو زندگی میں اس سے پہلے یہ ہنگامے نہیں کیئے تھے۔ میں ان حالات سے کبھی نہیں گزری تھی۔ مجبوریوں نے مجھے سب کچھ سکھا دیا۔ میں نے بہتر یہی سمجھا کہ لڑکا بنی رہوں اس طرح کم از کم میری عزت و عصمت محفوظ رہ سکتی ہے، ورنہ وحشیوں کے اس جزیرہ میں پتہ نہیں کیا حال ہوتا۔ اگر سنجیدگی سے صورت حال پر غور کرو گئے منصور تو میں بے قصور نظر آؤں گی۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بہروز یار۔ میں نے تم سے کبھی شکایت کی ہے؟"

"شکایت کرو نا چیف۔ تم نے مجھ سے شکایت کیوں نہیں کی۔ مجھے اسی بات کا دکھ ہے۔ میں جانتی تھی کہ تم میرے بارے میں سب کچھ سمجھ چکے ہو۔ میں نے خود کو فریب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ میں اس خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہتی تھی کہ تم میرے بارے میں کچھ نہیں جان سکے۔ میری ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔"

"کوئی بات نہیں بہروز۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں ان تمام چیزوں کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

"تمہیں مجھ پر مکمل بھروسہ ہے منصور؟"

"ہاں مکمل۔"

"بہت بہت شکریہ۔ میں جانتی تھی کہ تم بہت فراخ دل انسان ہو اور اس بات پر کوئی ایسا برا خیال دل میں نہیں لاؤ گے جو میرے لئے باعث تکلیف ہو۔"

"میں نے کہا نا کہ تم کچھ بھی ہو مجھے تمہاری دوستی سے غرض ہے۔"

"میں تمہارا پجاری ہوں۔ میرا مطلب ہے تمہاری پجارن ہوں۔" بہروز یا سعدیہ نے ہنس کر کہا اور میں بھی ہنسنے لگا پھر وہ بولی۔ "لیکن منصور دوران سفر تمہارا کیا خیال ہے میں لڑکا ہی بنی رہوں؟"

"بہت ضروری ہے بہروز۔ یہ بہت ضروری ہے۔ ہم آنے والے وقت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتے کہ ہمیں کن حالات سے گزرنا پڑے۔"

"چیف، برا وقت شروع ہو چکا ہے۔ ہمیں اب کیا کرنا چاہیئے؟" بہروز نے پوچھا۔

"ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ بس آنے والے وقت کا انتظار کرو۔" میں نے جواب دیا بہروز پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اسے بہروز کے ہی سے مخاطب کروں گا۔ تاوقتیکہ اس کی اپنی حیثیت بحال نہ ہو جائے۔

سورج بلند ہو چکا تھا۔ ہمارے چہروں پر مایوسی طاری تھی۔ امید کی کوئی کرن نظر آتی تھی۔ یہی شکر تھا کہ ہوائیں تیز نہیں چل رہی تھیں اور لانچ کے سرکنے کی رفتار ست تھی حالانکہ صبح کے وقت سامان میں خاصی الٹ پلٹ ہو گئی تھی کیونکہ ہوائیں تیز تھیں لیکن جوں جوں سورج بلند ہوتا گیا ہوائیں سست پڑتی گئیں۔ اب لانچ پر سکون از میں ہوا کے رخ پر آہستہ آہستہ بہہ رہی تھی۔

سب لوگ صورت حال سے آگاہ تھے۔ انھیں اندازہ ہو چکا تھا کہ موت آہستہ قریب آ رہی ہے۔ اگر سمندر میں مدوجزر کی کیفیت پیدا ہو گئی تو پھر اس لانچ کی، دیو لہروں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں تھی۔ کوئی بھی لہر لانچ کو الٹ دے گی اور وہ خود بھی طرح ان مچھلیوں کا شکار ہو جائیں گے جس طرح لانچ کے عملے کے لوگ ان کی نگاہوں سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے تھے۔ میں جس طرف بھی نگاہ اٹھاتا مجھے موت کی تحریر ان چہروں پر نظر آتی۔ بہروز کیبن ہی میں تھا لیکن چند لمحات کے بعد ہی وہ ایک لکڑی کا رالیتا ہوا میرے پاس آگیا۔ میں نے اسے کیبن سے آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا جب اس مجھے آواز دی تو میں چونک کر پلٹا اور اسے اپنے نزدیک دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"ارے بہروز۔ تم اپنے پیروں سے چلتے ہوئے یہاں آ گئے؟"

"ہاں چیف۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

"مگر اس طرح تمہارے زخم کا کھرنڈ ٹوٹ سکتا ہے۔"

"تو پھر؟" وہ بدستور مسکراتا ہوا بولا۔

"کیا مطلب۔ کیا تمہیں اس کا احساس نہیں ہے؟"

"ہے چیف۔ مگر اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کیا ہم زندہ بچ سکیں گے؟" بہروز سوال کیا اور میرے چہرے پر جھنجلاہٹ پیدا ہو گئی۔

"ہاں بچ سکتے ہیں بہروز۔ یہ میرا ایمان ہے کہ ہم لوگ بچ سکتے ہیں۔ حالات کچھ بھی ہم لوگ بچ سکتے ہیں۔" میں نے ایک عجیب سے جذبے کے تحت کہا۔

میں نہیں جانتا تھا کہ بہروز کے الفاظ نے میرے اندر کون سی قوتیں جگا دی تھیں۔ میری آواز میں بول رہا تھا۔ بس میں جھنجلائے ہوئے انداز میں ایک ہی لفظ دہرائے جا تھا "ہم بچ سکتے ہیں بہروز، ہم بچ سکتے ہیں۔ یہ میرا ایمان ہے آئندہ تم ایسی احمقانہ بات سامنے نہ کرنا۔"

بہروز کے چہرے پر شرمندگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے اس نے گردن جھکا کر کہا۔

"میں شرمندہ ہوں چیف۔ میں شرمندہ ہوں۔ بہت شرمندہ ہوں۔" میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور دور افق پر نگاہیں گاڑ دیں۔ جو کچھ میں نے کہا تھا اس میرے پاس کوئی جواز نہیں تھا۔ بس یہ آواز میرے اندر سے ابھری تھی اور میری نگاہوں افق پر اس آواز کا جواب دیکھ لیا۔ کوئی سفید سی شے میری نگاہوں میں لہرائی اور یقی آنکھوں کا دھوکا نہیں تھا۔ کچھ ضرور تھا۔ یقیناً کچھ تھا۔ میں اپنی جگہ سے ہٹا اور اچھل ایک بلند جگہ چڑھ گیا۔ سمندری بگولے بلند ہو رہے تھے' لانچ کبھی اوپر ہو جاتی تھی اور نیچے۔ میں انتظار کرنے لگا کہ لانچ کسی بگولے پر ابھرے تو میں اپنے اس نظری دھوکے کا کرسکوں اور ایسا ہی ہوا۔ جب لانچ اوپر ابھری تو میں نے دیکھا کہ ایک جہاز کے مس آسمان کو چھو رہے ہیں۔ یقیناً وہ کوئی سمندری جہاز تھا جو بحری راستے پر اپنی پٹی سے گز تھا۔ میرے حلق سے مسرت آمیز چیخ نکل گئی۔

"بہروز۔ ہم زندہ رہیں گے' سمجھے۔ قسمت نے ہمیں ایک اور موقع دے دیا ہے
اس کے بعد میں نے دوسرے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔

"ساتھیو۔ تقدیر نے ہمیں زندگی دی ہے لیکن اس کے حصول کے لئے ہمیں جد کرنی ہوگی۔"

تمام لوگ خوشی سے ناچنے لگے۔ سب کو صورت حال بھی معلوم ہو گئی تھی۔ اچھل اچھل کر جہاز کو دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لانچ کو جہاز تک لے جانے کی ترکیب نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ خود جہاز والے ہمیں دیکھ لیں اور ہمیں مصیبت سمجھ کر ہماری مدد کریں لیکن انھیں متوجہ کرنے کے لئے بھی کوئی موثر ترکیب ہونی چا تھی۔ چنانچہ میں نے جتنے رنگین کپڑے دستیاب ہو سکتے تھے اکٹھے کیے اور لانچ کی بلند جگہوں پر لہرا دیئے۔

اس کے بعد ہم تقدیر کے اس کھیل کو دیکھنے لگے۔ کافی دیر تک انتظار کرنا پڑا جہاز اب صاف نظر آرہا تھا لیکن اس طرف سے کوئی تحریک نہیں ہوئی تھی اور اس وقت مایوسیوں کی حدوں کو چھونے لگے تھے۔ جب اچانک امید کا چراغ روشن ہو گیا۔ جہاز مستول پر سرخ کپڑا لہرانے لگا تھا۔ انھوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔

ایک بار پھر پرشور ہنگامہ ہونے لگا...... لوگ خوشی سے ناچنے لگے تھے لیکن نے انھیں روک دیا۔ "سنو۔ میری بات سنو۔ ہنگامہ خیزی مت کرو۔ بات سنو۔" اور وہ خاموش ہو گئے۔ "جہاز والوں کو کیسے مطمئن کرو گے۔ کیا یہ کہو گے کہ ہم نے لانچ کے کو ہلاک کر کے سمندر میں پھینک دیا ہے؟" میں نے کہا اور سب کے رنگ فق ہو گئے۔

بہروز نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا تھا پھر اس نے گردن جھٹک کر کہا۔ "ہا فیصلہ کر لینا ضروری ہے کہ ہم جہاز والوں سے کیا کہیں گے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے منصور بھائی۔ ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟" گلاب بولا۔

میں پر خیال انداز میں داہنا گال کھجانے لگا تھا پھر میں نے جلدی میں ایک ہی بات وچی۔ "اس کے علاوہ ہم ان سے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہم ملازمت کی تلاش میں اسمگل ہو کر مشرق وسطیٰ جا رہے تھے۔ راستے میں لانچ طوفان کا شکار ہو گئی اور عملے کے افراد موت کی نذر ہو گئے۔" میں نے کہا۔

"کچھ غیر فطری سی بات ہو گی چیف۔" بہروز بولا۔

"کیوں؟"

"عملے ہی کے تمام افراد ہلاک ہو گئے۔ ہم سب زندہ بچ گئے؟"

"نہیں۔ ہماری تعداد تو سو کے لگ بھگ تھی۔ سو افراد میں سے ہم زندہ بچے ہیں صرف۔"

"اوہ۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے۔" بہروز کسی حد تک مطمئن ہو گیا۔

"ہم میں سے کوئی ایک عملے کا آدمی بھی بن سکتا تھا لیکن اس کے بعد اس سے لانچ کے بارے میں سوالات کیے جائیں گے اور ظاہر ہے ہم لانچ کے کوائف نہیں بتا سکتے۔"

"بالکل درست ہے لیکن ہم سب کو ایک ہی کہانی سنانی ہو گی۔ ہم کہاں سے چلے ہیں؟" گلاب نے کہا۔

"کسی ایک جگہ کا نام منتخب کرلو۔ ہم میں سے چند افراد پہلے چلے تھے اور باقی بعد میں ایک جزیرے سے لئے گئے تھے اور ہمیں لانچ پر لانے والے کا نام بن ہام تھا۔"

"بن ہام...... بن ہام۔" سب نے یاد کر لیا۔ جہاز اب بہت قریب آگیا تھا۔ قریب آنے پر ہمیں معلوم ہوا کہ وہ بھی جہاز نہیں بلکہ ایک بہت بڑی لانچ تھی جس پر کوئی نام بھی لکھا ہوا تھا۔ ہم اسے دور سے جہاز سمجھے تھے۔ بہر حال' سے کوئی چھوٹا موٹا جہاز بھی کہا جا سکتا تھا۔ عرشے پر لوگ کھڑے ہوئے تھے' خاموش [illegible] ہوش۔

تھوڑی دیر کے بعد اوپر سے رسے پھینکے گئے جن میں فولادی آنکڑے لگے ہوئے تھے۔ یہ آنکڑے ہماری لانچ میں آ پہنچے اور لانچ کو اس بڑی لانچ کے نزدیک کھینچ لیا گیا پھر رسی کی سیڑھیاں لٹکائی گئیں اور ہم ایک ایک کر کے اوپر پہنچ گئے۔ لانچ والے خاموشی سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ ان کے درمیان ان کا کپتان بھی موجود تھا لیکن انتہائی خونخوار شکل کا مالک۔ دوسرے لوگ بھی عجیب لگتے تھے۔ انھوں نے ہم سے کوئی سوال نہیں کیا۔ بس ایک شخص نے ہمیں اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور اس بڑی لانچ کے ایک کشادہ گوشے میں پہنچا دیا پھر وہ واپس چلے گئے۔

تنہائی ملتے ہی بہروز خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ "کچھ اندازہ لگایا چیف؟"

"کیسا اندازہ؟" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"لگتا ہے بھاڑ سے نکل کر چولہے میں آ گرے ہیں۔"

"نہیں بہروز۔ سمندر میں ہماری زندگی قطعی غیر محفوظ تھی۔ کسی بھی وقت کوئی بڑی لہر کھیل بگاڑ سکتی تھی۔ کم ازکم ان لوگوں کے درمیان زندگی تلاش کی جا سکتی ہے۔"

"کیسے لوگ ہیں یہ۔ کیا صورت سے جرائم پیشہ نہیں معلوم ہوتے؟"

"سو فی صد۔ خاص طور سے کپتان۔ خونخوار آدمی لگتا ہے۔"

"ان کی خاموشی عجیب نہیں ہے چیف؟"

"ہاں غیر فطری ہے۔ انھیں ہمارے بارے میں تجسس کا شکار ہونا چاہیئے تھا لیکن....."

"میں دعوے سے کہتا ہوں کہ یہ لوگ اچھے نہیں ہیں۔"

"جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" میں نے اردگرد کے ماحول پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔ لانچ ابھی وہیں لنگر انداز تھی۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ اب وہ لوگ کیوں رکے ہوئے ہیں تاہم اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ لانچ کی تلاشی لے رہے ہوں گے۔

بہر حال کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد لانچ نے واپسی کا سفر شروع کر دیا اور اپنے رخ پر چل پڑی۔ لانچ کے اس کھلے ہوئے حصے میں ہماری نگرانی پر کوئی نہیں تھا۔ خلاصی اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ کوئی نگاہ اٹھا کر ہماری طرف دیکھ لیتا تھا لیکن اس کے انداز میں کوئی خاص بات نہیں ہوتی تھی۔ بڑا عجیب سا وقت گزرا۔ کئی گھنٹے ہمیں اسی عالم میں گزارنے پڑے۔ اس کے بعد ہمیں کھانا پیش کیا گیا۔ کئی آدمی بڑی بڑی ہانڈیاں رسیوں میں لٹکائے ہوئے آئے۔ انھوں نے بڑی بڑی مخصوص طرز کی تھالیاں ہمارے ہاتھوں میں تھما دیں اور ان میں کھانا ڈالنے لگے۔

میں پھر پریشان ہو گیا تھا لیکن بھوک لگ رہی تھی اس لئے اس وقت تعرض نہیں کیا اور خاموشی سے کھانا لے لیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب وہ لوگ برتن لے کر واپس جانے لگے تو میں نے ان میں سے ایک کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "سنو۔" میں نے کہا لیکن اس شخص کا چہرہ غضب ناک ہو گیا۔ غالباً مخاطب کرنے کے اس انداز نے اسے برگشتہ کر دیا تھا اس نے دوسرے ہاتھ سے میرے ہاتھ کو پکڑ کر جھٹکنے کی کوشش کی لیکن میں نے اس کے شانے پر انگلیوں کی گرفت سخت کر دی تھی۔ وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس بات پر وہ اور جھنجلا گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرا بازو پکڑ کر اسے گھمانے کی کوشش کی ناکامی اسی کے لئے نقصان دہ ثابت ہوئی۔ وہ خود ہی گر پڑا تھا۔

"میں تمہارے کپتان سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے سکون سے کہا لیکن میرا مخاطب دیوانہ ہو گیا تھا۔ اس نے اٹھ کر میرے اوپر جھپٹا مارا تو میں اس کی زد سے ہٹ گیا۔ گرنے سے بچنے کے لئے اسے اپنے ایک ساتھی کا سہارا لینا پڑا تھا۔

"اس سے کہنا۔ میں اس سے دوستانہ ماحول میں بات کروں گا۔ وہ مجھ سے ملے۔" میں نے پھر کہا۔

لیکن اب اس شخص نے ایک کافی لمبا چاقو نکال لیا تھا اور بھوکی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ وہ پینترے بدلنے لگا میں پر سکون کھڑا ہوا تھا جبکہ بہروز اور میرے ساتھیوں کے چہرے شدید پریشانی کا شکار نظر آ رہے تھے۔

دفعتاً اس نے حلق سے ایک کریہہ آواز نکالی اور میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔ اس توقع پر چھلانگ لگائی تھی کہ میں ہٹوں گا لیکن میں اس پر نگاہ جمائے ہوئے تھا۔ چاقو کی سیدھ سے کچھ نیچے میں نے کلائی لگائی اور دوسرا ہاتھ اس کی گردن پر جما دیا۔ وہ پٹ سے نیچے گرا تھا اور چاقو لکڑی کے فرش میں تقریباً آدھے انچ سے زیادہ پیوست ہو گیا تھا۔

"اس سے کہو کپتان کو میرا پیغام پہنچا دے۔ ورنہ زندہ نہیں رہے گا۔"

نیچے گرے ہوئے شخص کا چہرہ خون کی طرح سرخ ہو گیا تھا اس نے پاگلوں کی طرح ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اسی وقت اس کے تین چار ساتھی اس کے نزدیک پہنچ گئے اور انھوں نے اسے بازوؤں سے پکڑ لیا۔ وہ بری طرح ان کے بازوؤں میں مچل رہا تھا لیکن اس کے ساتھی اسے گھسیٹتے ہوئے پیچھے لے گئے۔ اس کا چاقو وہیں لکڑی کے فرش میں پیوست ہو گیا تھا اور کسی نے اسے نکالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ گلاب آگے بڑھا لیکن دوسرے لمحے میری آواز سن کر رک گیا۔

"نہیں گلاب۔ اسے اسی طرح رہنے دو۔" میں نے کہا اور گلاب پیچھے ہٹ گیا۔ بہروز پر خیال نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا اس نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بہت ہی مناسب بلکہ بہت عمدہ۔" میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں بہروز۔ یہ خاموشی کئی گھنٹے طویل ہو گئی تھی۔ یہ لوگ ڈرامائی حرکات کر رہے ہیں........ تو ان کے لئے بھی ایسا ہی جواب ہونا چاہیئے تھا۔"

"میں سمجھ گیا تھا اس بات کو۔" بہروز نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور ہم خاموشی سے آنے والے وقت کا انتظار کرنے لگے۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ چاقو اسی طرح فرش میں پیوست تھا پھر چار خلاصی اس طرف آتے نظر آئے اور ہمارے پاس پہنچ گئے۔ یہ چاروں اجنبی تھے۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔

"وہ کون ہے جس کی جنگو سے لڑائی ہوئی تھی۔ میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور خلاصی کی نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔

"آؤ۔ ہمارے ساتھ آؤ۔ کپتان نے تمہیں طلب کیا ہے؟"

"لیکن یہ تنہا نہیں جائیں گے۔" گلاب آگے بڑھ کر بولا۔

"انھوں نے خود ہی کپتان سے ملاقات کے لئے کہا تھا اب یہ تنہا جائیں یا اپنے ساتھ تم سب کو لے جائیں۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" اس شخص نے جواب دیا اور میں نے گلاب کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں گلاب۔ میں کپتان سے ملنے جا رہا ہوں۔ تم لوگ بے فکر اور مطمئن رہو۔' میں نے بہروز کو بھی اشارہ کر دیا کہ وہ پرسکون رہے اور تمام لوگوں کو سنبھالے رہے۔ میں ان خلاصیوں کے ساتھ چل پڑا۔ کپتان کا کیبن بڑا صاف' اور کشادہ اور وسیع تھا۔ وہ ایک بڑی سی میز کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے خدوخال کچھ عجیب سے لگ رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے ان خدوخال کو دیکھا ہے یا پھر اس سے ملتا جلتا کوئی شخص' مگر کوئی ذہن میں نہ آ سکا۔ خلاصی مجھے کپتان کے دروازے پر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ کپتان بدستور خاموش بیٹھا تھا۔ میں آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ بڑا جان دار چہرہ تھا لیکن میں نے بھی پلکیں نہیں جھپکائیں پھر اس نے گردن کے اشارے سے مجھے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا اور میں بیٹھ گیا۔ چند لمحات خاموشی رہی پھر اس کی آواز ابھری۔ خاصی بھاری اور سرد سی آواز تھی۔

"تم نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی؟"

"ہاں۔"

"خیریت۔ کیا بات ہے؟"

"یہ ایک فطری امر تھا۔ آپ نے میری اور میرے ساتھیوں کی مدد کی ہے۔ ہمیں اس لانچ سے نکالا ہے جس کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کب ڈوب جائے۔ اس میں ڈیزل نہیں تھا اور کھانے پینے کی اشیا نہیں تھیں۔ اس طرح آپ کا یہ احسان ہے ہم سب پر..... ہماری خواہش ہے کہ ہم اپنے محسن کا شکریہ ادا کریں اور اس سے پوچھیں کہ ہماری اس مدد کے بعد وہ اور ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں۔" میں نے کہا اور کیپٹن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ عجیب سی مسکراہٹ تھی جیسے بھوکا شیر کسی شکار کو دیکھ کر خوش ہوتا ہو۔ میں اس مسکراہٹ کو صحیح نام نہیں دے سکتا۔ بڑی درندگی تھی اس مسکراہٹ میں' بڑی سفاکی تھی۔ جسے میں نے ذہن و دل میں محسوس کیا۔

"سنو۔ مہذب دنیا نے سمندر میں ایک قانون بنایا ہے شاید یہ قانون صدیوں پرانے واقعات سے متاثر ہو کر بنایا گیا ہے۔ اگر یہ زمینی قانون ہوتا تو بے شک قابل حیرت ہوتا لیکن سمندر کی لہریں ہزاروں بلکہ لاکھوں سال سے اسی وحشت خیزی کا مظاہرہ کرتی چلی آئی ہیں جو ان کی فطرت ہے۔ انھوں نے زمین کی طرح چولے نہیں بدلے۔ سمندر میں عمارتیں نہیں ابھریں۔ چنانچہ سمندر کا قانون بھی ان ہی لہروں کے وقار سے متاثر ہو کر تیار کیا گیا ہے اور جانتے ہو سمندر کا قانون کیا ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔" میں نے جواب دیا۔

"مہذب دنیا نے لاکھوں قوانین بنائے۔ ان قوانین میں اقدار' اخلاق اور نہ جانے کون سی چیزوں کا ملغوبہ شامل کر دیا اور وہ قوانین چوں چوں کا مربہ بن کر رہ گئے لیکن قانون میں درحقیقت صدیوں پرانا انسان جھلکتا ہے۔ سمندر پر اگر کوئی چیز بے یار و مددگار جائے یا جہاز کسی طوفان میں پھنس کر اپنی وہ حیثیت کھو بیٹھے جو وہ کبھی رکھتا تھا تو پھر وہ اس آدمی کی ملکیت بن سکتا ہے جو اسے بچالے۔ تم سمجھ رہے ہو یہ بحری قانون ہے' وں روپے کی مالیت کا سامان لے کر کوئی جہاز سمندر میں جا رہا ہے اور طوفان میں پھنس ہے تو اس حالت میں اگر اس جہاز کا کپتان ہلاک ہو جائے یا اپنی ناکامی کا اعتراف کر لے ر جہاز کا کوئی مسافر اس جہاز کو بچانے پر آمادگی ظاہر کرے اور اسے سمندر کی لہروں سے لے جائے تو وہ جہاز اس کی اپنی ملکیت ہوتا ہے۔ یہ ہے سمندر کا قانون۔ میرا خیال ہے تم میرا مقصد سمجھ رہے ہو گے؟"

میرے ذہن میں گرم گرم لہریں دوڑنے لگیں۔ میں سمجھ رہا تھا کہ یہ بد بخت کیا کہنا ہتا ہے لیکن اس کے باوجود میں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھا جناب۔" اور کپتان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہم نے تمہیں سمندر سے بچایا ہے اس لئے اب تم سب ہماری ملکیت ہو' ملکیت مجھتے ہو نا؟ پرانے دور میں تم لوگوں کو غلام سمجھا جاتا تھا چنانچہ تم میرے غلام ہو۔"

"نہیں کیپٹن۔ براہ کرم ایسی باتیں مت کرو۔ صدیوں پرانی وہ روایتیں اب ختم ہو ا ہیں۔"

"میں نے کہا نا' مہذب دنیا اور سمندر کی دنیا بے حد مختلف ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا تمہارا تعلق مہذب دنیا سے نہیں ہے کیپٹن؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں قطعی نہیں۔ بہت عرصے قبل شاید اب سے چالیس یا پچاس سال پہلے میں ا اسی غلیظ دنیا میں کسی معمولی سے جھونپڑے میں پڑا ہوا ٹیاؤں ٹیاؤں کرتا تھا لیکن عالم ں میں' میں نے جب اس دنیا کو دیکھا تو محسوس کیا کہ تہذیب کے لبادے انسان کے اوپر بوجھ لاد چکے ہیں کہ وہ اپنی اصلیت ہی بھول گیا ہے۔ میں وحشت زدہ ہو کر اس دنیا سے ں بھاگا۔ میں نے جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لی لیکن انسانی قدموں سے کوئی جگہ محفوظ یں تھی۔ وہ ہر جگہ تہذیب کا ڈھول پیٹتے چلے آتے تھے۔ چنانچہ میں نے سمندری لہروں کو ا لیا اور میری فطرت میں ان لہروں کی سی سرکشی پیدا ہو گئی۔ میں نے انسان کو اپنا مطیع بنانا پسند کیا اور اب یہ سمندر میرا گھر ہے۔ سمندر کے سینے پر یہ تیرتے ہوئے جہاز اسمگلروں ا لانچیں اور مسافر بردار کشتیاں ہمارے لئے آسائشیں فراہم کرتی ہیں۔ ہم یا تو ان میں موجود افراد کو قتل کر ڈالتے ہیں یا غلام بازوں کو بھیج دیتے ہیں جہاں ان کی معقول قیمتیں

ہمیں دستیاب ہو جاتی ہیں۔ جزیرہ بادیان ایسی جگہ ہے جہاں ہمیں سب سے بڑی منڈی لگتی
ہے چنانچہ میرے عزیز تم سمجھ چکے ہو گے کہ تم غوزی خان کے غلاموں میں شامل ہو۔"

"غوزی خان؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا اور خوفناک شکل والا مسکرانے لگا۔

"ہاں بچپن میں میرا نام غوزی خان رکھ دیا گیا تھا' کیوں رکھا گیا تھا اور اس کا کیا
مقصد کیا ہے ' اس بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم...... نام کو میں نے کوئی اہمیت نہیں دی
اس لئے آج بھی میں غوزی خان ہوں۔"

میرے ذہن پر پھر ٹھوکریں پڑنے لگی تھیں۔ نہ جانے یہ نام ہی میرے ذہن پر ٹک
ٹک کر رہا تھا۔ میں پر خیال نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا لیکن مجھے کچھ یاد نہیں آ سکا۔ بہت
کچھ بھول رہا تھا میں' نہ جانے کیا' تب ہی غوزی خان کی آواز ابھری۔

"اس کے بعد تمہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ اپنے ساتھیوں میں جا کر رہو۔
چند روز ہمیں سمندر کے سینے پر گزارنے پڑیں گے اور اس کے بعد تمہیں ایک محفوظ مقام
پر منتقل کر دیا جائے گا۔"

"اور اس کے بعد؟" میں نے سوال کیا۔

"اور اس کے بعد تمہیں بادیان لے جا کر فروخت کر دیا جائے گا۔"

"غوزی خان' اگر میں تمہاری ان باتوں کو ماننے سے انکار کر دوں تو؟" میں نے سوال
کیا۔

"تو تمہیں قتل کر کے سمندر میں پھینک دیا جائے گا۔ ہم سرکشوں کو زندگی کا حق
نہیں دیتے۔" غوزی خان نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"گویا تم بحری قزاق ہو؟"

"جو چاہو کہہ سکتے ہو' میں تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"تم کتنے عرصے سے سمندر کے سینے پر یہ چیرہ دستیاں کر رہے ہو غوزی خان؟"

"میں عرصے کا کبھی حساب نہیں رکھتا.... مجھے یاد نہیں کب سے میں ان معاملات
میں ملوث ہوں۔"

"تم کیا تنہا اس لانچ کے مالک ہو؟"

"ہاں۔ میں مطلق العنان ہوں۔ نہ صرف یہ لانچ بلکہ ایک چھوٹا سا جزیرہ بھی میری
ملکیت ہے۔"

"اوہ۔ اس جزیرے پر تمہارے عزیز و اقارب بھی ہوں گے میرا مطلب ہے تم وہاں
سے تنہا نہ بھاگے ہو گے جہاں تم نے جنم لیا تھا؟"

"میں ان تمام باتوں کو بے مقصد سمجھتا ہوں' تنہا عزیز و اقارب میرے لئے بے معنی
ہیں۔ میں زندہ ہوں اپنے لئے اور اپنی موت مر جاؤں گا۔ مجھے کسی سے کوئی دلچسپی نہیں

" غوزی خان نے کہا اور دفعتاً" میرے ذہن میں پھلجھڑیاں سی چھوٹ گئیں' مجھے ایک
میں ایک نام یاد آیا تھا اور پھر وہ طبعی خدوخال بھی' جو غوزی خان کے چہرے سے ملتے
تھے۔ میں بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"غوزی خان' صرف ایک سوال کا جواب اور دے دو؟"

"ہاں ہاں پوچھو۔ تم نے ایک دلچسپ اقدام کر کے مجھ تک رسائی حاصل کی ہے۔
پسند کرتا ہوں ان باتوں کو' کیا پوچھنا ہے پوچھو؟"

"تغلق خان کو جانتے ہو تم؟ میں نے سوال کیا اور غوزی خان کے دونوں چوڑے
میز پر آ جمے۔ اس نے تھوڑی سی گردن آگے بڑھا کر بھویں سکیڑ کر مجھ سے پوچھا۔

"یہ نام تم نے کہاں سے سنا؟

"جواب دو غوزی خان۔ کیا تم تغلق خان کو جانتے ہو؟"

"وہ میرا بھائی ہے۔ بھائی ہے وہ میرا چھوٹا اور' مگر ٹھہرو تم یہ کیسے جانتے ہو؟ مجھے
کے بارے میں کچھ بتاؤ۔ میں سوالات بار بار نہیں دہراتا۔"

"تغلق خان سے میرا ربط رہ چکا ہے۔"

"تمہارا؟" غوزی خان متعجبانہ انداز میں بولا اور میں نے آنکھیں بند کر کے گردن
دی۔ تب اس نے میز کے ایک سرے پر رکھی ہوئی سیاہ رنگ کی گھنٹی پر انگلی رکھ دی اور
یں تیز آواز ابھرنے لگی۔ اتنے میں دو آدمی اندر داخل ہو گئے تھے۔

"تغلق خان کو بلا کر لاؤ۔" غوزی خان نے کہا اور اس بار میرے چونک پڑنے کی
ی تھی۔ تغلق خان کیا اس لانچ پر موجود ہے؟ میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ یہ سوال
نے غوزی خان سے نہیں کیا تھا اور معنی خیز انداز میں دروازے کی جانب متوجہ ہو گیا
زی خان اب بھی مجھے گھور رہا تھا پھر اس نے میز پر گھونسا مارتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں جانتا۔ یہ نام تم نے کہاں سے سنا۔ بہر صورت وہ میرا بھائی ہے' بھائی
ے زیادہ وہ میرا دوست ہے۔ میں ساری دنیا میں اسے سب سے زیادہ چاہتا ہوں۔ اگر محبت
کوئی تصور ہے اس کائنات میں تو میرے دل میں وہ تصور تغلق خان کے لئے ہے۔ تم نے
ے ایسا نام لیا ہے جو میرے لئے سخت حیرت کا باعث ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تم نے یہ نام
اں سے سنا ہے۔ ممکن ہے تم نے میرے کسی آدمی کی ہمدردیاں حاصل کر لی ہوں اور اس
نے تمہیں یہ بات بتائی ہو کہ تغلق خان کا سہارا حاصل کرو لیکن بے وقوف آدمی تغلق خان
ل وقت لانچ پر موجود ہے۔"

"غوزی خان' تغلق خان کب تمہارے پاس پہنچا؟"

"تھوڑے عرصے قبل۔ وہ آوارہ گرد ہے۔ اسے زمین پسند ہے جبکہ میں سمندروں کا
نشاہ ہوں۔ وہ میرے ساتھ نہیں رہتا بس بھٹکتا رہتا ہے۔ آوارہ گردی کرتا رہتا ہے جبکہ

میں چاہتا ہوں کہ وہ میرے ساتھ رہے۔"

زیادہ دیر نہیں گزری کہ دروازہ کھلا۔ میری بے تاب نگاہوں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ تغلق خان سے کسی ہمدردی کی توقع تو نہیں تھی لیکن بہر طور وہ کسی نہ کسی طرح مجھ سے واقف تھا اور ہمارے درمیان شناسائی رہ چکی تھی۔ ایک دلچسپ شناسائی' اس امید پر میں تغلق خان کا نام لے بیٹھا تھا کہ شاید مجھے کچھ مراعات مل جائیں۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کم بخت تغلق خان بھی اسی لانچ پر موجود ہو گا۔ بہر صورت اندر داخل ہونے والا شخص تغلق خان ہی تھا۔ چمڑے کی جیکٹ میں ملبوس' چست پتلون پہنے ہوئے وہ دیوہیکل شخص جھومتا ہوا اندر آیا۔ اس نے میری طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔

"کیابات ہے بھایا۔ تم نے مجھے بلایا تھا؟"

"کہاں ہو تم تغلق خان۔ تمہیں علم ہے ہم نے سمندر سے ایک لانچ پکڑی ہے؟"

"ہاں ہاں سنا تھا۔ کیا اس سلسلے میں میری ضرورت پیش آگئی؟" تغلق خان نے پوچھا اور میری طرف دیکھنے لگا۔ اس نے ایک نگاہ مجھے دیکھا اور چونکا۔ دوڑ کر میرے قریب آیا اور مجھے دیکھنے لگا پھر اس کے حلق سے متحیرانہ آواز نکلی۔

"میرے خدا' میرے خدا۔ یہ تو تم ہی ہو منصور۔ یہ تو تم ہی ہو۔" میں مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا تھا۔

"ہاں تغلق خان' یہ میں ہی ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ مجھے دیکھ کر تمہیں کیسا محسوس ہوا ہے۔ بہر طور میں نے غوزی خان کے سامنے تمہارا نام لیا تھا۔" میں نے کہا۔ اسی دوران غوزی خان بھی مضطرب انداز میں کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیا نام لیا تم نے تغلق خان؟ اس شخص کا کیا نام لیا تم نے؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"غوزی خان۔ میں جس مقصد سے تمہارے پاس آیا تھا وہ پورا ہو گیا اور عظیم بھایا میں اس کے لئے تمہارا بے حد شکر گزار ہوں۔"

"کیا بکواس کر رہا ہے تغلق۔ مجھے حیرت ہے کہ یہ شخص ہی تجھے مطلوب تھا؟"

"ہاں۔" تغلق خان نے جواب دیا اور غوزی خان گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ میں متحیرانہ انداز میں تغلق خان کی صورت دیکھ رہا تھا۔ تغلق خان میرے نزدیک کھڑا مسکرا رہا تھا اور عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھے جا رہا تھا۔

"یہ مذاق میری سمجھ میں نہیں آیا تغلق خان؟" میں نے آہستہ سے کہا۔

"آجائے گا۔ آجائے گا۔ تم۔ تم بالکل ویسے ہی ہو منصور' کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اس دوران میں تمہارے اندر۔ بس ذرا چہرے کا رنگ بدل گیا ہے۔ لگتا ہے کافی وقت سمندر کی نمی اور دھوپ میں گزار چکے ہو.... لیکن تمہارے ساتھ اور کون لوگ ہیں؟"

"میرے ساتھی اور اگر تمہارا رویہ میرے ساتھ دوستانہ ہے تو پھر میرے ساتھیوں کو آسانیاں فراہم کرو؟" میں نے تغلق خان سے کہا۔

"اوہ۔ منصور منصور' تمہیں اب یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں' میں ابھی تمہارے ساتھیوں کو آسائشیں فراہم کرتا ہوں۔" غوزی خان بولا اور ایک بار پھر اس نے وہی گھنٹی دبا دی۔ وہی دونوں آدمی اندر داخل ہو گئے جو اس کے اردلی تھے۔ غوزی خان نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ان لوگوں کو جو اس مہمان کے ساتھی ہیں۔ اس کھلی جگہ سے ہٹا کر نچلی منزل کے کیبنوں میں منتقل کر دو اور انہیں تمام آسائشیں فراہم کرو اگر وہ غسل کرنے کے خواہشمند ہوں تو ان کے لئے بندوبست کرو اور انہیں لباس مہیا کرو اور ان کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آؤ۔ جاؤ فوری طور پر یہ ہدایات دوسرے لوگوں کو دے دو۔" غوزی خان نے کہا اور وہ دونوں باہر نکل گئے۔ میں ایک بار پھر کرسی پر بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا تھا۔ تغلق خان میرے برابر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میں طویل عرصے سے تمہاری تلاش میں سرگرداں ہوں منصور۔ اس نے کہا۔"

"خیریت تو ہے تغلق خان! تمہیں میری تلاش کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟"

"یہ تمام باتیں میں تمہیں تفصیل سے بتاؤں گا منصور۔ میں تو ان واقعات پر حیران ہوں کہ کس طرح تم مجھ تک پہنچ گئے۔ میں نے اب تک جو سراغ لگایا تھا اس کی تحت میرا یہی اندازہ تھا کہ تم ان ہی اطراف میں ہو سکتے ہو۔ میں تمہیں تفصیل بتا دوں گا۔ تمہیں ذہن پر زور دینے کی ضرورت نہیں ہے۔" پھر وہ غوزی خان کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

"بھایا۔ میں منصور کو لئے جا رہا ہوں اور اب میں اپنے کیبن میں رکھوں گا اسے ٹھیک ہے؟"

"ہاں ہاں بے شک' اب منصور قابل احترام بن گیا ہے' تجھے اتنی شدت سے اس کی تلاش تھی کہ مجھے اس پر رشک آنے لگا ہے' ٹھیک ہے جاؤ آرام کرو اور منصور' تمہیں اب تک اس لانچ پر جو تکلیف پہنچی ہے اس کے لئے مجھے معاف کر دینا۔" غوزی خان نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں غوزی خان۔ ابھی تک کوئی تکلیف نہیں پہنچی میں تو تمہارا شکر گزار ہوں۔"

غوزی خان نے اپنا قوی ہیکل ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا لیکن یہ وقت تھا کہ میں غوزی خان کو اپنی شخصیت سے واقف کر دوں چنانچہ میرے پورے بدن کی قوت سمٹ کر میرے ہاتھ میں آگئی اور میں نے غوزی خان کو لچکتے ہوئے دیکھا۔ اس کا فولادی چوڑا ہاتھ میرے ہاتھ میں سکڑ کر رہ گیا تھا۔ بہر صورت ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش نظر آئے اور پھر وہ ہنس پڑا۔

"ٹھیک ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس بدمعاش کو بلا وجہ تیری تلاش نہیں ہوگی۔" غوزی خان کے لہجے میں محبت تھی پھر اس نے میرے شانے پر تھپکی دی اور میں تغلق خان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ غوزی خان کے کیبن سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک اور کشادہ کیبن میں تغلق خان مجھے لے گیا۔ یہاں آرام دہ بستر لگا ہوا تھا اور ضرورت کی تمام چیزیں مہیا تھیں۔ سامنے ہی باتھ روم تھا۔ تغلق خان نے مسکرا کر کہا۔

"منصور غسل کر لو۔ اس بات کا اندازہ ہو رہا ہے کہ تم نے خاصا پریشان کن وقت گزارا ہے۔ میں تمہیں کوئی نہ کوئی لباس مہیا کیے دیتا ہوں۔"

"شکریہ! تغلق خان' ویسے مجھے حیرت ہے کہ تم مجھ سے بالکل بدلے ہوئے انداز میں پیش آ رہے ہو۔ مجھے تم سے اس کی توقع نہیں تھی تاہم چونکہ تم نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے اس لئے اگر کوئی بات تمہارے دل میں میرے خلاف ہو تو اسے نکال دو۔ میں تم سے دوستی چاہتا ہوں۔"

"میرے دل میں تمہارے خلاف کوئی بات نہیں ہے منصور' تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ کیا دلچسپ واقعات پیش آئے ہیں' میں تمہیں ان کی تفصیل بتاؤں گا۔ جاؤ غسل کر لو' میں تمہاری جسامت کے لباس کا بندوبست کرتا ہوں۔" تغلق خان نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا اور میں دونوں شانے ہلا کر کیبن کے باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ غسل کا انتہائی نفیس انتظام تھا اور پھر کافی دن کے بعد صاف ستھرا پانی غسل کے لئے مہیا ہوا تھا۔ دل نہیں چاہ رہا تھا کہ باتھ روم سے واپس آؤں۔ بہر صورت تھکن یوں ڈھل گئی جیسے بدن سے میل ڈھل جاتا ہے پھر باہر دروازے پر دستک کے ساتھ تغلق خان کی آواز سنائی دی۔

"منصور۔ یہ لباس لو۔" اور میں نے دروازے سے ہاتھ باہر نکال دیا۔ سفید سلک کا ایک خوبصورت گاؤن تھا۔ خالی گاؤن پہن کر میں باتھ روم سے باہر نکل آیا۔ باہر تغلق خان میرا منتظر تھا سینٹر ٹیبل پر کافی کے بہت خوبصورت برتن سجے ہوئے تھے کچھ پھل اور خشک میوے بھی موجود تھے اور تغلق خان منتظر نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"تم آج بھی اتنے ہی طاقت ور' پھرتیلے اور اتنے ہی اسمارٹ ہو منصور! حالانکہ یوں لگتا ہے کہ تم شدید مصائب کا شکار رہے ہو اس دوران' کیا تم مجھے اس وقت سے اب تک کے حالات بتاؤ گے جب تم نے اپنا شہر چھوڑا تھا۔"

"ضرور بتاؤں گا لیکن اس سے پہلے تمہیں میرے سوال کا جواب دینا ہو گا۔"

"ہاں ہاں پوچھو۔" تغلق خان نے کہا۔

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں تغلق خان کہ تم اچانک مجھ پر مہربان کیسے ہو گئے۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ اس لانچ پر میری ملاقات تم سے نہ ہوتی تو نہ جانے کیا ہوتا۔ شاید وہ سب کچھ ہو جاتا جو اب تک نہیں ہوا تھا حالانکہ تقدیر میرا ساتھ دیتی رہی ہے لیکن میں نہیں کہہ

تا کہ حالات اس وقت کیا رخ اختیار کر لیتے۔"

"جو کچھ ہوتا ہے بہتر ہوتا ہے۔ مجھے تو اس بات پر مسرت ہے کہ میری محنت بار ر ہوئی اور میں نے کسی سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا۔ میں اس بات پر اتنا مسرور ہوں ور کہ بتا نہیں سکتا۔"

"کس سے وعدہ کیا تھا تم نے؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"یہ وعدہ بھی کیا ہے میں نے اس سے کہ اس وقت تک نام نہیں بتاؤں گا جب وہ اسے پسند نہ کرے۔"

"بڑی پراسرار گفتگو کر رہے ہو تغلق خان۔ بہر حال میں تمہیں مجبور کرنے کا حق ر رکھتا۔"

تغلق خان پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔ "تمہارے ذہن میں کسی خاص ان کا تصور ابھرا ہے منصور؟"

"ہاں.... اور اس تصور نے مجھے نیم دیوانہ کر دیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں محسوس کر رہا ہوں' مگر کون ہے وہ' بے تکان اس کا نام لو۔ اگر تم نے صحیح نام لیا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کا اقرار کر لوں گا۔"

"کیا وہ چمن' طارق یا سیٹھ جبار ہے۔" میں نے غرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"نہیں میرے دوست' ان میں سے کوئی نہیں ہے۔ اور میں مطمئن ہوں اس بات لیکن ایک سوال میرے ذہن میں بھی پیدا ہو گیا ہے۔"

"کیا؟" میں نے کسی قدر خود کو ٹھنڈا کرتے ہوئے پوچھا۔

"چمن تو تمہارا گہرا دوست ہے۔ اس کے نام پر تمہاری برگشتگی سمجھ میں آتی۔"

"یہی تو دکھ کی بات ہے تغلق خان۔"

"بتانا پسند کرو گے منصور؟"

"کیوں نہیں۔" میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا.... "کم بخت چمن نے ے ذہن میں زخم ڈال دیئے ہیں' میں اس قدر مایوس ہو گیا ہوں حالات سے اور دستوں کہ بیان نہیں کر سکتا۔"

"کیا مطلب۔ اس نے کیا کیا؟" تغلق خان چونک کر بولا۔

"میری یہ تمام تر مصیبتیں' میرا مطلب ہے یہ حالیہ مصیبتیں اسی کم بخت چمن کی پیدا ہیں۔" اور پھر میں نے اسے اب تک کے تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔

"تعجب کی بات ہے' مگر کم بخت چمن تم سے کیا چاہتا تھا؟ تمہاری قید سے اسے کیا تھی؟"

"چمن مجھے صاف صاف بتا چکا تھا کہ وہ سیٹھ جبار کا آدمی ہے۔ سب سے خاص آدمی جو پس پردہ رہتا ہے۔ انھوں نے مجھے قید کر دیا تھا۔ ایک عام آدمی کی حیثیت سے' کیا چاہتے تھے' اس بارے میں کسی نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔"

"چلو ٹھیک ہے منصور۔ اب ذہن سے ساری باتیں نکال دو۔ قاہرہ کیوں جانا چاہتے تھے؟" تغلق خان نے پوچھا۔

"بس یونہی۔ مجھے علم ہوا تھا کہ میں یہاں سے قاہرہ جا سکتا ہوں۔ الیانو نے یہی بتایا تھا مجھے۔"

"تعجب کی بات ہے۔ بہر صورت ممکن ہے الیانو نے یونہی تم سے تذکرہ کر دیا ہو۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

"میں کچھ نہیں جانتا تغلق خان' ان میں سے تقریباً تمام افراد میرے لئے اجنبی ہیں حالانکہ میں ان سے ہمدردی رکھتا ہوں۔ ان میں سے کچھ مصری باشندے ہیں کچھ یمنی ہیں اور میرے وطن کے تین افراد ہیں۔ چوتھا میرا دوست ہے جسے بہروز کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ہم پانچ آدمی ہیں تغلق خان' جو اپنے وطن واپس جانا چاہتے ہیں۔ باقی ان لوگوں کو مشرق وسطی کے کسی بھی حصے میں چھوڑا جا سکتا ہے۔ یہ ان کی اپنی خواہش ہے۔"

"تو ٹھیک ہے پھر یوں کرتے ہیں کہ میں غوزی خان سے بات کیے لیتا ہوں۔ غوزی خان ان تمام لوگوں کو کسی جگہ اتار دے گا۔ وہاں سے وہ خود اپنے راستے تلاش کریں گے اب وہ آزاد ہیں' تم چاہو تو انہیں کچھ رقومات بھی دی جا سکتی ہیں' جن سے وہ اپنے ابتدائی مسائل حل کر لیں' ہم پانچوں افراد اس جگہ سے چلتے ہیں اور غوزی خان کسی محفوظ جگہ پہنچ کر ہمیں کسی جہاز میں سوار کرا دے گا جو ہمیں وطن پہنچا دے گا۔"

"کیا بغیر کاغذات کے یہ ممکن ہے؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں ممکن۔ سارے کام بغیر کاغذات کے ہی تو ہو رہے ہیں اور پھر غوزی خان معمولی حیثیت کا آدمی نہیں ہے۔ وہ بحری قزاق ہے اور بہت سارے جہازوں کے کپتانوں سے اس کی دوستی ہے جو اس کے اپنے علاقوں سے گزرتے ہیں ان کپتانوں نے غوزی خان سے تعاون کر لیا ہے اس کے لئے بہت سے کام کرتے ہیں وہ اور غوزی خان ان کاموں کے عوض انھیں راستہ دے دیتا ہے چنانچہ راستے ہی میں غوزی خان کو اگر اس کا کوئی شناسا جہاز مل گیا تو وہ ہمیں اس میں سوار کرا دے گا۔ یہ اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے تغلق خان' تم بات کرو غوزی خان سے۔" میں نے کہا۔

تغلق خان نے باہر نکل کر ایک آدمی کو میرے ساتھ کر دیا...... اس نے اس شخص

سے کہا کہ مجھے میری نئی رہائش گاہ میں پہنچا دیا جائے۔ یہ نئی رہائش گاہ لانچ کے دوسرے حصے میں نیچے کی سمت بنے ہوئے کیبن تھے۔ انھی کیبنوں میں' میں نے اپنے ساتھیوں کو بھی دیکھا۔ ایک خاص کیبن میرے لئے بھی مخصوص کر دیا گیا تھا جو خاصا کشادہ تھا۔ میں ابھی کیبن کے دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ بہروز عقب سے نکل کر میرے نزدیک آ گیا۔ اس کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار تھے۔ بہر طور مجھے یہاں تک لانے والا شخص مجھے یہاں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ میں نے بہروز کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اپنے کیبن کے دروازے کی جانب بڑھ گیا لیکن گلاب اور دوسرے لوگ بھی اتنے ہی حیران تھے۔ سب کے سب اپنے کیبنوں کے دروازوں پر آ کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے ان کے اس تجسس کو محسوس کیا اور مسکرا کر ان کی جانب دیکھا اور وہ سب میرے نزدیک پہنچ گئے۔

"یہ کایا پلٹ کیسے ہو گئی منصور بھیا؟" گلاب نے سوال کیا۔

"بس گلاب۔ خوش بختی ہی کہہ سکتے ہیں اسے' میں اسے اپنا کوئی کارنامہ نہیں کہوں گا۔ تم شروع ہی سے دیکھتے آئے ہو کہ تقدیر نے ہر جگہ ہر لمحے ہمارا ساتھ دیا ہے۔ یہ ہماری تقدیر کی مہربانی ہے کہ ہمیں لانچ پر بھی تحفظ حاصل ہو گیا۔ تم بالکل مطمئن رہو۔ یوں لگتا ہے جیسے ہمارے تمام مسائل حل ہو گئے ہوں اور اب ہم باآسانی اپنے وطن پہنچ سکیں گے اور یہ دوسرے لوگ بھی۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن منصور بھیا......" گلاب اس بارے میں کچھ اور بھی جاننا چاہتا تھا۔ میں نے اسے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"نہیں گلاب۔ براہ کرم اس بارے میں مجھ سے اور سوالات مت کرو۔ میرا ذہن تھکا ہوا ہے' بعد میں' میں تمہیں تفصیلات بتا دوں گا۔" میں نے کہا اور اپنے کیبن میں داخل ہو گیا۔ بہروز دروازے میں ہی رک گیا تھا۔ میں نے جب یہ بات محسوس کی تو پلٹ کر اسے دیکھا اور بہروز کے چہرے پر جھجک کے آثار دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"وہاں کیوں کھڑے ہو بہروز' اندر آؤ۔"

"آپ تھکے ہوئے ہیں چیف۔" اس نے جھجکتی ہوئی آواز میں کہا اور میں ہنس پڑا۔

"آ جاؤ یار تمہیں دیکھ کر تو تھکن دور ہوتی ہے۔" بہروز میرے اس انداز پر شرما گیا تھا۔

میں نجانے کیوں ذہن میں ایک خوشگوار سی کیفیت محسوس کر رہا تھا پھر میں نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"دیکھو بھئی میں نے تو ابھی تک تمہیں یہ بات محسوس نہیں ہونے دی کہ تم کچھ اور ہو لیکن تمہارے چہرے کا یہ گلابی رنگ' آنکھوں کے جھکنے کا یہ انداز دوسرے لوگوں کو

مشکوک کر سکتا ہے اور اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہو گا۔"

بہروز کچھ اور جھینپ گیا تھا پھر وہ میرے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ چند لمحات اس کی گردن جھکی رہی پھر اس نے زور سے گردن کو دو تین جھٹکے دیئے اور پھر میری طرف دیکھ کر شرمائے ہوئے انداز میں ہنس پڑا۔

"آپ' منصور' آپ پلیز مجھے یہ احساس نہ ہونے دیا کریں۔"

"میں نے کہاں ہونے دیا بھائی۔ تم خود بتاؤ۔ میں نے تو ایک بار بھی تمہیں کسی غلط انداز میں مخاطب نہیں کیا۔"

"اچھا چھوڑیئے ان باتوں کو۔ یہ بتایئے' یہ اچانک تمام کایا پلٹ کیسے ہو گئی۔ ہم تو کچھ اور ہی سمجھ رہے تھے لیکن میں نے کہہ دیا کہ منصور ان لوگوں سے ملنے گئے ہیں کوئی بہتر ہی قدم اٹھا کر آئیں گے۔"

"بس بہروز تقدیر ہمارے ساتھ ہے۔ میں بار بار یہ ہی الفاظ کہوں گا۔ بہت دلچسپ حالات پیدا ہو گئے ہیں۔ بس یوں سمجھو کہ اب ہمیں اپنے وطن واپسی میں کوئی دقت پیدا نہیں ہو گی۔"

"ویری گڈ۔ ویری گڈ لیکن آپ نے ان حالات کو اپنے قابو میں کیسے کیا اور وہ شخص' میرا مطلب ہے اس لانچ کا کیپٹن جو شکل ہی سے خونخوار معلوم ہوتا ہے کیسے رام ہو گیا؟"

"بس اس کے بھائی سے میری دوستی ہے۔ تغلق خان میرا دوست ہے اور یہ لانچ اس کے بھائی کی ہے۔"

"خدا کی پناہ۔ میں تو پہلے ہی یہ سوچ رہا تھا۔" بہروز نے جواب دیا اور اس کے بعد ہم دیر تک یہ گفتگو کرتے رہے۔

تغلق خان نے ہمیں بہترین آسائشیں دیں۔ بہترین کھانا ہمیں دیا گیا اور پھر پہلی رات ہم بڑے سکون سے سوئے۔ بہروز میرے کیبن میں نہیں تھا۔ اسے بھی ایک الگ جگہ دے دی گئی تھی۔

......پھر میں گہری نیند سو گیا اور دوسری صبح اس وقت جاگا جب باہر خاصی چہل پہل ہو چکی تھی۔

پورا دن گزر گیا اور رات بھی۔ دوسرے دن صبح کو ناشتے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ تغلق خان مجھے تلاش کرتا ہوا میرے پاس آ گیا۔

"ہیلو منصور۔ میرا خیال ہے آج دوپہر تک ہم ایک مخصوص جگہ پہنچ جائیں گے۔ میں نے غوزی خان سے تمہارے بارے میں بات کر لی ہے۔ آج تمہارے ساتھیوں کو وہاں اتار دیا جائے گا جہاں سے اگر وہ ذہانت سے کام لیں تو اپنی منزل پا سکتے ہیں۔ غوزی خان نے

انہیں ایک مخصوص مقدار میں کرنسی دینے کا فیصلہ بھی کر لیا ہے۔ میرا خیال ہے دوپہر کے کھانے کے بعد ہم اپنی پہلی منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

"تمہارا شکریہ تغلق خان اور اب میں بار بار تمہارا شکریہ بھی ادا نہیں کروں گا"

"یہی بہتر ہے کیونکہ تمہارے لئے کچھ کرنے کا میں باقاعدہ معاوضہ وصول کر رہا ہوں اور یہ جو اخراجات تم پر ہوں گے وہ بھی میری اپنی جیب سے نہیں ہوں گے۔" تغلق خان نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے اس سے مزید اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کی کیونکہ پہلے ہی یہ بات طے ہو چکی تھی کہ وہ مجھے اس شخصیت کے بارے میں کچھ نہیں بتائے گا جو میرے لئے یہ سب کچھ کر رہی ہے۔

میرا اپنا ذہن بھی چند ہی لوگوں کی جانب جاتا تھا۔ وہ ہی میرے مربی ہو سکتے تھے البتہ کبھی کبھی دل میں یہ خوف بھی پیدا ہو جاتا تھا کہ کہیں تغلق خان بھی تو سیٹھ جبار کا ہرکارا نہیں ہے' کہیں یہ بھی سیٹھ جبار کی کوئی اور چال تو نہیں ہے' اس کم بخت بد باطن شخص سے ہر طرح کی توقع رکھی جا سکتی تھی اگر ایسا تھا بھی تو مجھے کم از کم اس وقت تک تو خاموش رہنا تھا' جذباتی ہونے سے کوئی فائدہ نہیں تھا جب تک میں اپنی منزل پر نہ پہنچ جاؤں' اپنی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد میں تمام معاملات کو اچھی طرح دیکھ لوں گا۔

چنانچہ تغلق خان کے ان الفاظ کو میں نے نظر انداز ہی کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے ان لوگوں کو اطلاع دے دی جنہیں وہاں اترنا تھا۔

تغلق خان نے انہیں اس جگہ کے بارے میں تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔ "اگر تم لوگ چاہو تو یہاں سے خاموشی کے ساتھ منتشر ہو کر شہری آبادی میں داخل ہو سکتے ہو اور ان آبادیوں میں جگہ بنانا تمہارا اپنا کام ہے کیونکہ تم انہی علاقوں کے باشندے ہو' ہم اس سے زیادہ تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔"

ان سب لوگوں نے میرا اور تغلق خان کا شکریہ ادا کیا تھا۔ دوپہر دو بجے انہیں ایک ویران علاقے میں اتار دیا گیا۔ وہ سہمے سہمے سے نظر آ رہے تھے لیکن میں نے انہیں اطمینان دلایا کہ درحقیقت ان کے ساتھ کوئی فریب نہیں کیا گیا ہے' یہ انہی کا اپنا علاقہ ہے اور یہاں سے وہ اپنی منزل پا سکتے ہیں' کرنسی وغیرہ اور ضروری چیزیں تھوڑی تھوڑی سی مقدار میں لے کر وہ ہمیں سلام کر کے آگے بڑھ گئے تو لانچ نے ایک بار پھر ساحل چھوڑ دیا۔ اب ہم صرف پانچ افراد رہ گئے تھے۔ گلاب' بہروز اور گلاب کے دو ساتھی جو میرے ہی ملک سے تعلق رکھتے تھے۔ پانچویں شخصیت میری اپنی تھی۔

ہمیں ہر طرح کی آسائشیں فراہم کر دی گئی تھیں۔ پوری لانچ پر ہم کہیں بھی کسی بھی جگہ آرام سے گھوم پھر سکتے تھے' تغلق خان بھی بہت زیادہ گفتگو کرنے کا عادی نہیں تھا۔ وہ جب بھی ملتا تھوڑی بہت بات چیت کر لیتا اور اس کے بعد اپنے معمولات میں

مشغول ہو جاتا' نجانے اس کے معمولات کیا تھے۔

بہروز بھی حسب معمول چل رہا تھا۔ بہر طور ہمارے اس سفر کو تیسرا دن تھا جب ہم نے سمندر میں ایک جہاز دیکھا وہ جہاز ہماری لانچ سے خاصا نزدیک تھا۔ کپتان اور دوسرے لوگ یقینی طور پر اسے بہت پہلے دیکھ چکے ہوں گے لیکن انہوں نے ہم سے تذکرہ نہیں کیا تھا۔ البتہ جب میں نے تھوڑی دیر کے بعد تغلق خان سے رجوع کیا تو اس نے آنکھیں بند کر کے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی۔

"ہاں منصور۔ اس جہاز کا نام "ڈی سوزا" ہے اور اس کا کیپٹن غوزی خان کا بہترین دوست ہے' یوں سمجھ لو کہ تھوڑی دیر کے بعد ہم اس جہاز پر منتقل ہو جائیں گے۔ میری غوزی خان سے بات ہو چکی ہے۔"

تغلق خان کے اس انکشاف نے میرے بدن میں سنسنی سی پیدا کر دی تھی' بہر طور میں نے خود کو سنبھال لیا اور اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ ہمیں اپنی منزل تک پہنچنے میں آسانی ہو گی' تاہم میں نے تغلق خان سے سوال کیا۔

"کیا یہ ضروری ہے تغلق خان کہ یہ جہاز ہمارے ہی ملک جا رہا ہو' ممکن ہے اس کی منزل کوئی اور ہو؟"

"یقیناً ایسا بھی ہو سکتا ہے لیکن اگر کہیں اور بھی جا رہا ہو گیا تو بعد میں تمہیں وہاں پہنچا دے گا یا کسی ایسے جہاز پر منتقل کر دے گا جو تمہارے ملک جا رہا ہو۔" تغلق خان نے جواب دیا اور میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔

تقریباً" چار بجے یہ بڑی لانچ جہاز کے پاس پہنچ گئی جہاز کے عرشے سے ہاتھ ہلا ہلا کر اور رومال ہلا ہلا کر اس کا استقبال کیا گیا اور پھر بہت سے افراد سیڑھیاں لٹکا کر لانچ پر اتر آئے۔ انہی میں جہاز کا کیپٹن الفریڈ بھی تھا۔ دبلے پتلے چھریرے سے بدن کا چالاک انسان جس کی آنکھیں بے حد تیز تھیں۔

غوزی خان نے اسے اپنے گلے سے لگایا تھا اور کیپٹن اس سے اظہار محبت کرتا رہا تھا حالانکہ دونوں کے رنگ اور نسل میں کوئی مماثلت نہیں تھی۔ کیپٹن الفریڈ کی چالاک آنکھوں سے پتہ چلتا تھا کہ وہ صرف اپنی بقا کے لئے اس جذبے کا اظہار کر رہا ہے ورنہ اسے غوزی خان سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی یا پھر کوئی کاروباری مسئلہ ہو تو دوسری بات ہے۔

بہر طور ان لوگوں کے درمیان گفتگو ہوتی رہی۔ تغلق خان بھی اس گفتگو میں شریک تھا۔ میری شاید انہوں نے ضرورت محسوس نہیں کی تھی اور میں نے بھی اس بات پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ تاہم تقریباً دو گھنٹے کے بعد تغلق خان میرے پاس آیا اور اس نے ہمیں رخت سفر باندھنے کی ہدایت کی۔ سامان ہی کیا تھا سوائے اس کے کہ تغلق خان نے

ہمیں دو چار جوڑے کپڑے مہیا کر دیئے تھے۔ دوسرے تمام لوگوں کو بھی کچھ نہ کچھ دیا گیا تھا۔ اس مختصر سے سامان کے ساتھ رسی کی سیڑھیوں کے ذریعے ہمیں جہاز کے بڑے اور کشادہ کیبن میں منتقل کر دیا گیا۔

کپتان الفریڈ نے مجھ سے دوستانہ انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "مسٹر منصور' میں آپ کو اپنے جہاز پر خوش آمدید کہتا ہوں۔ براہ کرم کوئی تکلف نہ کریں' جس چیز کی بھی ضرورت ہو وہ بیان کر دیں اور پھر تغلق خان تو ہمارے ساتھ ہیں ہی' یہ بھی خیال رکھیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ مسٹر الفریڈ' میں صرف ایک بات جاننا چاہتا ہوں۔"

"جی جی ضرور۔"

"کیا یہ جہاز میرے ہی ملک جا رہا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اتفاق سے یہ تمہارے ملک تو نہیں جا رہا لیکن تمہارے ملک کے بہت قریب ایک اور ملک جا رہا ہے۔ وہاں سے صرف پچیس گھنٹے کا سفر باقی رہ جاتا ہے تمہارے ملک کا' وہاں پہنچ کر میں تمہیں تمہاری ضرورت کے مطابق سہولتیں فراہم کر دوں گا۔ باقی ذمے داریاں تمہاری اپنی ہوں گی۔" الفرید نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

غوزی خان کی لانچ واپس چلی گئی تھی اور اب پتہ نہیں کہ وہ کس طرف جا رہا تھا۔ یقینی طور پر کسی نئے شکار کی تلاش میں ہو گا۔ ہم سے تو اسے مایوسی اٹھانی پڑی تھی۔ نہ صرف مایوسی بلکہ نقصان بھی۔ بہر صورت اس عجیب و غریب واقعے کو تقدیر کا کھیل ہی کہا جا سکتا تھا۔

جہاز کا سفر جاری رہا۔ تغلق خان میرے ہاتھ ہی نہیں لگا تھا۔ باقی سب ایک ہی کیبن میں تھے۔ گلاب بہت خوش نظر آ رہا تھا اور اپنے مستقبل کے بارے میں ہمارے کان کھاتا رہا تھا۔

بہروز خاموش سا بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کی جانب دیکھا اور اسے اپنی جانب متوجہ نہ پا کر اسے آواز دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی ہمارے ساتھ قہقہے لگا رہا تھا۔

یہ سفر نہایت خوشگوار رہا۔ اب کوئی تجسس یا الجھن ذہن میں نہیں رہ گئی تھی۔ تیسرے روز وہ ایک بندرگاہ سے جا لگا اور بندرگاہ پہنچتے ہوئے کپتان الفریڈ نے ہمیں کچھ ہدایات دی تھیں۔

"دوستو۔ یہ بندرگاہ نہایت خوبصورت ہے لیکن اس کے قوانین بے حد سخت ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ کچھ وقت تمہیں پوشیدہ رہ کر گزارنا ہو گا۔ ہم تمہیں لوگوں کے سامنے نہیں لا سکتے۔ اگر کسی کو شبہہ ہو گیا کہ جہاز میں کچھ غیر قانونی لوگ موجود ہیں تو بڑی مشکلات پیش آئیں گی۔ خاص طور سے اس لئے کہ آپ لوگوں کو اس بندرگاہ پر چھوڑنا نہیں

تھا۔ اگر ہم کسی کو یہاں اتارتے تو بہت پیچھے ایک ٹاپو ہے وہاں اتار دیتے اور وہاں سے تھوڑے سے ویران راستے کا سفر طے کر کے اس جگہ کی شہریت حاصل کی جا سکتی تھی لیکن اب ہم خالصتاً قانونی حدود میں ہیں اس لئے ہم کسی اجنبی شخص کو بندر گاہ پر نہیں لے سکتے۔ تغلق خان بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہی پوشیدہ رہیں گے۔ میں پہلے تو یہ معلوم کرتا ہوں کہ ہمیں کتنا وقت یہاں قیام کرنا ہو گا۔ اگر اس میں زیادہ دیر نہیں ہے تو پھر میں خود آپ سب کو لے کر آپ کے ملک جاؤں گا اور اگر ہمیں یہاں زیادہ وقت لگ گیا تو پھر دوسری معلومات حاصل کر کے آپ لوگوں کو بتا دوں گا کہ آپ کب اور کس وقت اپنے وطن کے لئے روانہ ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے الفریڈ' اگر کوئی قانونی مجبوری ہے تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" تغلق خان نے جواب دیا۔

الفریڈ نے ہم لوگوں کو پوشیدہ رکھنے کے لئے ایک محفوظ جگہ کا انتظام کر لیا تھا۔ نجانے اس کے جہاز میں بھی کون سے اسرار و رموز چھپے ہوئے تھے۔ بہر طور ہمیں اس نئی جگہ بھی کوئی دقت نہیں ہوئی بلکہ پانی کے مناظر ہماری نگاہوں کے سامنے تھے کیونکہ یہ حصہ جہاز کی نچلی سطح میں تھا' اور بڑے بڑے شیشوں سے سمندر کے نیچے کے مناظر خوب نمایاں ہوتے تھے۔ ایئر کنڈیشنڈ جگہ تھی اور آسائشوں کی تمام چیزیں فراہم کر دی گئی تھیں۔

یہاں گلاب اور اس کے دونوں ساتھی ایک الگ گوشے میں اپنی جگہ بنا کر بیٹھ گئے۔ بہروز کے ہاتھ ایک کتاب لگ گئی تھی وہ ایک جگہ دراز ہو کر کتاب پڑھنے لگا اور تغلق خان میرے پاس آ بیٹھا۔ اس کی نگاہوں میں پراسرار مسکراہٹیں کھیلتی رہتی تھیں اور جب بھی میری نگاہ اس کی نگاہ سے ٹکراتی تو میں جھنجلاہٹ کا شکار ہو جاتا۔ صرف اس تصور سے کہ تغلق خان مجھے تمام تفصیلات کیوں نہیں بتا رہا۔

اس وقت بھی وہ مجھے دیکھ کر مسکراتا رہا۔ میں سنجیدہ ہی رہا تھا تب تغلق خان بولا۔

"منصور' تم کچھ الجھے ہوئے ہو؟"

"یہ سوال بے مقصد ہے تغلق خان' ظاہر ہے اس وقت تمہارے احسانات کے بوجھ تلے دبا ہوا ہوں اور تمہارے تمام تر جذبات کا خیال رکھنا میرا فرض ہے۔"

"نہیں نہیں منصور' براہ کرم ایسا مت سوچو۔ آنے والا وقت ذرا مختلف ہو گا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"مقصد یہ........ مقصد یہ کہ ممکن ہے مجھے تمہاری ماتحتی میں کام کرنا پڑے۔"

"ماتحتی میں؟"

"ہاں۔"

"وہ کیوں؟"

"اس کیوں کا جواب ہی ذرا مشکل ہے منصور۔"

"وجہ......؟"

"میں نے تم سے کہا نا' کہ مجھ پر پابندی لگا دی گئی ہے کہ ابھی میں اس بارے میں تمہیں کچھ نہ بتاؤں ورنہ میں خود بھی تمہیں سب کچھ بتانے کے لئے بے قرار ہوں۔"

"دیکھو تغلق خان میں تمہیں کسی بھی بات کے لئے مجبور نہیں کر سکتا البتہ ایک درخواست ضرور کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"جو بات مجھے نہ بتا سکو براہ کرم اس کا تذکرہ بھی مت کرو۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"اوہ سوری سوری۔ دراصل تمہارے چہرے پر ان گنت سوالات دیکھ کر میرے ذہن میں یہ تمام باتیں ابھر آتی ہیں۔ بہر صورت منصور تم یوں سمجھو کہ اب تمہارا شہر تمہارے لئے بے حد شاندار ہو گیا ہے۔ وہاں اس قسم کی تفریحات پیدا کر دی گئی ہیں تمہارے لئے کہ تم حیران رہ جاؤ۔"

"تفریحات؟" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہاں تفریحات۔"

"تب تو جس نے بھی میرے لئے یہ سب کچھ کیا ہے مجھے اس پر افسوس ہے۔ بلا شبہ اس کی ہمدردی اور محبت سر آنکھوں پر لیکن وہ مجھ سے قطعی ناواقف معلوم ہوتا ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"میری ذات میں 'تفریحات' کا کوئی لمحہ باقی نہیں ہے تغلق خان' جس کا سینہ پھوڑے کی مانند پک رہا ہو وہ بھلا کون سی تفریحات میں حصہ لے سکتا ہے تم خود بتاؤ؟"

"ہاں منصور' میں تمہاری کہانی سن چکا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ سیٹھ جبار نے تمہارے ساتھ بہت ہی وحشیانہ سلوک کیا ہے اور نفرت انگیز بات یہ ہے کہ اس نے تمہاری ماں اور بہن کو اغوا کر کے تمہارے خلاف ایک جال بچھا دیا ہے وہ تمہیں اس جال میں پھانس کر بھول گیا ہے اور کسی خونخوار مکڑی کی مانند دور سے بیٹھا تمہاری اس تڑپ کا تماشہ دیکھ رہا ہے لیکن میرے دوست جال میں پھنسی ہوئی مکھی بالکل بے بس ہوتی ہے۔ تم اپنے آپ کو اس مکھی سے تشبیہ مت دو۔ تم میں اور اس میں بہت فرق ہے۔ تم ایک اعلیٰ کارکردگی کے مالک اور باہمت نوجوان ہو جس کے بارے میں' جب بھی سوچتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے بلکہ شرمندگی بھی کہ جب میں نے تمہیں چمن کے ساتھ دیکھا تو تمہاری طرف کوئی توجہ نہ دی۔ یہ سوچ کر کہ تم عام اور معمولی سے لڑکے ہو لیکن بعد میں جب تمہارے بارے میں

تفصیلات سنیں تو انہوں نے مجھے حیران کر دیا اور پھر میں خود بھی تمہارے سامنے آ چکا ہوں۔ میں ان لمحات کا تذکرہ تفصیل سے نہیں کروں گا لیکن بہر صورت میں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ تم اپنے مد مقابل کے سامنے آنے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ ذہنی طور پر بھی اور جسمانی طور پر بھی چنانچہ تمہیں اس مکھی سے تشبیہ دینا مناسب نہیں ہے اور جو شخص بے بسی کا شکار نہ ہو اور جس کی زندگی کے ساتھ کچھ عجیب الجھنیں وابستہ ہو گئی ہوں پھر بھی وہ ان خوبیوں کا مالک ہو جن کے تم ہو تو اسے کوئی بات اپنے ذہن پر مسلط نہیں کرنی چاہیئے۔ تم ماحول میں شگاف پیدا کرنا جانتے ہو' تم اس فولادی خول کو توڑنے کی صلاحیت رکھتے ہو جس کے دوسری طرف سیٹھ جبار چھپا بیٹھا ہے تو پھر تم خود کو مایوس کیوں سمجھتے ہو۔ ہاں خول ٹوٹنے میں دیر لگتی ہے۔ سیٹھ جبار کے مقابل آؤ۔ اس سے جنگ کرتے رہو' اس نے تمہیں جس بے بسی کا شکار کر دیا ہے تم وہ حالات پیدا کرو کہ وہ خود بھی اسی بے بسی کا شکار ہو جائے اور جھنجلائے ہوئے انداز میں تمہاری جانب دیکھے' تب تم سے سودے بازی کے لئے مجبور ہو جائے تو پھر تم اس سے شرائط منوا سکتے ہو اور تم اسے مکھی کی طرح جال میں پھانس کر تڑپتے ہوئے دیکھ سکتے ہو پھر تمہارا انتقام شروع ہو سکتا ہے۔ تم نے ان لائنوں پر کیوں نہیں سوچا منصور' تم اس انداز سے کام کرنے کے لئے تیار کیوں نہیں ہوئے' طاقت کے مقابلے میں طاقت کا استعمال بے حد ضروری ہے' جو کمزور ہوتے ہیں بے شک وہ مجبور ہوتے ہیں لیکن جو طاقت ور ہیں انہیں اپنی تمام تر قوتیں مجتمع کر کی اپنے دشمن کے مقابل آنا چاہیے۔ تمہاری ماں اور بہن طویل عرصے سے تمہیں نہیں ملیں' تمہارا سینہ بقول تمہارے پڑے ہوئے پھوڑے کی مانند ہے' بے شک اس زخم میں تکلیف ہو گی لیکن یہ تکلیفیں تو بدن کی حرارت کے لئے ضروری ہیں' ماں اور بہن تمہاری اس جدوجہد سے فوری طور پر نہیں مل سکتیں' تم اپنی اس تکلیف کو ٹیس بن جانے دو منصور اور اگر تم سیٹھ جبار کو اس کے لئے مجبور کر دو کہ ایک دن وہ خود ہاتھ باندھ کر تمہاری ماں اور بہن کو عزت و احترام سے تمہارے سامنے لے آئے تو کیا یہ تمہاری عظیم تر کامیابی نہیں ہو گی۔ بولو کیا میری اس بات کی تائید نہ کرو گے؟"

میں تغلق خان کو ششدر نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ الفاظ اس شخص کے تھے جو بظاہر گوشت کی چٹان معلوم ہوتا تھا لڑنے جھگڑنے والا ایک خطرناک سا آدمی' لیکن یہ الفاظ بڑی اہمیت رکھتے تھے' ان میں ایک ندرت تھی۔ ایک ذہانت تھی۔

"میں غلط کہہ رہا ہوں منصور؟ مجھے بتاؤ میں غلط کہہ رہا ہوں؟ میرا اپنا نظریہ تو یہی ہے۔ دیکھو دوست میں نے زندگی کے بارے میں کبھی سنجیدگی سے نہیں سوچا۔ تم میرے بھائی کو دیکھ چکے ہو۔ وہ ایک وحشی بھیڑیا ہے۔ قتل و غارت گری' خونریزی اس کے دلچسپ مشاغل ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری رگوں میں جو خون ہے وہ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم

سکون سے نہ بیٹھیں' ہمارے آبا و اجداد کے کارنامے یقیناً تمہارے علم ہوں گے۔ چنگیزی نسل' میں سمجھتا ہوں کہ جب تک قائم رہے گی اس کے دوڑتے ہوئے لہو میں جوار بھاٹے آتے رہیں گے لیکن بدلا ہوا وقت تھوڑی سی عقل بھی دیتا ہے۔ جد امجد مرحوم اگر اس دور میں پیدا ہوتے تو شاید اتنے وحشی صفت نہ ہوتے یا اگر ہوتے بھی تو ان کی وحشتیں مصلحتوں کے لبادے اوڑھے ہوتیں۔ اگر ہم صرف وحشی ہوتے اور مصلحتوں کے قائل نہ ہوتے تو ہماری وحشت ایک دن کسی قبر میں جا سوتی۔ تھوڑی سی مصلحت پسندی ضروری ہے۔ اسی کی میں تمہیں تلقین کرتا ہوں۔ سیٹھ جبار سے جنگ کرنے کے لئے میں نے کبھی تم سے یہ نہیں کہا کہ تم اس کے ساتھیوں میں شامل ہو جاؤ لیکن خود وہ قوت ضرور حاصل کر لو جو تمہیں اس کے خلاف صف آرا کر سکتی ہے اور تمہیں اس کے مد مقابل کی حیثیت دے سکتی ہے۔" تغلق خان نے کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہے تغلق خان۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"یہ ممکن کیسے نہیں ہے۔ آخر سیٹھ جبار نے کہیں سے تو ابتدا کی ہو گی۔ کیا شروع ہی سے' میرا مطلب ہے کیا پیدائش ہی کے وقت سے سیٹھ جباز اس قدر خونخوار اور وحشی ہو گا؟ ناممکن ہے منصور۔ تم خود ہی میرے سوال کے جواب میں' نہیں کہو گے جب سیٹھ جبار ابتدا کر کے اس منزل تک پہنچ سکتا ہے تو تم کیوں نہیں پہنچ سکتے' کیا تم ذہانت میں کم ہو کسی سے' کارکردگی میں کم ہو؟ بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تمہاری اپنی قوتیں اس قدر مستحکم ہیں کہ سیٹھ جبار ان سے محروم ہے' وہ تو دوسروں کے سہارے کام کر رہا ہے نا' اس کی اپنی قوت تو اس کی دولت میں چھپی ہوئی ہے جب کہ تمہارے پاس اپنی قوت' اپنی طاقت ہے' تمہارے پاس دولت بھی ہے اور کسی سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ بھی' تو کیا تم اس پر فوقیت حاصل نہیں کر سکتے؟"

"کیوں نہیں کر سکتا۔ یقیناً کر سکتا ہوں۔"

"تو پھر کرو نا' آخر تم سیٹھ جبار سے مقابلہ کیوں نہیں کرتے؟"

"اس کے لئے مجھے ایک طویل عرصہ درکار ہو گا تغلق خان' اگر مجھے ماں اور بہن مل جاتیں تو میں زندگی کے کسی بھی مرحلے پر سیٹھ جبار کے مقابل آ سکتا تھا لیکن جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے ان کی جانب سے میرے ذہن میں مایوسی گھر کرتی جا رہی ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب تک مجھے میری ماں اور بہن نہیں مل جائیں گی میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

"میں اسے تسلیم نہیں کرتا منصور' یہ مایوسی تو تمہیں آتش فشاں بنانے کے لئے استعمال ہونی چاہیئے۔ تم آتش فشاں کیوں نہیں بن جاتے۔ یا تو ایسا ہو کہ تمہیں فوری طور پر ان لوگوں کے مل جانے کی توقع ہو یا اگر تمہیں یہ توقع نہیں ہے تو پھر اس بات پر عمل

کرو۔"

"میں یقیناً تیار ہوں تغلق خان' بس آنے والے وقت کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"پھر وہی انتظار۔ میں کہتا ہوں انتظار موت کا دوسرا نام ہے۔ تم انتظار کی اس کیفیت سے نکل آؤ منصور' تم خود دیکھو گے کہ تم کیا بن گئے ہو۔"

"میں تمہاری بات تسلیم کرتا ہوں تغلق خان' اگر میں چمن کے ہاتھوں دھوکا نہ کھاتا تو میری زندگی کے چند ماہ اس طرح ضائع نہ ہوتے' ویسے تغلق خان کیا چمن اب بھی اس شہر میں ہے؟"

"میرا خیال ہے ہونا چاہیئے۔"

"تو پھر میں اس کے چیتھڑے اڑانے میں حق بجانب نہیں ہوں گا؟"

"نہیں؟۔"

"کیوں؟" میں نے متعجبانہ انداز میں پوچھا۔

"میں تمہیں سمجھتا ہوں منصور' کسی نے اگر تم سے دشمنی کی ہے تو اسے زندہ رہنے کا موقع دو۔ کم از کم وہ اس خوف سے تو زندہ رہے کہ تم زندہ ہو۔ وہ تمہارے انتقام کا منتظر ہے اور تم نہیں سمجھتے کہ انتظار کتنی خوفناک چیز ہوتی ہے۔ تم اپنی قوتوں سے اس بات کا اظہار کرو کہ تم چمن سے بہت زیادہ برتری حاصل کر چکے ہو' چمن کے ہوش و حواس گم ہو جائیں گے' وہ اسی فکر میں جلتا رہے گا کہ کہیں کسی وقت تم اسے اپنے پاؤں کے نیچے نہ مسل ڈالو۔"

ایک بار پھر تغلق خان نے مجھے حیران کر دیا تھا' بات سمجھ میں آ رہی تھی' میں اسے متحیرانہ نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ میری محویت دیکھ کر وہ ہنس پڑا۔

"مجھے اس انداز سے نہ دیکھو منصور' تم مجھ سے کہیں آگے کی چیز ہو' میں نے دوستی کے طور پر تمہیں یہ باتیں بتائی ہیں اور یہ دوستی تم یقین کرو کسی لالچ کے تحت نہیں ہے' مجھے بہت اعلیٰ معاوضے پر تمہارے ساتھ کام کرنے کے لئے مجبور کیا گیا ہے اور یہ معاوضہ میں سمجھتا ہوں اتنا ہے کہ میں دوسرے ذرائع سے اس قدر دولت حاصل نہیں کر سکتا تھا لیکن معاوضے کے بعد میں اگر تمہارے لئے کام کرتا تو بالکل سرسری طور پر ایک کارکن کی حیثیت سے' انتظار کرتا کہ تم مجھے کیا حکم دے رہے ہو یا ان حالات کو دیکھتا جن میں تمہیں میری ضرورت پیش آ سکتی تھی' یہی میری ذمے داری ہوتی لیکن اب منصور میں اپنے طور پر بھی تم سے ہمدردی اور محبت رکھتا ہوں۔ میں خود کو تمہاری دوستی کے قابل بنانا چاہتا ہوں چنانچہ اب میری ذمے داریاں ایک دوست کی ذمے داریاں بھی ہو گئی ہیں۔"

میں نے آگے بڑھ کر تغلق خان کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا اور تغلق خان نے اپنے مضبوط ہاتھ میں میرا ہاتھ جکڑ لیا پھر مسکرا کر بولا۔

"اس ہاتھ کی مضبوطی بتاتی ہے کہ یہ مستقبل میں بہت کچھ کرے گا۔ یہ تغلق خان کی پیش گوئی ہے۔" میں مسکرانے لگا۔ بہروز نے کتاب زور سے بند کر کے میز پر رکھ دی تھی۔ تغلق خان ہنسنے لگا۔

"جاؤ جاؤ تمہارا وہ ننھا منا ساتھی تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" اس نے کہا اور خود گلاب اور اس کے ساتھیوں کی جانب بڑھ گیا۔ میں بہروز کے پاس پہنچ گیا تھا۔ بہروز نیم وا آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا اور پھر خود مسکرا دیا' نجانے کیا خیالات تھے اس کے ذہن میں لیکن اس نے میرے لاکھ پوچھنے کے باوجود اس مسکراہٹ کا راز نہیں بتایا۔ تب میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ٹھیک ہے بہروز' تم سب لوگ اپنے اپنے راز اپنے سینوں میں چھپائے رہو' میں بھی کوشش کروں گا کہ تمہاری طرح منافق بن سکوں۔"

"نہیں چیف بہروز منافق نہیں ہے اس مسکراہٹ کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی بس یونہی یہ کتاب پڑھ رہا تھا اس کے مضمون پر کچھ ہنسی سی آ رہی تھی۔" بہروز نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔

دوسری رات تقریباً نو بجے کیپٹن الفریڈ مسکراتا ہوا ہمارے پاس آیا اور رسمی گفتگو کے بعد بولا۔

"ٹھیک گیارہ بجے آپ لوگوں کو ایک لانچ پر چلنا ہے۔"

"کیا مطلب؟" تغلق خان چونک کر بولا۔

"ڈاگ زیانو کو میں ابھی تھوڑی دیر قبل روانہ کر کے آیا ہوں۔ ڈاگ زیانو آپ کے وطن جا رہا ہے اور ڈیڑھ گھنٹے میں وہ بین الاقوامی سمندر میں پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد ہم ایک تیز رفتار سفر شروع کریں گے اور تقریباً ساڑھے بارہ بجے ہم ڈاگ زیانو پر پہنچ جائیں گے' وہاں سے ہمیں اوپر اٹھا لیا جائے گا اور پھر آپ لوگ باآسانی اپنے وطن پہنچ جائیں گے۔ اس کے بعد کی ذمے داریاں آپ کی اپنی ہیں۔" کیپٹن الفریڈ نے کہا اور ہم لوگ اچھل پڑے۔

"ویری گڈ کیپٹن۔ آپ کا یہ احسان ہم زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔" میں نے کہا۔

"نہیں بھائی۔ میں کسی پر کوئی احسان نہیں کر رہا بلکہ غوزی خان کے احکامات کی تعمیل ہماری اپنی زندگی کی ضمانت ہوتی ہے ورنہ کون اس بات کو پسند کرے گا کہ کسی دن جہاز کے پیندے میں سوراخ ہو جائے اور اس سوراخ سے اندر آنے والا پانی ہمیں لے کر سمندر کی آغوش میں پہنچ جائے۔" یہ بات کیپٹن الفریڈ نے کچھ ایسے انداز میں کہی کہ ہم سب کو ہنسی آ گئی۔ تغلق خان بھی ہنسنے لگا تھا۔

"آپ بہت حقیقت پسند معلوم ہوتے ہیں کیپٹن الفریڈ۔" تغلق خان نے کہا۔

"ہاں جو حقیقت پسند نہیں ہوتے وہ غوزی خان کا شکار بن جاتے ہیں۔ ہمیں تو غوزی خان سے دوستی رکھنا ہوتی ہے' ویسے آپ لوگ تیاریاں کر لیں' ڈاگ زیانو پر بھی آپ کو کوئی دقت نہ ہو گی۔ اس کا کیپٹن میرا دوست ہے۔ میں نے اسے ساری تفصیلات بتا دی ہیں۔ وہ جہاز لنگر انداز کر کے ہمارا انتظار کرے گا۔

"بہت بہت شکریہ۔ ہم سب تیار ہیں۔ آپ جس وقت بھی کہیں گے ہم روانگی کے لئے تیار ہو جائیں گے۔" میں نے جواب دیا اور کیپٹن الفریڈ چلا گیا۔

وقت مقررہ پر ہمیں اس کی سیڑھیوں کے ذریعے لانچ پر اتارا گیا۔ ماحول پر ہلکی ہلکی کہر چھائی ہوئی تھی۔ آسمان پر روشنی کی کوئی رمق نہیں تھی۔ چاروں طرف کا ماحول بے حد تاریک تھا۔ اور اس تاریک ماحول میں چھوٹی لانچ ہمیں لے کر ایک نا معلوم سمت میں چل پڑی' شاید اسے چلانے والے پوری طرح اس بات سے واقف تھے کہ انہیں کون کون سے راستوں سے گزر کر کہاں کہاں جانا ہے۔ سمندر کے سینے پر موجود جہازوں میں روشنیاں ہو رہی تھیں جن کے چمک دار لہرئے اس تاریک ماحول کو چمکانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ بہر طور لانچ اپنی کوئی روشنی جلائے بغیر ان لہریوں سے بچتی ہوئی آگے بڑھتی رہی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم گہرے سمندر میں داخل ہو گئے جہاں کوئی روشنی نہیں تھی۔

ماحول بے حد خوفناک اور پر اسرار تھا اور اس پراسرار ماحول میں ہمارے دلوں کی دھڑکنیں بند ہوئی جا رہی تھیں' لانچ پر کوئی روشنی نہیں کی گئی تھی لیکن اس کے باوجود لانچ ڈرائیور انتہائی مہارت سے اپنا سفر پورا کر رہا تھا۔

ڈان الفریڈ نے ہمیں اطمینان دلایا تھا کہ وہ جن لوگوں کو ہمارے ساتھ کر رہا ہے۔ وہ نہایت مشاق اور ماہر ہیں اور نہایت اطمینان سے ہمیں ہماری مطلوبہ جگہ پہنچا دیں گے اور یہی ہوا۔

ڈیڑھ گھنٹے کے تیز رفتار سفر کے بعد لانچ کے انجن کی رفتار کچھ سست ہونے گی۔ اب وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا پھر لانچ کے اگلے سرے پر دو سبز بتیاں روشن ہو گئیں اور اسپارک کرنے لگیں۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد تاریک سمندر میں ویسی ہی دو بتیاں کسی قدر بلندی پر نظر آئیں' یہ تیز بتیاں بھی اسپارک کر رہی تھیں گویا ہم جہاز کے قریب پہنچ گئے تھے' اس کے بعد جہاز کا خاکہ نمایاں ہونے لگا۔ کسی مخصوص ذریعے سے جہاز کے پورے ڈھانچے کو روشن کیا گیا تھا تاکہ لانچ اس کا تعین کرے اور اس کی سمت آ جائے پھر وہ جگہ بھی روشن ہو گئی جہاں لانچ کو لگنا تھا اور جہاں جہاز پر اوپر چڑھنے کے لئے سیڑھیاں موجود تھیں' چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد لانچ جہاز کے پیندے سے جا لگی۔ نہایت ذہانت سے سارے کام کیے گئے تھے۔ موٹی رسیوں کی سیڑھی لٹکی ہوئی تھی۔ اوپر سے ٹارچ کی روشنیاں ہماری معاونت کر رہی تھیں چنانچہ ایک ایک کر کے ہم چھ افراد جہاز کے عرشے پر پہنچ گئے' جہاں

ایک قوی ہیکل شخص نے ہمارا استقبال کیا تھا' اس نے ہم سب سے ہاتھ ملایا اور اس کے بعد سیڑھی ہٹا لی گئی' لانچ نے واپسی کا سفر شروع کر دیا...... اور اس کے بعد جہاز کا عارضی لنگر اٹھا لیا گیا...... یوں ہم اپنے ملک کی جانب عازم سفر ہو گئے اور یہ رات بڑی ہی سنسنی خیز تھی۔

ہمیں آرام وہ کیبن فراہم کر دیئے گئے تھے جن میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ ہمیں کافی کے لئے پوچھا گیا لیکن اس وقت کسی چیز کی حاجت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ کھانا وغیرہ ہم الفریڈ کے جہاز پر کھا چکے تھے۔ ہم نے شکریہ ادا کیا اور کیبنوں میں جا لیٹے......

بہروز اس وقت بھی میرے ہی کیبن میں تھا لیکن اپنے بستر پر دوسری جانب رخ کیے ہوئے' نجانے وہ کیا سوچ رہا تھا اسے گہری نیند آ گئی تھی لیکن میرے ذہن میں چکیاں چل رہی تھیں۔ میں مختلف فیصلے کر رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ اپنے وطن پہنچ کر مجھے کیا کچھ کرنا ہے۔ بڑا دھواں تھا میرے ذہن میں' بڑے خوفناک خیالات تھے میرے دل میں' چمن نے میری زندگی کے یہ مصروف ترین لمحات چھین لئے تھے لیکن اس کے جواب میں' میں اسے معاف نہیں کر سکتا تھا البتہ تغلق خان کی یہ ہدایت مجھے پسند آئی تھی کہ دشمن کو اپنی طاقت سے خوف زدہ کرتے رہو' اپنی قوتوں سے ڈراتے رہو۔ وہ اس کے لئے موت سے بہتر ہوتا ہے۔

چمن جیسے شخص کے لئے دشمنی کا تصور آج بھی میرے لئے دکھ کا باعث تھا۔ اس کم بخت نے بڑے اچھے انداز میں میرا ساتھ دیا تھا لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ در پردہ کون سی بات کام کر رہی تھی۔ بہر طور ابھی تو مجھے چمن کے مقابلے میں بھی کوئی برتری حاصل نہیں تھی۔ یہ سب کچھ حاصل کرنے کے لئے مجھے نجانے کیا کچھ کرنا ہو گا۔

ایک بار پھر میرا ذہن تغلق خان کی باتوں کی جانب چلا گیا۔ کون ہے وہ جس نے تغلق خان کو میری تلاش پر مامور کیا ہے۔ ویسے کبھی کبھی ذہن بھٹک کر سیٹھ جبار کی طرف بھی چلا جاتا تھا' کس پر بھروسہ کرتا۔ کسے اپنا دوست سمجھتا۔ سب ہی نے اپنا مقام کھو دیا تھا۔ اب تو یہ دنیا میرے لئے دشمنوں کی دنیا تھی۔ خود میرے دوستوں کا وجود کہاں ہے' مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ بس چند چہرے تھے' چند چہرے جو اعتماد کو زندگی بخشتے تھے۔ ورنہ اعتماد بھی کبھی کا مر چکا ہوتا۔

وطن کا خیال رہ رہ کر ذہن میں ابھر رہا تھا۔ وہ گلیاں اور بازار یاد آ رہے تھے جو اب مجھ سے اجنبی ہو چکے تھے۔ وہ گندا سا محلّہ جہاں میں نے آنکھ کھولی۔ جہاں میرے ساتھی رہتے تھے۔ اوباش فطرت بھی اور نیک فطرت بھی۔ فیضان آج بھی مجھے یاد تھا لیکن وہ کہاں ہے کیا کر رہا ہے مجھے نہیں معلوم تھا۔ کیسے خوش نصیب لوگ ہوتے ہیں وہ جو زندگی

کے سیدھے سادے راستوں پر سچائی سے گامزن رہتے ہیں اور اپنی منزل پا لیتے ہیں' ہر انسان کی ابتدا اور انتہا ہوتی ہے۔ اس ابتدا اور انتہا میں اگر سکون اور آسائشیں ہوں تو پھر کون [illegible] وہ لوگ بد بخت ہوتے ہیں جو اپنے اچھے راستوں کو ٹھکرا کر ٹیڑھے میڑھے راستے اختیار کرتے ہیں اور پورے معاشرے کے لئے برائی بن جاتے ہیں۔

سمندر پر اتنا وقت گزرا تھا کہ اب یوں محسوس ہوتا تھا جیسے زمین کا وجود ہی ختم ہو گیا ہو یہ احساس انوکھا لگتا تھا کہ اب پھر میں اپنے وطن میں ہوں گا۔ جہاں تک اعتماد کا تعلق تھا چمن جیسے لوگوں سے ہمیشہ ہوشیار رہنا ہو گا۔ اپنی ذات کے لئے جینا سب سے بہتر ہے۔ باقی تمام لوگ صرف ضمنی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک ٹھوس لائحہ عمل بنانا ہو گا۔ میں فیصلے کرتا رہا۔

دوسرا دن گزرا اور پھر اس وقت رات کے تقریباً گیارہ بجے تھے جب جہاز کے کپتان نے ہم سے ملاقات کی اور مسکراتا ہوا بولا۔

"ہم بندرگاہ کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ تمہارے وطن کی سمندری حدود میں ہیں اور بندرگاہ چند میل سے زیادہ دور نہیں رہ گئی۔ کیا تم بندرگاہ پر اترنا پسند کرو گے؟ یا کچھ اور چاہتے ہو؟"

"نہیں کیپٹن ہم قانونی حیثیت سے نہیں آئے۔ اگر آپ ہمارے لئے ایک ایسی لائف بوٹ مہیا کر دیں جو چھ آدمیوں کا وزن اٹھا سکے تو آپ کا کام ختم ہو جاتا ہے۔" تغلق خان نے جواب دیا۔

"بہتر ہے لائف بوٹ باآسانی مہیا کی جاسکتی ہے لیکن تھوڑی دیر انتظار کرنا ہو گا۔ میں جہاز کے نشان والی لائف بوٹ تو نہیں دے سکتا۔ اس پر سے وہ نشان صاف کرانا بے حد ضروری ہے۔"

"بہت بہتر کیپٹن۔ ہم سب تکلیف کے لئے آپ کے شکر گزار ہیں۔" میں نے کہا اور کیپٹن گردن ہلا کر باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے آکر اطلاع کر دی کہ لائف بوٹ تیار ہے اور ہم چھ افراد لائف بوٹ کے ذریعے سمندر میں اتر گئے۔

تغلق خان اور میں پتواروں کے ذریعے لائف بوٹ کو ایک خاص سمت کھے رہے تھے' اس پر چھوٹا سا بادبان بھی باندھ لیا گیا تھا کہ ہواؤں کی مدد بھی شامل رہے' ہماری منزل نامعلوم تھی لیکن ہم اسی سمت بڑھ رہے تھے جہاں ہمیں کبھی کبھی روشنیاں جھلکتی نظر آجاتی تھیں۔ یہ میرے شہر کی روشنیاں تھیں۔

میں نے محسوس کیا کہ تغلق خان خاص طور سے ایک سمت کا رخ اختیار کر رہا ہے' سو میں نے اس سے پوچھ لیا۔

"تغلق خان کیا تم کسی سمت کا تعین کر سکے ہو؟"

"ہاں مسٹر منصور۔ میں ایک جانے بوجھے راستے پر چل رہا ہوں۔"

"تعجب ہے تغلق خان۔ تم بیرونی انسان ہونے کے باوجود میرے وطن کے بارے میں اتنا کچھ جانتے ہو۔" میں نے کہا اور تغلق خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جاننا نہیں تھا منصور' بتایا گیا ہے مجھے۔ ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت میں نے بہت سی باتوں پر ریسرچ کی ہے۔ میں بے شمار ویران ساحلوں کی تصاویر جمع کرتا رہا ہوں' اور اندازہ لگاتا رہا ہوں کہ کون سا ساحل کس مقصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے اور اسے استعمال کرتے ہوئے کیا کیا مشکلات پیش آسکتی ہیں۔" تغلق خان نے جواب دیا اور ایک بار پھر میں حیران رہ گیا۔ چند لمحات کی خاموشی کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔

"لیکن اس کی کوئی خاص وجہ تھی تغلق خان؟"

"ہاں اس کی خاص وجہ تھی۔" تغلق خان نے جواب دیا اور مجھے خاموش ہونا پڑا۔ میں جانتا تھا کہ تغلق خان اس کے بعد کے سوال کا جواب نہیں دے پائے گا۔ بہرطور میں بار بار اس کے بارے میں پوچھ کر خود کو ہلکا نہیں ثابت کرنا چاہتا تھا چنانچہ میں خاموش ہو گیا۔

ہم اس چھوٹی سی کشتی کو کھیتے رہے۔ جب میں تھک گیا تو گلاب نے پتوار سنبھال لئے' اس کے ایک اور ساتھی نے بھی تغلق خان کے ہاتھ سے پتوار لے لیا تھا۔ ہم دونوں بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ چھوٹی سی لائف بوٹ سمندر کے سینے پر اپنا سفر طے کر رہی تھی پھر دور سے ہم نے چند روشنیاں دیکھیں اور تغلق خان گہری سانس لے کر بولا۔

"ہم منزل پر پہنچ گئے ہیں۔" لیکن میں نے اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور خاموشی سے جگنوؤں کی طرح چمکتی ان روشنیوں کو دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ساحل پر پہنچ گئے۔ لائف بوٹ سے نیچے اتر کر تغلق خان نے لائف بوٹ کو خشکی پر کھینچ لیا اور پھر ہم ان روشنیوں کی طرف چل پڑے۔ رات کے پر ہول سناٹے میں یہ سفر انتہائی پراسرار محسوس ہو رہا تھا۔

○○○

○

سمندر کی لہروں کا شور کافی پیچھے رہ گیا تھا لیکن فضا میں ایک اور شور پھیلا ہوا تھا۔ یہ کسی مشین کے چلنے کی آواز تھی۔ روشنیاں قریب آتی جا رہی تھیں۔ دور سے جگنو کی مانند چمکنے والی روشنیاں اب تیز ہو چکی تھیں، ہم خاصی تیزی سے ان کی جانب بڑھ رہے تھے۔ خیال تھا کہ شائد تغلق خان اسی راستے سے شہر جانے کے لئے اسی سمت کا تعین کرے گا لیکن جب وہ اس بڑے گیٹ کے سامنے ذیلی سڑک پر مڑ گیا جس کے دوسری جانب کچھ لوگ موجود تھے تو میں نے حیرت سے تغلق خان کی جانب دیکھا لیکن پھر خاموشی اختیار کر لی۔ میں اس شخص کے اشاروں پر نہیں ناچ سکتا تھا لیکن اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ سمندر کے مصائب سے مجھے بچا کر لانے والا بھی یہی شخص تھا ورنہ حالات نہ جانے کیا رخ اختیار کرتے۔ لہٰذا سردست اس سے انحراف مناسب نہیں تھا۔ اگر وہ خود کو ایک مدبر اور ذہین شخص سمجھ کر کچھ باتوں کو چھپائے رکھنا چاہتا ہے اور میری مدد کر کے مجھے چونکانے کا خواہش مند ہے تو ٹھیک ہے میں اس کی انا کو تسکین پہنچانے کے لئے فی الحال خاموشی اختیار کیے لیتا ہوں۔ آہنی گیٹ کافی وسیع تھا اس کے پیچھے جو لوگ کھڑے ہوئے تھے، ان کے جسموں پر نیلی وردیاں تھیں اور ہاتھوں میں رائفلیں دبی ہوئی تھیں۔ ہم قریب پہنچے اور انھوں نے تغلق خان کو دیکھا تو یوں مستعد ہو گئے جیسے وہ ان کے لئے بہت بڑی حیثیت رکھتا ہو۔ انھوں نے جلدی سے ذیلی کھڑکی کھول دی اور جھک کر تغلق خان کو سلام کیا۔ جب ہم چاروں اندر پہنچ گئے تو چوکیداروں میں سے ایک نے ادب سے کہا۔ ”کھڑکی بند کر دی جائے جناب! کوئی اور تو نہیں ہے آنے والا؟“

”نہیں۔“ تغلق خان نے جواب دیا اور ہمیں ساتھ آنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ مشینوں کی آواز اس روش کے بائیں سمت سے آ رہی تھی۔ جس پر ہم چل رہے تھے۔ سامنے ہی ایک عمارت تھی جس کی دیواریں ایسی تھیں جیسے کسی کارخانے کی دیواریں ہوتی ہیں۔ اندر نہ جانے کیسی مشینیں چل رہی تھیں؟ سامنے کی عمارت البتہ پرسکون تھی ہم سیڑھیاں طے کر کے ہال میں داخل ہو گئے۔ اسی لمحے اندرونی دروازے سے کچھ لوگ باہر نکل آئے، تغلق خان کو دیکھ کر وہ بری طرح چونک پڑے اور پھر سامنے آکر مستعد ہو

گئے۔ ”اوہ جناب! آپ تشریف لے آئے اور ہمیں اطلاع تک نہ ملی۔“ ان میں سے ایک بولا۔

”ہاں، بغیر اطلاع کے آنا پڑا، تم لوگ فوراً کھانے کا بندوبست کرو۔“ تغلق خان نے کہا۔

”بس پانچ افراد ہیں یا باہر کچھ اور لوگ بھی ہیں؟“ ان میں سے ایک نے سوال کیا۔

”نہیں صرف پانچ ہی ہیں۔“ تغلق خان نے کہا۔

وہ دونوں تیزی سے اسی دروازے کی طرف مڑ گئے جس سے اندر آئے تھے۔ تغلق خان ہال میں بنی ہوئی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا تھا، پہلی سیڑھی پر قدم رکھ کر اس نے میری طرف دیکھا اور بولا۔ ”تشریف لائیے مسٹر منصور، اوپر ہمارے لیے آرام گاہیں موجود ہیں۔“

میں، گلاب اور دوسرے لوگوں کو اشارہ کر کے تغلق خان کے پیچھے چل پڑا------

چند سیڑھیاں چڑھنے کے بعد دروازوں کی ایک قطار نظر آئی۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر یہ دروازے دونوں سمت بنے ہوئے تھے۔ تغلق خان اس عمارت میں یوں چل رہا تھا جیسے یہ عمارت اس کی اپنی ملکیت ہو۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک کمرے کا دروازہ کھول کر ہم سے کہا۔ ”یہ کمرہ آپ استعمال کر سکتے ہیں، مسٹر منصور! اور مسٹر بہروز آپ مسٹر منصور کے سامنے والا کمرہ لے سکتے ہیں، گلاب اور دوسرے لوگوں کو ان ہی میں سے ایک ایک کمرہ دیا جاتا ہے۔ اور مسٹر منصور! میرا کمرہ وہ سامنے والا ہے۔ کچھ دیر بعد ہم سب ساتھ کھانا کھائیں گے۔“ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم سب ایک کشادہ ہال میں جمع تھے ہمارے سامنے انواع و اقسام کے کھانے تھے۔ اگر یہ کھانے جلدی میں تیار کیے گئے تھے تو واقعی کوئی جادوئی عمل کیا گیا ہو گا۔ ابھی تک تغلق خان، چراغ کا جن معلوم ہوا تھا کہ ہر مشکل کا حل اس کے پاس موجود تھا، شکل و صورت سے بھی وہ جن ہی لگتا تھا۔ وہ بھی ہمارے ساتھ کھانے میں مصروف تھا، خوب کھانے کے بعد، اس نے پانی کے دو تین گلاس چڑھائے اور میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ”اب کیا پروگرام ہے، منصور؟ میرا خیال ہے صبح تک آرام کیا جائے اور صبح کو روانگی کا پروگرام طے ہو گا۔“

”اس سے پہلے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”پوچھیں، پوچھیں۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

”یہ عمارت کیسی ہے؟“

"ایک چھوٹا سا کارخانہ ہے' تین شفٹیں چلتی ہیں اس کی اور یہاں کام کرنے والے مزدوروں کے لیے ایک چھوٹی سی کالونی بنا دی گئی ہے جو کہ کارخانے کے عقب میں ہے' ہر چند کہ یہ جگہ شہر سے کافی فاصلے پر' سمندر کے کنارے واقع ہے لیکن یہ ساحل زیادہ غیر آباد نہیں ہے تھوڑے ہی فاصلے سے شہر تک مسلسل آبادی چلی جاتی ہے۔"

"کونسا علاقہ ہے یہ؟" میں نے سوال کیا اور تغلق خان نے اس کا نام لے دیا۔ میں اس علاقے سے کم از کم' نام کی حد تک واقف تھا۔ کبھی اس طرف آنے کا اتفاق تو نہیں ہوا تھا لیکن یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ہم اپنے شہر میں ہیں۔ اس کے بعد میں نے تغلق خان سے اور کوئی سوال نہیں کیا کیونکہ وہ تفصیل میں جانا پسند نہ کرتا اور میں متجسس رہ کر خود کو ہلکا ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں بہروز کے ساتھ اپنے کمرے میں چلا آیا۔

"تم مطمئن ہو' منصور؟ یہ تمہارا ہی وطن ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"ہاں بہروز' ہم اپنے وطن آ گئے ہیں اور میں اب اتنا بے دست و پا نہیں ہوں۔ یہاں میرے ہاتھ کافی مضبوط ہیں۔" میں نے کہا۔ "اور اب میرا خیال ہے کہ آرام کی نیند سو جاؤ صبح کو دیگر معاملات پر توجہ دیں گے۔"

بہروز گردن ہلانے لگا پھر میرے کمرے کو دیکھتا ہوا بولا۔ "میں یہیں سوؤں گا' میرا مطلب ہے' اس کونے میں نیچے-----"

"یار میں تکلفاً" یہ کہوں گا کہ تم مسہری پر سو جاؤ اور تم اسے تسلیم نہیں کرو گے اچھا یوں کرتے ہیں کہ دونوں ہی نیچے سو جاتے ہیں۔" میں نے کہا۔

بہروز ہنسنے لگا۔ "نہیں منصور! پلیز! تم آرام سے مسہری پر سو جاؤ' تم میری وجہ سے نیچے سوئے تو پھر میں اپنے کمرے میں چلا جاؤں گا۔" اس نے کہا اور جگہ منتخب کر کے دیوار کی جانب کروٹ بدل لی۔

میں دیر تک سونے کی کوشش میں مصروف رہا لیکن نیند نہیں آ رہی تھی۔ یہ احساس بے چین کر رہا تھا کہ میں ایک بار پھر اپنے وطن آ چکا ہوں۔ جہاں' ایاز' نوشاد----- اور گل ہے----- اور چمن کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو گا کہ میں سارے مصائب سے نکل کر ایک بار پھر اپنی دنیا میں لوٹ آیا ہوں۔ چمن کا خیال آتے ہی میرے ذہن میں تاریکیاں سی پھیلنے لگیں۔ میں اس ذلیل شخص کے بارے میں سوچنے لگا۔ میری نگاہوں میں وہ فرشتہ تھا لیکن اس نے ایسا رخ بدلا تھا کہ اس کی تمام پاکیزگی اور تقدس ملیامیٹ ہو کر رہ گیا تھا۔ ایک گہری سانس لے کر میں نے کروٹ بدلی اور آنکھیں بہروز پر جم گئیں۔ وہ دیوار کی جانب منہ کیے بڑی معصومیت سے سو رہا تھا۔ اپنے وجود سے بے خبر----- اس

کے سراپا کی حسین تراش میری نگاہوں کے سامنے تھی لیکن میں نے بہروز کی جانب سے کروٹ بدل لی اور تھوڑی ہی دیر بعد مجھے نیند آ گئی۔

دوسری صبح بے حد خوشگوار تھی۔ پھر سب ایک جگہ جمع ہوئے۔ تغلق خان بھی موجود تھا' ناشتے کے بعد اس نے کہا۔ "ہاں تو منصور صاحب! اب فرمائیے کیا پروگرام ہے؟"

میں چند لمحے اس کی صورت دیکھتا رہا پھر بے پرواہی کے انداز میں کہا۔ "کوئی خاص پروگرام نہیں۔ میں اپنے شہر میں آ چکا ہوں یہ تمہاری عنایت ہے کہ تم نے یہاں تک پہنچانے میں' میری بھرپور مدد کی----- اب بس میں یہاں سے جاؤں گا۔ اس رہائش گاہ پر نہیں جا سکتا جہاں پہلے رہتا تھا کیونکہ وہ مکان چمن کا دیا ہوا تھا لیکن میرے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے' میرے پاس اور بھی بہت سے انتظامات ہیں۔"

"مسٹر منصور! اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ آپ کو یہاں لانے کے بعد بھی ایک پورا پروگرام مجھے دیا گیا ہے تو کیا آپ اس سلسلے میں مجھ سے تعاون کریں گے" تغلق خان نے پوچھا۔

"نہیں تغلق خان' تم نے مجھے یہاں تک لانے کے سلسلے میں جو محنت کی ہے اگر تم اسے ایک دوستانہ عمل قرار دو تو میں تمہارا شکریہ ادا کر چکا ہوں اور اس کے عوض میں تم سے ہمیشہ ہمیشہ کی دوستی نبھانے کے لیے تیار ہوں۔ اگر تم کوئی معاوضہ طلب کرو تو میں تمہیں منہ مانگی رقم ادا کر سکتا ہوں----- تاہم تم کہہ چکے ہو کہ کسی نے تمہیں میری اعانت پر مامور کیا ہے' اور اس کے بارے میں تم نے ابھی تک مجھے کچھ نہیں بتایا۔ تغلق خان! میری فطرت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میں کسی کو اپنا سرپرست یا اپنا باس تسلیم کر لوں' چنانچہ میں تمہارے اس پروگرام پر عمل نہیں کر سکتا جو کسی نے تمہیں میرے بارے میں دیا ہے' مجھے امید ہے کہ تم میری اس بات کا برا نہیں مانو گے۔ اگر وہ شخصیت مجھ پر مہربان ہے اور میرے لیے کچھ کرنا چاہتی ہے تو آ کر مجھ سے ملاقات کرے اور اپنے مقاصد میرے سامنے بیان کرے اور اگر یہ مقاصد میرے راستے کے پتھر نہ ہوئے تو میں تعاون کے لیے تیار ہو سکتا ہوں لیکن ایک دوست اور ایک برابر کے انسان کی حیثیت سے کسی محکوم یا غلام کی حیثیت سے نہیں۔"

تغلق خان پر خیال انداز میں مجھے دیکھنے لگا' پھر بولا۔ "رات کو میں نے ٹیلی فون پر اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ موجود نہیں ہے یہ بھی نہیں پتہ چل سکا کہ وہ کب واپس آئے گا اگر تم برا نہ محسوس کرو تو میری ایک بات ضرور قبول کر لو۔"

"بتاؤ۔" میں نے تغلق خان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ عمارت رہنے کے قابل نہیں ہے ہم نے وقتی طور پر گزارہ کر لیا ہے۔ یہ ایک کارخانہ ہے یہاں جو کچھ ہوتا ہے' اس کی تفصیل تمہیں بعد میں پتہ چل جائے گی لیکن فی الوقت ہم اسے رہائش گاہ نہیں بنا سکتے۔ چنانچہ ایک اور رہائش گاہ پر تمہیں کچھ وقت میرے ساتھ گزارنا ہو گا البتہ یہ سب کچھ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ بس چوبیس گھنٹے مزید میرے ساتھ گزار لو۔ تم مجھے میرے احسان کا معاوضہ دینا ہی چاہتے ہو تو معاوضہ صرف یہی ہے کہ مجھے اپنی مصروفیت کے چوبیس گھنٹے دے دو۔ اس دوران گلاب اور دوسرے ساتھی واپس جا سکتے ہیں۔ مسٹر بہروز بھی اگر سیر و تفریح کرنا چاہیں تو ہر سہولت مہیا کر دی جائے گی لیکن تم ابھی باہر نہیں نکلو گے۔ منصور! تم ہمارے لیے بے حد قیمتی ہو اور ہم تمہارے بارے میں کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

"خطرے سے تمہاری کیا مراد ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"دیکھو منصور برا مت ماننا۔ ایک خطرناک شخصیت تمہاری دشمن ہے۔ نہ جانے کیا واقعات پیش آئیں۔ میں ایک باڈی گارڈ کی حیثیت سے تمہارے ساتھ رہ سکتا ہوں لیکن وہی تمام باتیں مانع آتی ہیں' کیا تم میرے لیے یہ چوبیس گھنٹے کا ایثار نہیں کر سکتے؟"

"میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔"

"تو پھر ہمیں چلنے کی تیاری کرنی چاہیے۔" تغلق خان نے کہا اور میں نے اس پر آمادگی ظاہر کر دی۔ ایک بار پھر میرا ذہن الجھ گیا تھا لیکن میں نے سر کو دو تین جھٹکے دے کر ذہن صاف کر لیا۔

تقریباً ساڑھے دس بجے ایک خوب صورت پک اپ میں بیٹھ کر ہم شہر چل پڑے' بہروز اور میں تغلق خان کے برابر بیٹھے ہوئے تھے جو ڈرائیو کر رہا تھا' گلاب اور اس کے دونوں ساتھی پچھلے حصے میں تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہم شہر میں داخل ہو گئے اور پھر جانی پہچانی سڑکوں اور گلیوں سے گزرتے ہوئے ہم ایک ایسے رہائشی علاقے میں پہنچ گئے جہاں عظیم الشان کوٹھیاں بنی ہوئی تھیں یہ متمول ترین لوگوں کا علاقہ تھا' سیٹھ جبار بھی اسی علاقے کی ایک کوٹھی میں رہتا تھا لیکن جس جگہ ہم پہنچے' وہ سیٹھ جبار کی کوٹھی سے بہت دور تھی۔ اس کے دروازے پر خوش نما درخت اگے ہوئے تھے اور دو باوردی پہرے دار بھی وہاں موجود تھے' ان کی وردیاں بھی ایسی ہی تھیں جیسی کہ میں نے فیکٹری کے دروازے پر کھڑے ہوئے پہرے داروں کے جسم پر دیکھی تھیں' پک اپ کو دیکھ کر انھوں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا' اور تغلق خان رکے بغیر پک اپ کو اندر لیتا چلا گیا۔

اس نے عظیم الشان کوٹھی کے پورچ میں پک اپ روک دی اور ہم سب نیچے اتر

آئے۔ تغلق خان ہمیں لے کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر ایک کشادہ ہال تھا جو انتہائی قیمتی قالین سے مرصع تھا اور حسین ترین فرنیچر اس میں سجا ہوا تھا۔ دیکھنے کے قابل جگہ تھی۔ گلاب اور اس کے دونوں ساتھی تو اس قالین پر چلتے ہوئے بھی کترا رہے تھے۔ لیکن تغلق خان نے انھیں بھی بیٹھنے کی پیش کش کی اور خود مجھ سے چند لمحوں کی اجازت لے کر اندر چلا گیا۔ واپس آ کر اس نے نوٹوں کی کچھ گڈیاں میری جانب بڑھا دیں اور کہنے لگا۔ "مسٹر منصور! گلاب اور اس کے ساتھیوں کو اس میں سے جو پسند کریں دے دیجئے تاکہ یہ لوگ اپنی نئی زندگی کا آغاز کر سکیں' جہاں جانا چاہیں چلے جائیں اس کے بعد ہم اور آپ بھی یہاں سے چل دیں گے۔"

"اوہ۔! تغلق خان ان نوٹوں پر میرا کوئی حق نہیں۔"

"تو پھر یہ رقم ان تینوں میں بانٹ دیجئے۔" اس نے ایک گڈی ان لوگوں کی طرف بڑھا دی۔

گلاب تشکرانہ نگاہوں سے تغلق خان کو دیکھنے لگا۔ "ہم زندگی بھر آپ کو دعائیں دیتے رہیں گے۔" گلاب نے کہا اور گڈی کو تین حصوں میں تقسیم کر لیا گیا اور اس کے بعد میں' تغلق خان اور بہروز ان لوگوں کو کوٹھی کے گیٹ تک چھوڑنے گئے۔ وہ بڑی گرم جوشی سے ہم سے بغل گیر ہوئے تو گلاب نے آہستہ سے مجھ سے کہا۔ "منصور بھائی کیا اس کے بعد پھر کبھی ملاقات نہیں ہو گی؟"

"کیوں نہیں گلاب! میں اپنے حالات بہتر بنا لوں۔ اس کے بعد تمہیں تلاش کر لوں گا۔"

گلاب آب دیدہ سا ہو گیا تھا' بہر طور وہ تینوں پیدل آگے بڑھ گئے ہم انہیں دور تک جاتے ہوئے دیکھتے رہے پھر تغلق خان میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر اندر کی طرف چل پڑا۔ "منصور صاحب! یہ آپ کی اپنی عنایت ہو گی کہ مجھے اپنے دوستوں میں جگہ دے دیں' لیکن اب میری حیثیت آپ کے ملازم کی ہے۔"

تغلق خان کی اس بات پر میں حیران ہو گیا۔ "مذاق کر رہے ہو تغلق خان؟"

"نہیں منصور صاحب۔ سچ عرض کر رہا ہوں' مجھے آپ کے لیے ملازم رکھا گیا ہے' جیسا کہ میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا کہ میں ترکی کی جیل میں تھا اور مجھے وہاں سے نکلنے میں ابھی کئی سال باقی تھے' حالات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے تھے' وہ لوگ میرے اتنے دشمن تھے کہ جیل توڑ کر بھاگنا میرے لیے ناممکن تھا' بڑی کڑی نگاہ رکھی جاتی تھی مجھ پر ---- اور میں اتنے طویل عرصے جیل میں کبھی نہیں رہا لیکن ایک شخص نے حیرت

انگیز طور پر میری مدد کی ہے اور مجھے وہاں سے رہا کرا دیا۔ یہ رہائی در اصل ایک معاہدے کے تحت ہوئی تھی۔ وہ شخصیت مجھے اپنے وطن بھیجنے کے بعد وہاں سے کہیں اور چل پڑی۔ مجھے یہاں آکر اس کا انتظار کرنا تھا اور میں انتظار کرتا رہا۔ بہرطور وہ شخصیت جب واپس آ گئی تو اس نے مجھے اپنے افکار و خیالات سے آگاہ کیا۔ اس نے ایک شخص کا نام لیا اور بتایا کہ وہ اس کے لیے کیا کرنا چاہتی ہے۔ میں اس سے متفق ہو گیا' اور پھر اس شخص کے بارے میں مجھے تفصیل بتائی گئی اور منصور اس وقت میں شدید حیران رہ گیا جب مجھے پتہ چلا کہ وہ شخص تم ہو جس کی وہ شخصیت اعانت کرنا چاہتی ہے۔ بہرطور اس کے بعد ہم تم سے ملنے کی جد و جہد کرتے رہے اور خاصے عرصے بعد معلوم ہوا کہ تمہیں مشرق وسطی بھیج دیا گیا ہے چنانچہ مجھے تمہاری تلاش میں روانہ کیا گیا اور شکر ہے کہ میں تمہیں پانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس سلسلے میں میرے بھائی غوزی خاں نے میری بھرپور اعانت کی ہے اور اب میں یہاں آ گیا ہوں۔"

"اوہ وہ شخصیت کہاں ہے؟"

"میں نے ابھی اس سے رابطہ نہیں قائم کیا۔"

"تو رابطہ قائم کرو تغلق خان اور اس سے کہو کہ میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے تھوڑی دیر کے لیے اجازت دے دو تو میں سارے کام کر کے واپس آتا ہوں۔"

"میں انتظار کروں گا۔"

"یہاں بہت سے ملازم ہیں اور سب کے سب آپ کو پرنس دلاور کے نام سے جانتے ہیں۔"

"پرنس دلاور؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔ "مگر یہ نام-----"

"آپ کی غیر موجودگی میں اس نام کو کافی پبلسٹی دی گئی ہے اس نام سے باقاعدہ کاروبار بھی ہو رہا ہے۔ مزید تفصیل آپ کو بعد میں معلوم ہو جائے گی۔"

"تم لوگوں نے ایک پراسرار کہانی ترتیب دے رکھی ہے تغلق خان! بہرحال کہانی کچھ بھی ہو۔ میں ہر طرح کے حالات سے نمٹنے کے لیے تیار ہوں۔"

"آپ مطمئن رہیں کوئی بات آپ کے خلاف نہیں ہو گی اور اگر کوئی بات آپ کی مرضی کے خلاف ہو تو آپ کو حق حاصل ہے کہ اسے تسلیم نہ کریں' میں بہت جلد اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گا اور براہ راست آپ کو اس شخصیت کے سامنے پیش کروں گا جو آپ کی پشت پناہ ہے۔"

"تم نے چوبیس گھنٹے کا وقت لیا ہے' تغلق خان میں پورے سکون سے انتظار کروں گا۔" میں نے کہا اور تغلق خان مجھ سے رخصت ہو کر چلا گیا۔

میرے ذہن میں طوفان مچل رہے تھے' کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی' رہ رہ کر دماغ بس ایک ہی سمت میں جاتا تھا لیکن پروفیسر شیرازی کی شخصیت ایسی تھی کہ اس کے بارے میں غلط نہیں سوچا جا سکتا تھا۔ نہ جانے وہ کس حال میں ہو گا؟ میرے لیے اس نے جو کچھ بھی کیا تھا' میرا رواں رواں اس کا احسان مند تھا۔ آنے والے وقت کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ نجانے اونٹ کس کروٹ بیٹھے۔ پرنس دلاور کا معاملہ بالکل نیا تھا' تغلق خان ایک سے ایک نئی چھوڑ رہا تھا' بہرطور وہ بھی ایک طرح سے میرا محسن تھا۔ سمندر سے غوزی خان کے چکر سے نکالنا اسی کا کام تھا ورنہ غوزی خان جیسے شخص' رحم کے جذبے سے آشنا نہیں ہوتے۔ وہ ایک بار پھر مجھے بادیان پہنچا دیتا اور پھر ہمیں نہ جانے کن مسائل میں گھر جانا پڑتا۔

بہروز عمارت کی سیر کے لیے چلا گیا تھا' میں اپنے مخصوص کمرے میں بیٹھا رہا' دفعتاً بہروز تیزی سے دوڑتا ہوا میرے کمرے میں آیا اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ "منصور! یہ کیا اسرار ہے' یہاں کے حالات تو بڑے عجیب ہیں۔"

"کیوں کیا بات ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اندرونی کمرے میں تمہاری ایک بہت بڑی تصویر لگی ہوئی ہے۔ تصویر اتنی خوبصورت ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ آئل پینٹنگ ہے' لیکن منصور یہ کہاں سے آئی؟"

میں نے گہری سانس لے کر گردن ہلا دی۔" میں خود بھی کچھ نہیں جانتا بہروز۔ یہ عمارت میرے لئے بالکل اجنبی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کچھ لوگ مجھے حیران کرنا چاہتے ہوں لیکن میں فکر مند نہیں ہوں-----"

"فکر مند ہونے کی ضرورت بھی نہیں ہے' جو ہو گا دیکھا جائے گا' ہمارا نقصان ہی کیا ہے؟ ہم کون سے کسی کے پابند ہیں۔ تغلق خان نے بلاشبہ ہماری جان بچائی ہے اور ہم یہاں تک پہنچ گئے ہیں لیکن اب اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ساری زندگی اس کی احسان مندی میں گزار دیں' دیکھتے ہیں اگر کوئی کام کی بات ہوتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ یہ تمہارا شہر ہے جس طرح چاہو زندگی بسر کرنا۔"

بہروز کے ان الفاظ پر میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ "ایک بات بتاؤ بہروز' اگر حالات ہمارے موافق نہ ہوئے اور تمہیں بھی میرے ساتھ پریشانی کا وقت گزارنا پڑا تو کیا کرو

گے؟"

" تمھارا کیا خیال ہے؟ منصور اس بات کا جواب بھی تم ہی دے سکتے ہو۔" وہ عجیب لہجے میں بولا۔ "نہیں بھئی میں نے تم سے سوال کیا ہے' جواب تمھیں دینا ہو گا۔"

"میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے میں بالکل تنہا ہوں اگر تنہائی ہو اور کوئی ساتھی نہ ہو تو انسان مرجاتا ہے اگر تم مجھے اپنے ساتھ ہی زندگی گزارنے کا موقع دے دو تو میں تمھارا بے حد شکر گزار ہوں گا' یقین کرو میری دوسری حیثیت بھی تمھاری ذات پر کبھی بوجھ نہیں بنے گی۔ لیکن اتنا سمجھ لو کہ میں تمھارے وجود کا حصہ ہوں۔ جہاں چاہو مجھے پہنچا دینا' میں یہ نہ پوچھوں گا کہ یہاں مجھے کیوں بھیجا گیا ہے جو کام میرے سپرد کرو گے یا جس جگہ بھی لگا دو گے' وہاں سے گردن نہیں ہٹاؤں گا باقی رہی میری دوسری شخصیت تو منصور! میں جو ہوں مجھے وہی رہنے دو۔ میرے خیال میں لڑکی بن کر میری زندگی زیادہ مشکلات کا شکار ہو سکتی ہے' لڑکا بن کر کم از کم میں محفوظ رہوں گا---- اور میں تم سے علیحدگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور نہ تم سے علیحدہ ہونا چاہتا ہوں۔"

میں نے اس کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ "بہروز مجھے شروع ہی سے تمھاری شخصیت پسند آئی تھی۔ یقین کرو کہ تم اگر مرد ہوتے تو مجھے اور زیادہ خوشی ہوتی' ہرچند کہ تم اپنا بوجھ اٹھانے کے قابل ہو لیکن اس کے باوجود یہ احساس بھی میرے دل میں رہے گا کہ تم بہروز نہیں بلکہ سعدیہ ہو۔ جہاں تک میری اور تمھاری رفاقت کا معاملہ ہے تو آؤ بہروز وعدہ کرتے ہیں کہ زندگی کے آخری لمحوں تک ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ دوستوں کی حیثیت سے ہم اپنی ذہنی وارداتیں کبھی ایک دوسرے سے پوشیدہ نہیں رکھیں گے۔"

"وعدہ۔" بہروز نے گرم جوشی سے میرا ہاتھ تھام لیا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹوں کے پھول کھل اٹھے---- پھر میں بہروز کے ساتھ اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں وہ میری تصویر دیکھ کر آیا تھا۔ حسین ترین کمرے میں ایک دیوار پر اس تصویر کو بنوانے میں خاصی رقم خرچ کی گئی ہو گی لیکن یہ سب کچھ' کیوں ہے اور کیا ہے؟ یہ سب کچھ اور میرے کرم فرماؤں میں سے کون میرے ساتھ یہ احسان عظیم کر رہا ہے؟ کچھ سمجھ میں نہ آسکا۔ اس کے بعد کوٹھی کے دوسرے حصے دیکھے۔ ایک ملازم کو بلایا تو وہ دونوں ہاتھ جوڑے' آنکھیں جھکائے میرے نزدیک آگیا اور گردن جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ "تم کب سے یہاں ملازم ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"حضور والا' تقریباً" تین ماہ سے۔"

"اس سے قبل کہاں کام کرتے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"حضور والا' نواب یوسف علی خاں صاحب کے پاس' دوسرے شہر میں تھا۔ وہاں سے ملازمت چھوڑ دی تو مجھے یہاں بلا لیا گیا۔"

"کس نے بلایا تھا؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا' حضور والا' بس دفتری ملازمت سے مجھے یہاں بھیجا گیا تھا اور پھر یہاں کے منتظم نے مجھے میرے معمولات سے آگاہ کر دیا' خادم کا نام فدا حسین ہے جو بھی خدمت ہو حضور والا حکم فرمائیں۔" ملازم کا لہجہ بے حد شستہ تھا۔

میں سمجھ گیا کہ وہ محض ایک ملازم ہی ہے' چنانچہ میں نے اسے کافی بنانے کی ہدایت کی اور اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ملازم انتہائی قیمتی برتنوں میں کافی لے آیا۔ اس نے کافی سرو کر دی۔ رات کے تقریباً" پونے نو بجے تھے کہ تغلق خان واپس آ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ بہروز اس وقت بھی میرے سامنے آرام کرسی پر دراز تھا۔ تغلق خان کو دیکھ کر میں نے گہری سانس لی اور وہ مسکرا دیا۔ "منصور صاحب انتظار کا وقت ختم ہو گیا۔ میں نے وہ سب کچھ کر ڈالا جس کے لیے میں نے آپ سے چوبیس گھنٹے طلب کیے تھے۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے کہ ----؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں۔ وہ حضرات تشریف لے آئے ہیں جو آپ کے دوست ہیں۔"

"کہاں ہیں؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"ڈرائنگ روم میں تشریف فرما ہیں اور شرف ملاقات چاہتے ہیں۔"

میں اٹھا اور تقریباً" دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم تک پہنچا۔ میں نے بہروز کو پیچھے آنے کا اشارہ کر دیا تھا۔ ڈرائنگ روم میں جو شکلیں موجود تھیں' وہ میرے لیے تعجب کا باعث نہیں تھیں۔ بارہا ان کے بارے میں سوچ چکا تھا اور جب بھی ذہن دوڑاتا ان ہی لوگوں کی صورتیں نگاہوں میں آتیں گویا یہی تھے جنھوں نے آج بھی مجھ پر احسان عظیم کیا تھا۔ سب سے آگے پروفیسر شیرازی کھڑے تھے۔ ان کے بائیں طرف سرخاب اور دائیں جانب گل اور چند دوسرے افراد بھی تھے جو مودبانہ انداز میں پیچھے کھڑے تھے۔ پروفیسر شیرازی کی شخصیت میں' میں نے انوکھی تبدیلی دیکھی۔ اس سے قبل جب بھی میں نے اس شخص کو دیکھا اس کے چہرے پر ایک عجیب سی ذہانت آمیز چمک رہتی تھی اور چہرے پر ایک مدبرانہ مسکراہٹ---- لیکن آج اس کے رنگ ڈھنگ ہی بدلے ہوئے تھے' خوبصورت تراش کے سوٹ میں ملبوس' آنکھوں میں ایک شوخ سی چمک' ہونٹوں پر ایک کامران مسکراہٹ'

صحت بھی پہلے سے کچھ بہتر نظر آ رہی تھی اور وہ بڑے اعتماد سے کھڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں محبت امڈ آئی' اس نے بے اختیار دونوں ہاتھ پھیلا دیے اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "تاب انتظار نہیں' سینے سے لگ جاؤ۔"

میں اپنی جگہ کھڑا رہا اور وہ چند قدم آگے بڑھ آیا۔ "کیا دل میں کوئی الجھن پرورش پا رہی ہے منصور؟"

"نہیں پروفیسر----- بلکہ کچھ سوچ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا؟" پروفیسر سوالیہ انداز میں بولا۔

"پروفیسر کیا میں اس قابل بھی ہوں یا نہیں؟"

"یہ تو اس سے قبل بھی بارہا سوچ چکے ہو اور یہی فیصلہ ہوا کہ تم جو کچھ بھی ہو' پروفیسر شیرازی کی زندگی کا مقصد بن چکے ہو کیا تمہیں میرے خلوص پر یقین نہیں آیا۔" پروفیسر کی آواز میں ایک تمکنت پیدا ہو گئی۔

"آپ کے خلوص پر تو بھرپور یقین ہے لیکن اپنی ذات میں مجھے ہمیشہ کھوٹ نظر آیا ہے' پروفیسر! میں نے خود کو کبھی اس قابل نہیں سمجھا کہ کسی شریف آدمی کا اعتماد حاصل کر سکوں۔ میں وہ نہیں ہوں جو آپ سمجھتے رہے ہیں۔ یہ میرے ضمیر کی آواز ہے کہ میں آپ جیسے شریف لوگوں کے قابل نہیں ہوں چنانچہ بہتر یہ ہے کہ میں پیچھے ہٹ جاؤں۔"

"نہیں' تمہارا تجربہ ابھی محدود ہے۔ پروفیسر نے کتابوں کی دنیا دیکھی ہے' حوادث کی دنیا دیکھی ہے' اگر میرے ان تجربات کی کوئی حیثیت ہے تو تم میرے اس تجربے کو چیلنج نہیں کر سکتے کہ میں انسان کو پرکھنے کا ماہر ہوں۔ میں نے تم میں جو دیکھا اس کی عظمت اپنے سینے میں محسوس کی اور میں تم سے محبت کرنے لگا۔ اگر تم میرے اس تجربے کو شکست دینا چاہتے ہو تو جاؤ پروفیسر کو مت تسلیم کرو۔ میں تمہیں روکوں گا نہیں۔ آج فیصلے کا دن ہے منصور!" پروفیسر کے' لہجے میں خوفناک غراہٹ پیدا ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو چکا تھا۔ مجھ پر ہیبت سی طاری ہو گئی اور میری گردن جھک گئی۔

"جواب کیوں نہیں دیتا۔ جواب کیوں نہیں دیتا؟" پروفیسر آگے بڑھا اور اس نے میرا گریبان پکڑ لیا----- پھر اس نے ایک جھٹکے سے کھینچ کر مجھے سینے سے لگا لیا' اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تو مجھ سے محبت کرتا ہے اور میرے تجربات کو شکست نہیں دے سکتا۔"

پروفیسر کافی دیر تک مجھے بھینچے رہا پھر میں نے آہستہ سے کہا۔ "میں شرمندہ ہوں

پروفیسر۔"

"نہیں' تمہیں شرمندہ نہیں ہونا چاہیے بس یوں کہو کہ ضد کر رہے تھے' مجھ سے----- اور آج یہ ضد ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی ہے۔ منصور! میں نے اپنی زندگی میں انقلاب برپا کیا ہے' تمہارے لیے ایک قتل کیا ہے----- پروفیسر شیرازی کا قتل----- میں نے اس کے تمام افکار اور خیالات کو بھی قتل کر دیا یہ سوچ کر کہ وہ آج تک غلط انداز میں سوچتا رہا ہے اور جھوٹا ہے۔ اس نے اپنے گرد جو خول تیار کیا ہے' وہ ایک فریب ہے کیونکہ باہر کی دنیا بہت مختلف ہے۔ خول کے اندر کے ماحول نے اسے کچھ تحفظ دے دیا ہے لیکن اس تحفظ نے اس کی آنکھوں کی بینائی چھین لی ہے۔ میں اسے قتل کر کے ایک زندگی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا وہ نئی زندگی میں نے منصور کے نام لکھ دی۔ ہاں منصور میں نے نیا پروفیسر تمہارے لیے جنم دیا ہے۔"

میں بھول کر بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ پروفیسر شیرازی اتنا جذباتی ہو سکتا ہے۔ آج تو اس نے انتہا کر دی تھی۔ بہرطور میں شروع ہی سے اس بات کا قائل تھا کہ ان لوگوں نے میرے لیے اپنی زندگی تج دی ہے لیکن پروفیسر میرے معاملے میں اتنا جذباتی ہو گا۔ اس بارے میں تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ آج دل کی ہر خلش مٹ گئی تھی۔ میں نے ایک بار پھر آگے بڑھ کر پروفیسر کو گلے لگا لیا اور کہا۔ "پروفیسر! منصور کا رواں رواں آپ کا غلام ہے۔ منصور اس محبت کو اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس کرتا ہے جو آپ کی زبان سے آپ کے بدن سے اور آنکھوں سے پھوٹ رہی ہے۔"

"بے شک میرے سینے میں تمہارے لیے اتنی ہی محبت ہے منصور لیکن میں بھی ایک خود غرض انسان ہوں ایک انتہائی خود غرض-----کیونکہ انسان ہوں اور فلسفہ انسانیت یہی ہے کہ بچہ بھی پیدا ہونے کے بعد ماں سے کچھ مانگتا ہے وہ طلب گار رہتا ہے اس کی توجہ' اس کی محبت اور اس کے التفات کا----- اور یہی اس کا لالچ ہے۔ میرے دل میں بھی ایک لالچ ہے منصور! میں تم سے اپنی محبتوں کے صلے میں کچھ چاہتا ہوں۔"

"بے شک میں دوں گا پروفیسر!" میں نے ٹھوس' لہجے میں کہا۔

"تو سنو تم اس بات پر قطعی اعتراض نہیں کرو گے کہ میں تمہارے لیے کیا کچھ کر چکا ہوں۔ تم مجھ سے تعاون کرو گے۔ میں تم سے کہوں گا کہ اس شخص کو قتل کر دو تو تم اسے قتل کر دو گے۔ میں تم سے کہوں گا کہ فلاں شخص کی زندگی بخش دو تو تمہیں اس کی زندگی بخشنا ہو گی بولو منصور جواب دو۔"

"ٹھیک ہے پروفیسر' لیکن اگر ان لوگوں میں سیٹھ جبار بھی ہوا تو-----؟" میں نے

سوال کیا۔

"نہیں سیٹھ جبار کبھی نہیں ہو گا' یہ میرا وعدہ ہے۔" پروفیسر نے کہا۔

"تو پھر میں وعدہ کرتا ہوں وہ سب کچھ کروں گا' جو آپ کہیں گے۔"

"تو سنو آج سے تمہارا نام منصور نہیں بلکہ پرنس دلاور ہے۔" پروفیسر شیرازی نے کہا۔

میں حیرت زدہ رہ گیا------ پھر میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ٹھیک ہے میں آج سے پرنس دلاور ہوں۔"

اسی وقت سرخاب آگے بڑھ آئی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک آٹوگراف بک تھی اس نے بڑے پیار سے مسکراتے ہوئے کہا "آٹوگراف پرنس۔"

میں جھینپی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ "دیکھا پروفیسر' میرا مذاق بھی اڑنا شروع ہو گیا۔"

"نہیں پرنس۔ براہ کرم مجھے اپنے مداحوں میں شمار کیجئے۔ آٹوگراف پلیز۔" سرخاب انتہائی سنجیدگی سے بولی۔

میں نے سر کھجاتے ہوئے اس کے ہاتھوں سے آٹوگراف بک اور پینسل لے لی پھر اس پر پرنس دلاور لکھ دیا تو وہ بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی۔ سرخاب کافی دیر تک جذباتی انداز میں لپٹی رہی' اس کے بعد گل کی باری آئی وہ حزینہ سی مسکراہٹ سے مجھے دیکھ رہی تھی میں نے آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملایا اور پوچھا۔ "کیسی ہیں گل"

"ٹھیک ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"جو لوگ عقب میں کھڑے ہیں' میں ان سے واقف نہیں ہوں۔"

"سب کے سب ہمارے رازدار بلکہ وہ لوگ ہیں' جو مستقبل میں ہمارا ساتھ دیں گے اور یہ راز صرف انھی تک محدود رہے گا۔ آؤ میں تمہارا ان لوگوں سے تعارف کرا دوں۔" شیرازی نے کہا اور پھر ان تمام لوگوں سے مجھے متعارف کرانے لگا۔ اس کے بعد پروفیسر شیرازی نے مسکرا کر بہروز کی طرف دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔" ہم اپنے بہروز سے بھی خوب واقف ہیں لہٰذا ان کے تعارف کی ضرورت نہیں پیش آئی ان کے بارے میں تغلق خان نے ہمیں تفصیل بتادی ہے۔"

"ہیلو۔" سرخاب نے بہروز سے کہا تو اس نے مسکرا کر گردن خم کر دی۔

"بیٹھو بھئی۔ اب ذرا چائے کا دور چلے گا۔" پروفیسر نے کہا اور ہم سب صوفوں پر بیٹھ گئے۔ بڑا عجیب سا ماحول ہو گیا تھا۔ وہ چاروں افراد جن کا تعارف مجھ سے ہو چکا تھا' مودبانہ

از میں بیٹھے ہوئے تھے۔

چائے کا دور چلا۔ سرخاب بڑھ بڑھ کر سب کی خاطر مدارات کر رہی تھی' اور آہستہ ـہ اس کے چہرے پر سرخی نمودار ہوتی جا رہی تھی' جیسے مجھے دوبارہ پاکر بے حد خوش ہو۔ بار اس کی شریر نگاہیں میری جانب اٹھ جاتی تھیں اور وہ بے ساختہ ہنس پڑتی تھی۔ میں کئی بار اس کے ساتھ بلاوجہ ہی ہنسا تھا' نہ جانے کیا سوچ رہی تھی' شریر لڑکی۔ بہت ں بعد دوبارہ زندگی کا احساس ہوا تھا۔ بہروز بھی خوش نظر آتا تھا۔ میرے دوستوں سے کر وہ بے حد مطمئن تھا بے اختیار دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اس خوشی کی کوئی انتہا نہ اس رات کی کوئی سحر نہ ہو بس ان لوگوں کے درمیان مطمئن اور مسرور بیٹھا رہوں۔

چائے کا دور ختم ہو گیا تب ان چاروں افراد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں اجازت ملے محترم؟" وہ پروفیسر شیرازی کی طرف متوجہ تھے۔

"بھائی اب مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہے ہو تم۔ پرنس ہی سے اجازت لے سکتے ہو یونکہ اس وقت پرنس دلاور کی رہائش گاہ میں ہو۔"

"اوہ۔ سوری پرنس' ہمیں اجازت۔ ویسے آپ جب بھی ہمیں طلب فرمائیں گے' ہم ضر ہو جائیں گے۔ ہمارا پتہ پروفیسر صاحب سے مل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے آپ لوگ تشریف لے جایئے ابھی تو مجھے پروفیسر سے یہ بھی معلوم کرنا ہے ۔ میں پرنس کیسے اور کیوں کر بنا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

وہ چاروں بھی مسکرانے لگے پھر وہ مجھے سلام کر کے چلے گئے۔ ان کے انداز میں تہائی ادب تھا۔ یوں لگتا تھا' جیسے پروفیسر نے انھیں بہت کچھ سمجھا دیا ہو۔ تغلق خان بھی ہر چلا گیا۔ اب کمرے میں گل' سرخاب' پروفیسر اور بہروز رہ گئے تھے' ہم سب بیٹھ گئے۔ ب پروفیسر نے میری طرف رخ کر کے کہا۔ "برا نہ ماننا منصور! کیا بہروز ہماری گفتگو میں نریک ہوں گے؟"

"جی ہاں۔ یہ میرے رازدار ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے میرا کوئی معاملہ ان سے چھپا وا نہیں ہو گا۔"

"ہم ان کی اس حیثیت کو خلوص دل سے قبول کرتے ہیں..." پروفیسر نے گردن خم کر کے کہا۔

"پروفیسر میں آپ کا شکر گزار ہوں لیکن یہ سب کچھ جو میرے سامنے آیا ہے' اس ندر حیرت ناک ہے کہ مجھے خود پر قابو پانا مشکل ہو رہا ہے کیا میری اس پریشانی کو دور کیا جائے گا؟"

"یقیناً" کیا جائے گا لیکن اس کے لیے ہم تمھاری کہانی سنیں گے اس کے بعد ان تمام معاملات کی تفصیل تمہیں بتائی جائے گی۔"

"گویا مجھے کافی دیر تک یہ تجسّس برداشت کرنا پڑے گا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"تھوڑی دیر کے لیے تم ان خیالات کو ذہن سے نکال دو اور اپنی کہانی وہاں سے شروع کرو جب تم اچانک ہی شہر سے غائب ہو گئے تھے۔"

"پروفیسر جب میں آپ کے زیر سایہ تھا اور آپ میرے لیے کوشش کر رہے تھے' ان دنوں ہماری ملاقاتیں بہت کم رہیں------ پھر آپ بغیر کسی اطلاع کے کہیں چلے گئے۔ میں سرخاب سے ملتا رہا لیکن مجھے آپ کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میری ذہنی رو لحہ لحہ بھٹک جاتی تھی۔ ممکن ہے ایاز کے بارے میں سرخاب آپ کو تفصیل بتا چکی ہوں میں نے بھی آپ سے اس کا تذکرہ کیا تھا ایک سچے اور مخلص دوست کی حیثیت سے ایاز اس وقت بھی اور آج بھی میرے لیے محترم ہے اس کے ذریعے میں چمن تک پہنچا تھا اور چمن نے میری بھرپور اعانت کی۔ گل! میں آپ کا ذکر یہاں نہیں کروں گا کیونکہ آپ کی شخصیت سے پروفیسر واقف ہیں۔ آپ چمن کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں' بہر طور عظمت نامی نوجوان کی کہانی بھی گل نے آپ کو سنا دی ہو گی۔ میں ان سارے ہنگاموں میں الجھا ہوا تھا کہ چمن نے مجھ سے ایک خدمت لینا چاہی۔ وہ مجھے کسی جگہ بھیجنا چاہتا تھا اس کے احسانات اس قدر بے پناہ تھے کہ میں انکار نہ کر سکا اور مجھے ایک لانچ دے کر روانہ کر دیا گیا۔ مختصراً" یہ کہ حادثات کا شکار ہوتا ہوا ایک جزیرے پر جا پہنچا جہاں مجھے ایک قیدی کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا پڑی بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ جزیرہ سیٹھ جبار کا ہے اور چمن بھی اسی کا آدمی ہے وہ انتہائی چالاکی سے میرا ہمدرد بن کر مجھ پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ شاید اس نے سیٹھ جبار سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ وہ مجھے درست کر دے گا لیکن میں جزیرے پر قید نہ رہ سکا اور وہاں سے نکل گیا پھر وہاں سے میں ایک اور جزیرہ جو بادیان کے نام سے پکارا جاتا ہے' پہنچ گیا۔ بادیان مجرموں کا جزیرہ ہے اور دنیا کا ہر جرم اس جزیرے پر ہوتا ہے' وہاں لاکھوں بے بس انسان' غلاموں کی حیثیت سے فروخت ہوتے ہیں۔ بہر طور میں اس جزیرے سے بھی نکل آیا۔ بہروز میرا وہیں کا ساتھی ہے اور پھر راستے میں تغلق خان ملا۔ اس نے یہ کہانی سنائی کہ وہ میری تلاش میں سرگرداں تھا اور اس کی مدد سے میں یہاں تک پہنچ گیا یہ ہے میری کہانی' پروفیسر!"

میرے خاموش ہونے کے باوجود وہاں کافی دیر تک خاموشی رہی وہ لوگ اس مختصر سی کہانی سے شاید پورے واقعات کا اندازہ لگا رہے تھے۔ پھر پروفیسر نے لب کشائی کی۔ "کچھ

نہیں کہوں گا منصور' اس سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ لیکن اب یہ کہانی ایک نیا موڑ اختیار کر رہی ہے۔ تم منصور سے پرنس دلاور بن گئے اور مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے یہ نام قبول کر لیا۔ میں تمہیں کچھ دینا چاہتا تھا' منصور میری خواہش تھی کہ تم ایک سچے اور اچھے انسان بن جاؤ جب تمھارے حالات میرے علم میں آئے تھے تو میرا دل' درد اور اذیت سے تڑپ اٹھا تھا۔ میں تمھارے اندر کی آگ کو سمجھ گیا تھا----- لیکن میری بے بسی انتہا کو پہنچ گئی تو میں نے اپنے افکار میں کچھ تبدیلی پیدا کی کیونکہ میں نے سوچا کہ میں ایک چھوٹا سا مسئلہ حل نہیں کر سکا۔ اس کی بنیادی وجہ کیا ہے' منصور! برائی کی جڑیں اتنی گہرائیوں میں تھیں کہ انھیں چند لمحات میں کھود پھینکنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ ایک شخص کو قتل کر دینے سے یا اسے راستے سے ہٹا دینے سے برائی ختم نہیں ہو جاتی----- چنانچہ منصور میں نے ایک راستہ اختیار کیا میں نے اپنے ذہن کی وہ پلیٹ بدل دی جو شروع ہی سے مجھ پر حکمران رہی تھی۔ میں نے اس کا رخ بدلا اور نئے انداز میں سوچا تب مجھے کچھ باتیں یاد آئیں اور میں مصروف ہو گیا میں نے مختلف ممالک کا دورہ کیا۔ میں ترکی گیا وہاں سے میں نے تغلق خان کو اپنے خصوصی تعلقات کی بنا پر رہا کرایا اور اسے کچھ ہدایات دے کر یہاں روانہ کر دیا اور خود دوسرے معاملات میں مصروف رہا جس کی تفصیل تمہیں بتا دی جائے گی۔ یہ سارے کام کر کے میں اپنے وطن واپس آیا تو پتہ چلا کہ تم موجود نہیں ہو۔ میں نے تمھارے بارے میں چھان بین کی لیکن زیادہ معلومات حاصل نہ کر سکا تاہم چمن تھوڑا سا میری نگاہوں میں آ چکا تھا۔ میرے مخصوص ذرائع نے بتا دیا' جس مین تمھارا ایک آدمی عظمت بھی شامل ہے' کہ تمہیں کس طرح روانہ کیا گیا ہے اور مجھے خوف ہوا کہ تم کسی سازش کے شکار ہو گئے ہو۔ چنانچہ میں نے تغلق خان کو بھیجا جس کے نتیجے میں تم ایک بار پھر مجھے مل گئے۔"

پروفیسر شیرازی چند لمحات کے لیے رکا تو میں نے بے صبری سے سوال کیا۔ "لیکن پرنس دلاور کا معاملہ رہ گیا پروفیسر!"

"اسی موضوع پر آ رہا ہوں' میرے عزیز! میں نے جو پلاننگ کی تھی وہ کچھ یوں ہے' جبار دولت مند ہے نا؟ اس نے اپنی دولت کے بل پر ہی اپنا شیطانی جال بچھا رکھا ہے اگر وہ دولت مند نہ ہوتا تو ماحول پر اس کا تسلط نہ ہوتا۔ دولت کی میرے پاس بھی کمی نہیں ہے۔ مختلف ممالک میں میرا سرمایہ لگا ہوا ہے لیکن میں جس پیمانے پر کام کرنا چاہتا تھا اس کے لیے مجھے بہت زیادہ دولت درکار تھی۔ میں اس سلسلے میں مسز جہانگیر یعنی گل کا شکریہ ادا کیے بغیر نہیں رہوں گا جنھوں نے بڑے خلوص سے اپنا سب کچھ اس کار خیر میں صرف کر

دیا۔"

"میں نہیں سمجھا۔" میں نے بے اختیار کہا۔

"ہاں جہانگیر لمیٹڈ ختم ہو چکی ہے اور کروڑوں روپے کی دولت گل نے میرے حوالے کر دی ہے کہ اسے میں اپنے مشن کی تکمیل میں صرف کر دوں' گل اب ہمارے ساتھ رہتی ہیں اور خدا کا احسان ہے کہ ہم پرمسرت زندگی بسر کر رہے ہیں۔"

"لیکن۔ لیکن-----" میں نے شدید حیرت کے عالم میں کہا۔

"ہاں۔ ہاں کہو۔"

"لیکن وہ سلسلہ کیا ہے جس کے لیے اتنی بڑی دولت حاصل کی گئی ہے؟"

"سیٹھ جبار کے مقابلے میں آنے کے لیے ہمیں دولت درکار تھی میں نے غیر ممالک سے اپنا تمام سرمایہ سمیٹ لیا اور یہاں اپنے ملک میں اسے خرچ کرنا شروع کر دیا۔ میں نے ایک پرنس دلاور پیدا کیا جس کے نام سے بہت کچھ ہوا لیکن جو خود ابھی تک تاریکی میں ہے' اعلیٰ حکام سرکاری تقاریب میں' اور بڑے بڑے سرمایہ دار گھریلو تقاریب میں پرنس دلاور کے نام سے دعوت نامے جاری کرتے ہیں لیکن پرنس کسی سے نہیں ملتا۔ وہ اپنی فیکٹریوں' اپنے کارخانوں' اپنی ملوں میں بھی نہیں جاتا اس نے بہت کچھ کرایا ہے جو تم یہاں اپنی آنکھوں سے دیکھو گے لیکن ابھی تک کوئی اس کا صورت آشنا نہیں ہے۔ پرنس دلاور ایک پراسرار نام ہے لیکن وہ جو کچھ کر چکا ہے اس نے اسے بہت بڑی حیثیت دے دی ہے' سرکاری حکام اس کے ایک ٹیلی فون پر سب کچھ کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں اور سیٹھ جبار بے چین ہے۔ وہ خود بھی پرنس دلاور کی تلاش میں ہے اور اکثر اس کے لیے مختلف جگہوں پر رابطے قائم کرتا رہتا ہے لیکن وہ ابھی تک پرنس دلاور کی تصویر تک نہیں دیکھ سکا۔ ملک کے بڑے بڑے سرمایہ دار اپنی میٹنگوں میں زیادہ تر وقت پرنس دلاور کی باتیں کرتے ہوئے گزارتے ہیں۔ پرنس دلاور نے ابھی کاروباری حصے کو ٹچ نہیں کیا بس وہ سماجی کام کر رہا ہے اور اس کی ملیں اور کارخانے پروڈکشن دے رہے ہیں لیکن مجھے تمہارا انتظار تھا منصور! تاکہ تمہارے آ جانے کے بعد پرنس دلاور کو منظر عام پر لا سکوں۔ سمجھ گئے منصور؟ سیٹھ جبار کے لیے اس سے بڑا تازیانہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہمارے ذہن میں ایک بہت بڑا پروگرام ہے۔ ہم نے اپنا سرمایہ نیک مقاصد کے لیے وقف کر دیا ہے یہ تمام دولت اور تمہارا تمام کاروبار' سیٹھ جبار کی سازشوں کو ناکام بنائے گا اس کی چور بازاری اور اسمگلنگ ختم کر دے گا اس کے لیے میں نے' گل نے اور ہم سب نے مل کر ایک بہت بڑا منصوبہ تیار کیا ہے' ایک پورا سیکشن ہے منصور جو اس منصوبے پر کام کر رہا ہے۔ اس میں

اعلا ترین ماہرین ہیں جو تمام کاروباری امور سے مکمل واقفیت رکھتے ہیں۔ سیٹھ جبار کو شکست دینے کے لیے' اس سے اپنی تکالیف کا انتقام لینے کے لیے اس سے بہتر ہتھیار اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ اسے کوڑی کوڑی کا محتاج بنا دیا جائے' اور اسے گندی نالیوں تک پہنچا دیا جائے' میں نے یہ جرم کر ڈالا ہے کیونکہ نیکی کے راستے' میرے معاون نہیں بن سکے۔"

پروفیسر شیرازی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور میں سکتے کے سے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔ کیا انسان تھا؟ یہ کیسے لوگ تھے؟ وہ تمام بھرم جو چمن نے توڑ دیا تھا' ایک بار پھر قائم ہو گیا تھا۔ لوگ کسی کے لیے یوں بھی جان دے دیتے ہیں۔ لوگ کسی کے لیے اس طرح بھی تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اور کیا مل سکتا تھا مجھ سے پروفیسر شیزاری کو؟ میں کون تھا؟ ایک گندی سی بستی اور گندے سے محلے کا رہنے والا' معمولی سا نوجوان میرے جیسے کروڑوں نوجوان نہ جانے کیسی کیسی اذیتوں کا شکار ہو کر بے بس ہو چکے ہوں گے' دم توڑ چکے ہوں گے۔ ان کے اندر کوئی انا زندہ نہ ہو گی ان کی اپنی زندگی ایک زخم ہو گی لیکن تقدیر نے مجھے کیا کچھ دے دیا ہے۔ کتنے ہمدرد دیئے ہیں مجھے اور ان سب کو نہ پا کر مجھے کیسے کیسے احساسات سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ میں رونا چاہتا تھا لیکن میری آنکھوں سے آنسو خشک ہو گئے تھے بس شدت جذبات سے میرے پورے بدن میں کپکپاہٹ سی طاری تھی۔

پروفیسر شیرازی میرے اس انتشار کو دیکھ رہا تھا تھوڑی دیر بعد اس نے میرے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اسے اپنے لیے ایثار نہ سمجھو منصور یہ سب کچھ ہم نے اپنی زندگی کے لیے کیا ہے۔ جن کی موت ہماری اپنی موت ہوتی۔ کوئی منصور کو راستے کا پتھر کیوں بنا دے ہم زندہ ہیں ہم اسے زندہ رکھیں گے' ہم اسے انسان سمجھنے پر مجبور کریں گے۔ یہی ہمارا نصب العین ہے کیونکہ منصور بھی انسان ہے۔ تم ہماری امیدوں کا مینار ہو' اگر یہ روشنی بجھ گئی تو ہم قلاش ہو جائیں گے۔ دولت کا کیا ہے آنی جانی چیز ہے انسان کو بس اپنی ضروریات ہی تو پوری کرنی ہوتی ہیں۔ دولت اس کا کہاں تک ساتھ دیتی ہے۔ موت کے بعد تو دولت ایک بیکار چیز ہے تو ہم اس بے کار چیز کو اپنی تجوریوں میں بھر کر کیوں ضائع کرتے؟ ہم نے اس کا ایک صحیح مصرف دریافت کر لیا ہے تمہیں اس کا ٹائیٹل بنا دیا ہے۔ منصور تم ذہنی انتشار ختم کر دو اور ہمارے ساتھ مکمل تعاون پر آمادہ ہو جاؤ۔"

میں خاموشی سے پروفیسر کو دیکھ رہا تھا۔ یہ عظیم انسان میرے سامنے پہاڑ بن چکا تھا اور اس پہاڑ کے سامنے میں ایک حقیر ذرہ تھا۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ گل بھی بالکل میرے نزدیک ہی بیٹھی تھی۔ دوسری طرف سرخاب تھی' بہروز میرے سامنے تھا اور ان تمام باتوں کو سن کر وہ ششدر رہ گیا تھا کیونکہ اسے میری پوری کہانی معلوم تھی تب گل

میری جانب جھکی اور بولی۔ ''منصور خاموش کیوں ہو؟''

''میں کیا کہوں گل؟''

''بس یہ سب کچھ تسلیم کر لو۔ اس بات کو اپنی ذات پر احسان کیوں سمجھتے ہو؟ منصور اس احسان کا میں تمہیں کیا صلہ دوں جو تم نے مجھ پر کیا تھا۔''

''نہیں، گل نہیں، میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''تو پھر تم پر بھی ہم نے کوئی احسان نہیں کیا منصور! یہ تو ایک منصوبہ ہے اور تم اس میں ایک معاون کی حیثیت رکھتے ہو۔''

''ہاں منصور بھیا! آپ ان باتوں پر اتنا نہ الجھیں میں تو بڑی سنسنی محسوس کرتی رہی ہوں۔ یقین کریں ایک ایک لمحہ میں نے آپ کے انتظار میں کاٹا ہے۔ بڑا شدید انتظار کیا ہے میں نے۔ سوچتی تھی کہ جب آپ آجائیں گے تو کہانی میں کچھ اور سنسنی پیدا ہو جائے گی۔ جب پہلی بار پرنس دلاور کو کہیں دیکھا جائے گا تو لوگ نہ جانے اس کے بارے میں کیا کیا باتیں کریں گے۔ بڑی انوکھی داستانیں ہیں پرنس دلاور کی، یوں سمجھیں کہ ایک شعبہ پرنس دلاور کی تشہیر کے لیے بھی مخصوص ہے۔ ہم لوگوں نے بڑا دماغ کھپایا ہے، اس سلسلے میں---- سیٹھ جبار کو ہم نے ناکوں چنے چبوا دیئے ہیں۔ ہم اسے مجبور کر دیں گے کہ وہ امی اور فریدہ کو لے کے خود ہمارے پاس پہنچے ورنہ----'' سرخاب نے کہا۔

''میں کچھ نہیں کہوں گا، میری پیاری بہن، تم لوگ میرے لیے نہ جانے کیا ہو۔ میرے پاس اظہار کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔''

''بس، بس خدا کرے تمہیں یہ الفاظ کبھی نہ ملیں تاکہ تم احمقانہ باتیں نہ کر سکو۔'' پروفیسر شیرازی نے کہا اور ہم لوگ مسکرانے لگے۔ میرے ذہن سے بوجھ ہلکا ہو گیا تھا اور طبیعت میں عجیب سی ایک جولانی ابھر رہی تھی۔

''تو ہم لوگوں کے لیے کیا حکم ہے؟ پرنس دلاور آپ ہمیں احکامات دینا شروع کر دیں۔'' تھوڑی دیر کے بعد پروفیسر شیرازی نے کہا۔

''بات ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ بتائیں کہ مجھے کیا کچھ کرنا ہو گا؟'' میں نے کہا۔

''بتائیں گے بھئی، ضرور بتائیں گے۔ کیوں گل'' پروفیسر نے لیڈی جہانگیر کی طرف دیکھا۔

''یقیناً۔'' لیڈی جہانگیر نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔

''ارے ہاں! ایک بات تو ہم تمہیں بتانا بھول گئے بھئی یہ لیڈی جہانگیر جو ہیں نا---- یہ کبھی ہوں گی، لیڈی جہانگیر---- اب تو یہ ہماری گل ہے۔ سرخاب کی بڑی

بہن سمجھے تم؟''

''یہ سن کر بے حد خوشی ہوئی۔'' میں نے پر محبت انداز میں گل کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر چونک کر پوچھا۔'' گل وہ عظمت کہاں ہے؟''

''تمہاری ایک فرم میں منیجر لگا ہوا ہے اور پر سکون زندگی گزار رہا ہے۔''

''اور ایاز؟'' میں نے سوال کیا۔

''ایاز کا پتہ نہیں۔ وہ اس دوران کبھی ملا ہی نہیں بلکہ میں نے ایک دو بار، اس کے بارے میں عظمت سے پوچھا تو اس نے بھی یہی جواب دیا کہ ایاز کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں ہے۔''

''اوہ۔ وہ میرے ساتھ گیا تھا لیکن چمن اسے وہاں سے واپس لے آیا۔ جذباتی نوجوان تھا کہیں کوئی حرکت نہ کر بیٹھا ہو۔ خدا کرے وہ زندہ ہو۔'' میں نے تشویش سے کہا۔

''اس کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں گے، بلکہ یہ کام بھی تعلق خان ہی کے سپرد کر دیا جائے گا۔''

''یقیناً، یقیناً تعلق خان آج بھی چمن کا دوست ہے، میرا خیال ہے وہ ایاز کے بارے میں ضرور معلوم کر لے گا۔''

''ہاں یقیناً۔'' پروفیسر شیرازی نے جواب دیا۔

''تو پھر پروفیسر، آپ مجھے کب سے پڑھانا شروع کریں گے؟''

''بھئی میرا خیال ہے کہ آج کی یہ گفتگو کافی ہے۔ ہمیں بہت سے جذباتی مراحل سے گزرنا پڑا ہے اور ہمارے دماغ کی چولیں ہل کر رہ گئیں۔ چنانچہ باقی وقت تفریحی گفتگو کے لیے مخصوص کر دیا جائے اور کل صبح ناشتے کے بعد تمہیں مزید تفصیلات بتا دی جائیں گی۔''

''انتہائی مناسب۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھئی، بہروز میاں، تم بڑے پیارے بچے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے ایک پورا خاندان حاصل کر لیا ورنہ اس سے پہلے محض ایک گوشہ نشین قسم کا بوڑھا پروفیسر تھا اور میرا خاندان بہت مختصر تھا، میں تھا اور میری بیٹی سرخاب تھی، اس کے بعد خدا نے مجھے ایک بیٹا دیا اس کے بعد ایک بیٹی دی---- پھر اتنے بہت سے لوگ دے دیئے کہ میں خود بھی حیران رہ گیا۔ اب میں اپنے خاندان کے ساتھ بہت خوش ہوں اور اب تو یوں لگتا ہے جیسے ایک بیٹا اور بڑھ گیا ہو۔'' پروفیسر شیرازی نے بہروز کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا اور بہروز اپنی جگہ سے اٹھ گیا، وہ شرماتا اور جھجکتا ہوا پروفیسر کے پاس پہنچا تو انھوں نے محبت سے اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ ''ہمارے نئے بیٹے بہروز کا کہنا

سے تعلق ہے، منصور؟"

"مصری نژاد ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اردو تو خوب سمجھ لیتا ہے میں نے بولتے ہوئے بھی سنا ہے۔" پروفیسر نے کہا۔

"ہاں۔ اس نے مجھ سے باقاعدہ اردو سیکھی ہے میرا مقصد ہے مجھے دیکھ کر یہ بولتا رہا ہے۔"

"مگر اتنے سے دنوں میں کسی دوسری زبان پر عبور حاصل کر لینا بڑا مشکل ہے جو بہروز نے اتنی آسانی سے سرانجام دے دیا۔"

"بہروز انتہائی ذہین اور زیرک نوجوان ہے، آپ اس کی صلاحیتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

سرخاب اور گل بھی اس خوبصورت نوجوان میں دلچسپی لے رہی تھیں۔ شاید انھیں بہروز کا شرمایا شرمایا انداز بے حد پسند آیا تھا۔

"ہاں بھئی منصور! تم ہمیں بہروز کی کہانی سناؤ۔"

"بہروز کی داستان بھی المیہ ہے، پروفیسر۔" میں نے کہا اور پھر بادیان کے باقی واقعات بھی سنا دیے۔ بہروز کی کیفیت، اس کی کارکردگی اور اس کے بھائی کی داستان ان لوگوں کو سنائی تو وہ بہت غمزدہ ہو گئے۔

پروفیسر نے گہری سانس لے کر کہا۔ "جو کچھ ہو چکا بیٹے---- اسے بھول جاؤ----اور ہم لوگوں کو اپنا اہل خاندان تصور کرو۔ ہم تمہیں اس بات کا یقین تو نہیں دلا سکتے کہ تمہارے لیے ہمارے دل میں کتنی جگہ پیدا ہو گئی ہے لیکن امید رکھتے ہیں کہ آنے والا وقت تمہیں ہماری ذات سے مایوس نہیں کرے گا کہ تم اس خاندان میں پوری طرح ضم ہو جاؤ گے اور کچھ دن بعد ہمیں خود سے الگ نہیں سمجھو گے۔"

بہروز نے جذباتی انداز میں پروفیسر کا ہاتھ تھام لیا اور لرزتی آواز میں بولا۔ "مجھے مکمل یقین ہے، جناب میں آپ پر بے پناہ اعتماد کرنے لگا ہوں۔ منصور جس قدر شریف النفس ہیں، مجھے یقین ہے کہ ان کے مربی بھی ایسے ہی ہوں گے اور پھر منصور مجھے آپ کے بارے میں پہلے بھی بتا چکے ہیں۔ میں تو اسے اپنی بے پناہ خوش بختی سمجھتا ہوں کہ مجھے آپ لوگوں کا قرب حاصل ہو گیا۔"

----پھر یہ جذباتی گفتگو ختم ہو گئی اور ہم سب اپنے ذہنوں سے اس گفتگو کا اثر زائل کرنے لگے، پھر میں نے سرخاب سے کہا۔

"میں ایاز کے لیے پریشان ہوں سرخاب! نہ جانے وہ کس حال میں ہے؟ اس کے

بارے میں معلومات کس طرح حاصل ہوں گی؟ میرا خیال ہے گل آپ عظمت کو میرے پاس بھیج دیں۔" میں نے کہا۔

گل الجھے ہوئے انداز میں پروفیسر کو دیکھنے لگی تو انھوں نے فوراً" کہا۔ "ابھی نہیں منصور! تمہیں انتہائی صبر سے کام لینا ہو گا جو کھیل میں نے شروع کیا ہے اسے صحیح انداز میں آگے بڑھانے کے لیے ہمیں بڑی احتیاط سے کام لینا ہو گا، جہاں جذباتی ہوئے، کھیل بگڑ جائے گا۔"

"میں سمجھا نہیں پروفیسر؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"منصور تم تو اب ہم سے بھی نہیں ملو گے۔ عظمت تو دور کی بات ہے۔ ہم بھی تم سے آزادانہ نہیں ملیں گے۔ یہ دوسری بات ہے کہ تم پرنس دلاور کی حیثیت سے متعارف ہو گے تو ہمارے تعلقات آگے بڑھ جائیں تب ہم تم سے ملتے رہیں گے ورنہ دوسری صورت میں تو پرنس دلاور ہم جیسے لوگوں کو گھاس بھی نہیں ڈالتا۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا، سیٹھ جبار کو۔ باور کرانے کے لیے کہ تم پرنس دلاور ہو اور منصور سے تمہارا کوئی تعلق نہیں، ہم سب کا الگ تھلگ رہنا بے حد ضروری ہے لیکن میں نے کچھ اور انتظامات بھی کر لیے ہیں مثلاً" ایک مخصوص فری کوئنسی کا ٹرانسمیٹر جو تمہارے بیڈ روم میں نصب ہے اور اس کا ایک ریسیور اور اسپیکر میرے بیڈ روم میں ہے وہاں سے ہم آپس میں رابطہ رکھیں گے۔"

"وری گڈ! میں وہ بیڈ روم دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ابھی کہاں سے، ابھی تم اپنی کوٹھی میں جاؤ جس میں تمہارا قیام ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"مطلب یہ کہ یہ کوٹھی تمہاری بہت ساری کوٹھیوں میں سے ایک ہے اور تمہارا قیام یہاں نہیں ہے۔ تغلق خان جیسے لوگ ان کوٹھیوں میں رہتے ہیں تمہاری رہائش گاہ تمہیں دکھا دی جائے گی۔ ابھی چند روز پرنس دلاور منظر عام پر نہیں آئیں گے بلکہ ابھی ان کی صرف تشہیر ہوتی رہے گی مثلاً" کچھ شادیاں ہوں گی جو پرنس دلاور کے سرمائے سے ہوں گی۔ کچھ بچوں کو وظیفے ملیں گے جو پرنس دلاور دیں گے۔ یہ تمام تفصیل اخبار میں چھپے گی اور لوگ پرنس دلاور کی تلاش میں نکل پڑیں گے ان میں ضرورت مند بھی ہوں گے اور وہ بھی جو پرنس دلاور کے بارے میں تجسس رکھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ سیٹھ جبار کے ہرکارے پرنس دلاور کے اردگرد پھیل جائیں گے اور اس کے بارے میں تمام تر معلومات جبار کو فراہم کریں گے۔"

میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا----- پھر گہری عقیدت سے کہا۔ "آپ عظیم ہیں پروفیسر میں جانتا ہوں کہ آپ نے مجھے ہمیشہ زندہ رکھا ہے اور آپ کی یہی خواہش رہی ہے کہ میری زندگی پر کوئی بوجھ نہ پڑے۔ بہرطور میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔"

"اس نئی کوٹھی میں بہروز تمہارے ساتھ رہے گا اور ہم تم سے رابطہ قائم کرتے رہیں گے اور اب آرام کرو۔" پروفیسر نے کہا اور اٹھ گیا۔

بہروز اپنی خوابگاہ میں چلا گیا۔ تنہائیاں ہمیشہ ہی خیالات کا خزانہ ہوتی ہیں۔ میں پروفیسر کے بارے میں سوچتا رہا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ذرا سی بات کے لیے اپنا تن، من اور دھن سب کچھ لٹا دیتے ہیں۔ پروفیسر نے اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا۔ لیڈی جہانگیر نے بھی میرے لیے زبردست ایثار کیا تھا۔ یہ تصور سینے میں ٹھنڈک کا باعث تھا اور اس ٹھنڈک کو دل میں بسائے، میں گہری نیند سو گیا۔

صبح ناشتے کے بعد پروفیسر وغیرہ چلے گئے صرف بہروز میرے پاس رہ گیا، وہ خاموش تھا۔ ہم لوگ تغلق خان کا انتظار کر رہے تھے جب یہ خاموشی طویل ہو گئی تو میں نے کہا۔

"کمال ہے بہروز! تم نے تو نہ بولنے کی قسم کھا رکھی ہے۔"

"نہیں چیف، کچھ سوچ رہا تھا۔" بہروز نے کہا۔

"کیا سوچ رہے تھے۔؟"

"ایسے معصوم اور سچے لوگوں سے میں اپنی شخصیت چھپا کر خود کو ذلیل محسوس کر رہا ہوں۔ وہ مجھ سے سچ بولتے رہیں گے اور میں ان سے جھوٹ بولتا رہوں گا کیا یہ مناسب ہو گا؟" بہروز نے سوال کیا۔

"یار اس طرح تو میری پوزیشن بھی خراب ہو جائے گی۔" میں نے کہا۔ "اگر میں اب بتاؤں گا کہ بہروز لڑکا نہیں بلکہ لڑکی ہے تو یہ سچے لوگ سوچیں گے کہ میں نے ان سے سچ نہیں بولا۔"

"تو میں ایک جھوٹ اور بول کر تمہاری پوزیشن صاف کیے دیتا ہوں۔ میں سرخاب یا گل کو بتاؤں گا کہ میں درحقیقت کیا ہوں۔ میں ان سے کہوں گا کہ میں نے خود کو منصور سے چھپائے رکھا ہے میں ان سے یہ بھی درخواست کروں گا کہ میری شخصیت کے بارے میں نہ بتایا جائے ورنہ میں ان کے ساتھ نہ رہ سکوں گی۔ دیکھتا ہوں، کیا ہوتا ہے۔" بہروز نے کہا۔

"بڑی عجیب سی پوزشن ہو جائے گی۔ کوشش کر لو۔ میں کسی قیمت پر نہیں چاہوں گا

کہ تمہارے ضمیر کی سچائی متاثر ہو۔"

"میں سرخاب کو بتاؤں گا کہ آج تک تم بھی میرے وجود کے اس پہلو سے ناواقف رہے ہو۔"

گیارہ بجے تک ہم بات چیت کرتے رہے اور پھر اس وقت یہ سلسلہ منقطع ہوا جب ایک ملازم نے تغلق خان کے آنے کی اطلاع دی، تغلق خان کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا یہ ایک دراز قامت نوجوان تھا، اس نے ادب سے جھک کر مجھے سلام کیا اور با ادب کھڑا ہو گیا۔

"یہ ناظر ہیں پرنس! آپ کی خدمت میں بھیجے گئے ہیں۔ میں تو آپ کے ساتھ نہیں جا سکتا کیونکہ میری شخصیت ذرا مشکوک سی ہے۔ ناظر آپ کو پروفیسر کے کہنے کے مطابق وہ سب کچھ سمجھا دیں گے جو آپ جاننا چاہتے تھے۔"

"ٹھیک ہے، میں لباس تبدیل کر لوں پھر تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" میں نے کہا اور اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ بہروز دوسرے کمرے میں تھا اس کے پاس جا کر میں نے اسے تفصیل بتائی اور بہروز نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔ میں کپڑے بدل کر ناظر کے ساتھ باہر نکل آیا۔ تغلق خان کو میں نے ہدایت کر دی تھی کہ بہروز کے آرام کا خیال رکھے۔ اس کے بعد میں اور ناظر ایک کار میں بیٹھ کر چل پڑے۔ راستے میں خاموشی ہی رہی تھی پھر ایک عظیم الشان اسپتال کے سامنے ناظر نے کار روکی اور بولا۔ "جناب عالی! آپ یہ اسپتال دیکھنا پسند فرمائیں گے؟"

"کیا مطلب؟" میں نے تعجب سے کہا۔

"آپ نے شاید اوپر لگے ہوئے بورڈ پر غور نہیں کیا، پرنس!" ناظر نے کہا۔

"میری نگاہیں بے اختیار اوپر اٹھ گئیں۔ اسپتال پر۔ "پرنس دلاور ہاسپٹل" لکھا ہوا تھا۔ میں نے اسپتال کی وسیع و عریض عمارت پر نگاہ دوڑائی۔ ناظر مجھے اسپتال کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اس عظیم الشان اسپتال کا ایک حصہ ان غریب لوگوں کے لیے مخصوص تھا جو اپنا علاج نہیں کرا سکتے یہاں انھیں ہر طرح کی سہولتیں مہیا تھیں۔ "حکم فرمائیں، جناب عالی! اسپتال کو اندر سے بھی دیکھیں گے؟"

"نہیں، ابھی نہیں۔" میں نے جواب دیا اور ناظر وہاں سے چل پڑا۔ اس کے بعد ناظر نے مجھے ایک بہت بڑی عمارت دکھائی۔ جو یتیم خانے کی عمارت تھی۔ یتیم خانہ بھی میری ہی دولت سے تعمیر ہوا تھا کچھ اور ایسی چیزیں جو خیراتی اداروں کی حیثیت رکھتی تھیں اور پرنس دلاور کے سرمائے سے چل رہی تھیں اور اس کے بعد پرنس دلاور کی کوٹھیاں، دوسری

جائدادیں، ملیں اور کارخانے دکھائے سب کے سب پرنس دلاور کے نام سے مشہور تھے۔ بہت بڑی آئرن فیکٹری بنائی گئی تھی اور نہ جانے کیا کچھ تھا۔ میں پروفیسر شیرازی کے بارے میں سوچ سوچ کر دنگ ہوتا رہا۔ پروفیسر شیرازی اتنا دولت مند ہو گا۔ یہ بات تو مجھے بھی نہیں معلوم تھی۔ اس نے اور گل نے مجھے نہ جانے کیا سے کیا بنا دیا تھا۔ کیا میں ان تمام چیزوں کو سنبھالنے کا اہل ہوں؟ کیا میں وہ شخصیت برقرار رکھ سکتا ہوں جو ان لوگوں نے میری بنا دی ہے؟ میں سوچ رہا تھا تقریباً" تین بجے تک ہم صرف سیر کرتے رہے اور اس کے بعد وہاں سے ناظر مجھے ایک عظیم الشان کوٹھی میں لے گیا جس پر پرنس دلاور کی نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ یہ کوٹھی کیا تھی اسے محل کہا جاسکتا تھا انتہائی خوب صورت عمارت تھی جس کا خواب میں بھی تصور نہیں کیا جاسکتا تھا' میں پورچ میں اتر گیا لیکن صدر دروازے میں بہروز کو دیکھ کر میرا منہ تعجب سے کھلا رہ گیا۔ بہروز مسکرایا آگے بڑھ آیا اور معنی خیز انداز میں بولا۔ "پرنس۔ آپ نے تو مجھے بھی دھوکے میں رکھا۔"

"کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں بہروز؟" میں نے کہا۔

"آپ اتنی بڑی شخصیت کے مالک ہوں گے پرنس' میں نہیں جانتا تھا' البتہ جو فراخ دلی میں نے بادیان پر محسوس کی تھی' مجھے اسی سے اندازہ لگا لینا چاہیے تھا کہ آپ معمولی شخصیت کے مالک نہیں ہیں۔"

"زخموں کو نہ کریدو' بہروز میں یہ سب کچھ نہیں چاہتا تھا مجھے تو وہ اپنا چھوٹا سا مکان پسند تھا۔ اس کا ماحول آج بھی میرے لیے اس عظیم الشان کوٹھی سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ میں سچ کہہ رہا ہوں' اگر مجھے میری ماں اور بہن مل جائیں تو میں اس کوٹھی سے زیادہ اس جھونپڑی میں خوش رہ سکتا ہوں۔"

بہروز نے گردن جھکالی۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ختم ہوگئی تھی اور پھر ہم دونوں اندر چل پڑے۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ میری وجہ سے بہروز بھی غم زدہ ہو گیا ہے' چنانچہ میں نے موڈ بدلنے کے لیے کہا۔ "لیکن تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"تغلق خان نے کہا کہ شفٹنگ کر لی جائے اور پروفیسر کا بھی فون آیا تھا۔ انھوں نے بھی کہا کہ آج سے پرنس اپنی کوٹھی میں منتقل ہو جائیں گے' چنانچہ میں بھی یہاں پہنچ جاؤں۔"

"سرخاب وغیرہ سے فون پر بات چیت ہوئی؟"

"نہیں' میں نے ان کے بارے میں معلوم نہیں کیا۔"

"ہوں۔ بہر طور مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ حالات کی وجہ سے میں ان لوگوں

نہیں مل سکوں گا۔" میں نے کہا اور ملازمین سے اپنی خواب گاہ معلوم کر کے وہاں چلا گیا۔

خواب گاہ کیا تھی ایک بہت بڑا ہال تھا جس کے درمیان بستر لگا ہوا تھا اطراف میں ایسی ایسی قیمتی اور نایاب چیزیں موجود تھیں کہ بیان سے باہر۔ اٹیچ باتھ تھا۔ اس میں داخل ہو کر دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ جدید ترین باتھ روم تھا' اس محل نما کوٹھی کو دیکھ کر میرے اعصاب جواب دیتے جا رہے تھے۔ میں پروفیسر کا مقصد سمجھتا تھا۔ وہ سیٹھ جبار کو میرے سامنے احساس کمتری کا شکار بنانا چاہتا تھا اور پھر جب درحقیقت سیٹھ جبار میری اصلیت سے واقف ہو گا تو اس پر کیا گزرے گی۔ مجھے بھی ان تمام چیزوں کو نبھانا تھا ورنہ پروفیسر کی تمام محنت رائگاں چلی جاتی۔ میں اپنی مسہری پر آکر لیٹ گیا اور چھت کو دیکھتے ہوئے نہ جانے کیا کیا منصوبے بناتا رہا۔

رات کو تقریباً" گیارہ بجے پروفیسر سے ملاقات ہوئی۔ وہ تنہا ہی آیا تھا' بہروز آرام کرنے جا چکا تھا۔ پروفیسر میری خواب گاہ میں میرے پاس آگیا۔ "ہیلو منصور۔ کیا بات ہے کچھ مضمحل نظر آ رہے ہو؟"

"ہاں پروفیسر' وہ سب کچھ دیکھ کر آیا ہوں جو آپ لوگوں نے میرے لیے کیا ہے۔"

"تمھارے لیے نہیں اپنے لیے----- بہتوں کے لیے خواہ مخواہ تم اس احسان کو صرف اپنی گردن پر لیتے ہو۔" پروفیسر نے کہا۔ "اب تم نے یہ تمام چیزیں دیکھ لی ہیں تو انھیں پوری طرح سمجھ بھی لو۔ کل کچھ لوگ تم سے ملنے آئیں گے یہ سب تمھارے ملوں' کارخانوں' فیکٹریوں کے عہدیدار ہوں گے۔ تم ان سے پرنس دلاور کی حیثیت سے ملو گے اور انھیں ذرا بھی کسی بات کا شبہہ نہیں ہونے دو گے۔ یہ تمام لوگ وہ ہوں گے' جو تمھارے صاف ستھرے کاروبار کو چلا رہے ہیں۔ میں نے پرنس دلاور کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے منصور' ایک وہ پرنس دلاور جو خدا ترس اور نیک انسان ہے اور سماجی و معاشرتی امور میں بھرپور دلچسپی لیتا ہے۔ دل کھول کر ضرورت مندوں کی مدد کرتا ہے اور دوسرا پرنس دلاور بڑا اسمگلر ہے۔ سینکڑوں جرائم پیشہ لوگ اس کے ملازم ہیں اور اس کی ان گنت کمپنیاں چلتی ہیں جو غیر قانونی کام کرتی ہیں۔"

"لیکن پروفیسر ہم اسمگلنگ کا کاروبار کیوں کر رہے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

ور میں بھرپور دلچسپی لیتا ہے۔ دل کھول کر ضرورت مندوں کی مدد کرتا ہے اور دوسرا پرنس دلاور بڑا اسمگلر ہے۔ سینکڑوں جرائم پیشہ لوگ اس کے ملازم ہیں اور اس کی ان گنت کمپنیاں چلتی ہیں جو غیر قانونی کام کرتی ہیں۔"

"لیکن پروفیسر ہم اسمگلنگ کا کاروبار کیوں کر رہے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"میں تمھیں بہت کچھ بتا چکا ہوں منصور! لیکن محسوس کر رہا ہوں کہ ابھی بہت کچھ بتانا باقی ہے، اس وقت تم مجھ سے میری ان تمام کاوشوں کا مکمل مقصد سمجھ لو' اس کے بعد یقیناً" تمھیں کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی' جیسا کہ میں تمھیں بتا چکا ہوں منصور کہ سیٹھ جبار کے خلاف میں نے جو کچھ کرنا چاہا اس میں مجھے کافی ناکامیاں اٹھانی پڑیں' ہر چند کہ ارباب اقتدار میری عزت کرتے ہیں' انھوں نے مجھے مایوس نہیں کیا لیکن محسوس ہوا کہ ہر شخص کسی نہ کسی طرح بے بس ہو جاتا ہے' سیٹھ جبار نے ایسا جال پھیلا رکھا ہے کہ جو شخص بھی ہمارے لیے کچھ کرنا چاہتا ہے' وہ دوسری جگہ دب جاتا ہے جب میں نے محسوس کیا کہ وہ لوگ جو عام حالات میں میرے لیے سب کچھ کرنے پر آمادہ ہو جاتے تھے' سیٹھ جبار کے معاملے میں بے بس ہو جاتے ہیں تو میں نے تجزیہ کیا کہ ایسا کیوں ہے؟ تب مجھے محسوس ہوا کہ صرف دولت لٹانے سے کچھ نہیں ہوتا' آپ دولت کے انبار پر بیٹھ جائیے' جو دل چاہے اور جس طرح دل چاہے خرچ کرتے رہیے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہو گی۔ لیکن اگر آپ تھوڑی سی رقم اپنے نام و نمود کی خاطر خرچ کریں تو یقینی طور پر اس کا رد عمل ہوتا ہے' چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ یہ تمام دولت کے انبار جو میرے پاس پر ڈھیر ہیں' بے کار پڑے ہوئے ہیں' میں ان کا صحیح مصرف کیوں نہ تلاش کروں؟ سرخاب سے مشورہ کیا۔ خدا کا بہت بڑا احسان ہے کہ میری بیٹی میری ہی جیسی سوچ رکھتی ہے۔ اس نے گل کے بارے میں کہا تھا کہ میں اگر مناسب سمجھوں تو لیڈی جہانگیر کو بھی ان معاملات میں شریک کو لوں پھر جب میں نے لیڈی جہانگیر کو اپنے خیالات بتائے تو وہ تو بڑی عجیب عورت ثابت ہوئی۔ اس نے مجھ سے پہلے وہ پیش کش کر دی جو میرے ذہن میں پہلے تھی ---- یعنی اس نے اپنا رواں رواں اس نیک کام کے لیے وقف کر دیا اور اب یہ کچھ ہمارے سامنے ہے' مقصد ہمارا صرف یہی ہے کہ جہاں نیکی کا مسئلہ ہوا تو ہم انسانوں سے نیکی اور محبت کریں گے' ظاہر ہے ضرورت مندوں کے لیے ہی تو ہمارا یہ سب کچھ ہوا ہے' لیکن جہاں تک سیٹھ جبار اور ان جیسے دوسرے سیٹھوں کا تعلق ہے تو ہم اسمگل کریں گے۔ اشیا منگوا کر انھیں ذخیرہ کر دیں گے اور اس وقت جب سیٹھ جبار جیسے لوگ مارکیٹ میں ان اشیا کو پھیلائیں گے' باہر بھیجیں گے یا ان سے کچھ بھی فائدہ اٹھائیں ہم کچھ خرچ کر کے ان سازشوں کو ناکام بنائیں گے۔ انھیں ایسے نقصانات سے دوچار کریں گے کہ وہ تباہ ہو جائیں' تم میرا مقصد سمجھ رہے ہو نا؟ ہم نے ایک سیکشن اس کے لیے بنایا ہے کہ ہمارا کاروبار حکومت کی نگاہ میں صاف ستھرا رہے گا' پرنس دلاور کے نام سے جو سماجی کام کیے گئے ہیں وہ سچائی پر مبنی ہیں' بے شک ہم ان کے ذریعے' ان اداروں کے

ذریعے عوام کی بھلائی کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ پرنس دلاور حکومت کی نگاہوں میں نیک نام رہے' سیٹھ جبار کی طرح ہم بھی حکومت کے اہم لوگوں کو اپنا ہمنوا بنائیں گے اور کوشش کریں گے کہ ان پر سے سیٹھ جبار کے اثرات زائل کر دیں۔ یہ تو ہوئی ہماری پہلی کوشش' اس کے علاوہ ایک اور خاص کام بھی ہے جس کے لیے میں نے تغلق خان کو ساتھی بنایا ہے وہ کام یہ ہے کہ سمندر کے راستے سیٹھ جبار کا مال آتا ہے اسے یا تو راستے میں ہی تباہ کر دیا جائے یا پھر اسے اپنی تحویل میں لے لیا جائے۔ تم سمجھ رہے ہو نا منصور؟" پروفیسر شیرازی نے کہا۔

میں بے حد تعجب سے پروفیسر کو دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بے شک پروفیسر! مجھے حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہے کہ آپ مجھ سے متفق ہو گئے۔ بہر حال' آپ نے یا گل نے جو کچھ میرے نام سے کیا ہے یا میرے لیے کیا ہے' وہ نہ صرف میری ذات پر بلکہ آپ اپنی ذات پر بھی احسان ہے۔ اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد میں آپ کے اس سرمائے کا ایک پیسہ بھی اپنے لیے حرام تصور کروں گا۔ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ جو کچھ میری ذات پر اس وقت خرچ ہو گا' سمجھا جائے کہ اس فرض کی ضرورت ہے۔ اس کا منصور پر کوئی احسان نہیں ہو گا۔ ہاں میں اپنی کاوشوں اور کوششوں سے جو کچھ حاصل کروں گا' وہ میری اپنی ملکیت ہو گی۔"

"میں اور گل تمھارے ہر اقدام سے متفق ہوں گے بجائے ان باتوں کو سوچنے کے کہ مستقبل میں کیا ہو گا' ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہمارے اپنے راستے کیا ہوں گے؟ ---- تو منصور پہلے تم ان لوگوں سے مل لو' ان سے اسی انداز میں گفتگو کرو جو ایک نیک اور خدا ترس پرنس کا انداز ہو سکتا ہے' یہ سب تم سے پہلی بار ملیں گے لیکن انھیں بتا دیا گیا ہے کہ پرنس دلاور ان سے ملاقات کرنے والے ہیں جب تم وہاں پہنچو گے تو تمھارے انھیں میں سے دو افراد وہاں موجود ہوں گے جو تمھارا استقبال کریں گے اور تمھارا تعارف ان سے کرائیں گے' ان لوگوں سے تم تفصیلات معلوم کر سکتے ہو۔ اس کے بعد ایک یا دو دن کے اندر اندر وہ لوگ بھی تم سے ملاقات کریں گے جو تمھارے دوسرے سیکشن میں کام کرتے ہیں' تم ان سے بھی تفصیلات معلوم کر کے ان کے لیے ہدایات جاری کرو گے۔ اب تم یہ تمام ذمے داریاں پرنس دلاور کی حیثیت سے اپنے ہاتھ میں لو اور مکمل اعتماد کے ساتھ کام کرو۔ تمھیں جلدی ہی منظر عام پر آ جانا ہے' سیٹھ جبار سے تمھاری ملاقات کے لیے کوئی بہت ہی خوب صورت پروگرام ترتیب دیا جائے گا۔"

میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور کہا۔ "ٹھیک ہے' پروفیسر! میں آپ کی ہدایات

کے مطابق ہی کام کروں گا۔"

"صرف میری ہدایات کے مطابق نہیں بلکہ حالات کو سمجھ کر تمہیں خود عمل کرنا ہے، ہم لوگ پیچھے ہٹ جائیں گے اور پھر تمہاری ملاقات ہم سے پرنس دلاور کی حیثیت سے ہو گی گویا اس سے قبل ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔"

"اوہ یہ تو عمدہ بات ہے میں تو الجھا ہوا تھا کہ پرنس دلاور کی حیثیت سے منظر عام پر آنے کے بعد آپ لوگوں سے میری ملاقاتیں کم ہو جائیں گی۔"

"کم تو رہیں گی۔" پروفیسر شیرازی نے کہا۔ "لیکن ناممکن نہیں ہوں گی۔ پوری دلچسپی سے کام کرو منصور، آنے والا وقت ہمیں بہت کچھ دے گا۔" یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ پروفیسر شیرازی کے جاتے ہی میں پھر اپنی اس دنیا میں پہنچ گیا جو خیالات کی دنیا کہلاتی ہے۔ جو کچھ ہو رہا تھا واقعی دلچسپ تھا، لیکن اس میں کہیں بھی امی اور فریدہ کی تصویر نظر نہیں آتی تھی وہ تصویر تو اب میرے لیے حسرت بن چکی تھی۔

بہت دیر تک میں ان دونوں کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر میں نے ٹھنڈی سانس لے کر خود کو سنبھال لیا۔ یہ احساسات کچھ نہیں دے سکتے۔ اس مسئلے میں آج تک تدبیر بھی بے مقصد ہی رہی تھی۔ بس تقدیر کے فیصلے کا انتظار کرنا ہو گا۔ مجھے پتہ چل جائے گا کہ یا تو امی اور فریدہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں یا پھر وہ مجھے مل جائیں گی۔

میرے وہ دو ساتھی جن سے تغلق خان کے ساتھ سب سے پہلے، مجھے متعارف کرایا گیا تھا، اسی عمارت میں موجود تھے ان میں سے ایک کا نام طاہر اور دوسرے کا اعظم تھا باقی دو افراد نہ جانے کہاں تھے، انھوں نے یہ کہا تھا کہ ان کی ضرورت پیش آئے تو تغلق خان کے ذریعے ان سے رابطہ قائم کر لیا جائے لیکن اب یہ دونوں یہیں موجود تھے چنانچہ پروفیسر شیرازی کے جانے کے بعد میں نے مکمل طور پر تمام حالات کو اپنے کنٹرول میں لینے کے لیے انھیں طلب کر لیا۔ گھنٹی بجائی تو ایک ملازم اندر آ گیا میں نے اس سے کہا کہ طاہر اور اعظم کو میرے پاس بھیج دیا جائے۔ ملازم ادب سے گردن جھکا کر چلا گیا.... تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں میرے پاس پہنچ گئے۔ "میں نے تمہیں ایک خاص مقصد کے تحت بلایا ہے کل میرے کچھ مہمان آ رہے ہیں ان کے لیے کیا بندوبست کیا جائے گا۔"

"جو آپ حکم دیں پرنس ویسے کوٹھی کے بائیں حصے میں ایک میٹنگ ہال بنا ہوا ہے ہمارا خیال تھا کہ اسی میں نشست کا انتظام کر دیا جائے۔ آنے والے تقریباً" پندرہ افراد ہوں گے۔ اس ہال میں اسی افراد کے لیے ایک میز پڑی ہوئی ہے اگر آپ پسند فرمائیں تو اسے دیکھ لیں اس کے اردگرد تمام حفاظتی انتظامات موجود ہیں کسی قسم کی مداخلت ممکن نہیں

ہے۔"

"گڈ، گویا تم نے وہاں تمام تیاری کر رکھی ہے؟"

"یقیناً جناب! ہمیں تغلق خان کی وساطت سے یہ حکم ملا تھا لیکن تغلق خان نے یہ بھی کہا تھا کہ ان کے بعد تمام ہدایات آپ جاری کریں گے، پرنس! ہم آپ کے سیکرٹری ہیں۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو تمام تر معاملات سے ہمیں آگاہ رکھیں۔ اس کے علاوہ مس فینی بھی یہاں پہنچنے والی ہیں مس فینی کو ہم نے باہر سے طلب کیا ہے۔ شاید پروفیسر شیرازی صاحب کی شناسا خاتون ہیں۔ پروفیسر صاحب نے بہت پہلے یہ بات کہی تھی کہ انھیں پرنس دلاور کی سیکرٹری بننا ہے چنانچہ جب وہ یہاں پہنچ جائیں گی تو وہ آپ کی پرسنل سیکرٹری ہوں گی------ بہرحال، کل کے معاملات بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ کو کوئی دقت نہیں ہو گی ہاں اگر آپ کوئی ترمیم فرمانا چاہیں تو ہمیں حکم دے دیجیے۔"

"بس ٹھیک ہے۔ یہ مس فینی کب تک پہنچ جائیں گی؟"

"شاید آج ہی جناب والا۔ اطلاع یہی ملی ہے۔" اعظم نے جواب دیا۔

"اوکے اعظم۔ تو لوگ جا سکتے ہو اگر ضرورت پڑی تو میں دوبارہ بلا لوں گا۔"

وہ مجھے سلام کر کے چلے گئے۔ ایک بار پھر میں نے گھنٹی بجا کر ملازم کو طلب کر لیا.... اور پوچھا۔ "میرے لباس وغیرہ کا کیا بندوبست ہے؟"

"سر، مس نادرہ، اس سلسلے میں انچارج ہیں آپ حکم دیں تو میں انھیں آپ کے پاس بھیج دوں؟"

"بھیجو۔" میں نے جواب دیا اور ملازم کے جانے کے بعد میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ کچھ دیر بعد مس نادرہ آ گئی۔ اس کی عمر تیس سال سے کم نہیں تھی۔ اب تک وہ مس کیوں تھی نہ تو مجھے اس سلسلے میں معلوم تھا اور نہ ہی میں نے معلوم کرنے کی کوشش کی، بہرحال، جاذب نگاہ خاتون تھیں سفید لباس پہنے وہ میرے کمرے میں داخل ہوئی۔ ان کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں مین ایک عجیب سی سادگی تھی، مجھے دیکھ کر گردن خم کی اور کہنے لگی۔ "جناب نے مجھے طلب فرمایا تھا۔"

"ہاں مس نادرہ، لباس کے بارے میں معلومات حاصل کرنی تھیں۔"

"جناب عالی لباس تیار ہیں۔"

"مجھے شام کا لباس چاہیے۔"

"گھر ہی میں پہننے کے لیے؟"

"ہاں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"بہت بہتر' میں پیش کر دیتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ لچکتی ہوئی باہر چلی گئی تو مجھے ایک دم حسینہ یاد آ گئی وہ خود سر اور پیاری سی لڑکی آج بھی میرے ذہن میں اسی طرح زندہ تھی۔ میں نے بہت کم ایسی لڑکیاں دیکھی تھیں اور بہرطور میں اس سے پیار کرتا تھا' اگر حالات نے دوبارہ موقع دیا تو یقیناً" اس سے ملنے کی کوشش کروں گا۔ اسی جیسی لڑکیوں کے لیے بہت کچھ کیا جا سکتا تھا' مس نادرہ میرے لیے لباس لے آئی۔ یہ سلک کا انتہائی خوب صورت گاؤن تھا اور اس کے نیچے اک ڈھیلا ڈھالا سا لباس جو گھر پر پہننے کے لیے نہایت موزوں تھا' میں نے باتھ روم میں جا کر لباس تبدیل کیا' ریشمی لباس کی سرسراہٹیں میرے بدن میں گدگدیاں سی کر رہی تھیں۔ گاؤن پہن کر میں باہر آیا تو بہروز میرا انتظار کر رہا تھا۔ اسی طرح کا مردانہ لباس پہنے مگر یہ لباس بھی نیا تھا اور وہ مجھے دیکھ کر ہنس دیا۔

"کیوں ہنسی آ رہی ہے؟"

"آپ کو دیکھ کر۔"

"بے وقوف لگ رہا ہوں' کیا؟"

"نہیں نہیں بالکل پرنس لگ رہے ہیں۔"

"واہ اب تم میرا مذاق اڑاؤ گے کیوں؟" میں نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"یقین کرو چیف مذاق نہیں اڑا رہا اور نہ ہی بہروز میں یہ جرات ہے میں تو صرف اس بات پر ہنس رہا تھا کہ یہ جو مس نادرہ ہیں نا' اس عمارت کی انچارج' انھوں نے نہ جانے کس طرح میرا ناپ حاصل کر لیا۔ ایک بھی کپڑا ایسا نہیں جو بدن پر فٹ نہ ہو۔ سارے کے سارے حسین ترین لیکن آپ یقین کریں چیف بہت سے لباس میں' ان میں سے نہیں پہن سکتا انھیں پہننے کے بعد میرا چھپا رہنا مشکل ہے۔" بہروز بے ساختگی سے بولا اور شرما گیا۔

مجھے اس کی باتوں پر ہنسی آ گئی۔ بہرطور' وہ بے حد مسرور تھا جس پر مجھے بے حد خوشی ہوئی عجیب و غریب شخصیت تھی اس کی .... کمزور اور معصوم سی لڑکی جو سعدیہ سے بہروز بن گئی تھی اور اپنی شخصیت تک کھو بیٹھی تھی۔ حالات نے اسے اتنا کچلا تھا کہ وہ خود کو بھی لڑکی کہنے پر آمادہ نہیں ہوتی تھی اور اب تو میرا دل بھی نہیں چاہتا تھا کہ اسے لڑکی سمجھوں یا بہروز سے کوئی مختلف شخصیت تصور کروں۔ ہم کافی دیر تک مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ سرخاب زیر بحث آئی اس کے بارے میں بات چیت ہوتی رہی۔ ایاز اور عظمت کا تذکرہ بھی نکلا۔ بہروز کہنے لگا۔ "منصور! آپ کی وجہ سے یہ بات ذرا سی تکلیف دہ ہے کہ میں بھی ان لوگوں سے گھل مل نہیں سکتا۔ ایسا کوئی دل نہیں ہے کہ میں ان سے

ملتا رہوں۔"

"بھائی تم سرخاب یا گل کے پاس رہ سکتے ہو بس کچھ عرصے کے لیے مجھ سے جدا ہونا پڑے گا۔"

"نہیں جناب! یہ ممکن نہیں ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ آپ سے جدا رہنے کا تصور ہی ہولناک ہے۔" بہروز نے کہا اور ہڑبڑا گیا۔ "مم ------ میرا مطلب ہے کہ ------ کیا کہہ رہا تھا میں؟"

"یہی کہ مجھ سے دور رہنا ممکن نہیں ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں' میں یہی کہہ رہا تھا کہ جب تک میں ان لوگوں سے گھل مل نہ جاؤں بھلا میں کیسے ان کے ساتھ رہ سکتا ہوں' بہرطور کبھی نہ کبھی یہ حالات درست تو ہو ہی جائیں گے۔"

"یقیناً" بہروز' اس میں زیادہ عرصہ نہیں لگے گا بس تھوڑے دنوں کا معاملہ ہے۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح ہم میں آ شامل ہوں گے اور پھر کوئی الجھن نہیں رہے گی۔"

"چلیں چھوڑیں اب کیا پروگرام ہے؟"

"میں کچھ سوچ رہا ہوں بہروز۔" میں نے کہا اور وہ چونک کر میری شکل دیکھنے لگا۔ "بات یہ ہے بہروز کہ میں نے ہمیشہ پروفیسر سے تعاون کیا۔ ان کی بات مانی۔ وہ کیا کر رہے تھے' اس کا تو مجھے علم نہیں تھا البتہ میں ان کے پاس سے نکلا تو میں نے بہت سے کام کیے تھے۔ میں نے خود بھی ذہانت سے کام لیا اور خدا کے فضل سے مجھے کوئی الجھن پیش نہیں آئی۔ بس یہاں پوشیدہ رہ کر حالات کا انتظار کروں' یہ ذرا تکلیف دہ امر لگتا ہے۔"

"اوہ۔ تو کیا مطلب ہے آپ کا؟" بہروز نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"مطلب یہ ہے کہ میں اپنے اندر خود بھی تو کچھ خود اعتمادی پیدا کروں۔ بہت سے کام رتا رہا ہوں پھر میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ ایاز اور عظمت کو تلاش کروں۔ دوسرے حالات کا دیکھوں اور اگر ممکن ہو تو چمن سے بھی مل لوں۔"

"کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ صورتحال آپ کے لیے خطرناک ہو جائے؟"

"میں محتاط رہوں گا۔"

"تو ایک درخواست میری بھی ہے۔"

"تم یقیناً کہو گے کہ میرے ساتھ چلو گے۔"

"ہاں چیف۔"

"میں' تمہیں ساتھ نہیں لے جا سکتا۔"

"میں قطعی ضد نہیں کروں گا کیونکہ آپ کو ذہنی طور پر الجھا کر کمزور نہیں کرنا چاہتا۔"

مجھے اس کی اس بات پر بے پناہ پیار آ گیا لیکن میں نے خود کو قابو میں رکھا۔

شام سات بجے طاہر ایک غیر ملکی لڑکی کو لے کر میرے پاس پہنچ گیا سبز اسکرٹ میں وہ بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ گلے میں سبز رنگ کا ہی ایک لاکٹ پڑا ہوا تھا۔ آنکھوں پر سنہرے فریم کی ایک عینک تھی اور عینک کے پیچھے نظر آنے والی آنکھیں بے حد حسین تھیں۔ باریک باریک ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اُس کا سراپا سانچے میں ڈھلا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ میں اس وقت کوٹھی کے اوپری حصے میں کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ میرے ہاتھ میں ایک رسالہ تھا۔ لیکن نگاہیں اور خیالات---- باہر کی دنیا پر مرکوز تھے کہ طاہر اسے لے کر آ گیا تھا۔

"ہیلو سر' مجھے فینی کہتے ہیں۔" لڑکی نے بڑھ کر کہا اور میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گردن ہلا دی اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

میں نے بغور اس کی طرف دیکھا تو محسوس ہوا کہ وہ بھی بڑی گہری نظروں سے میرا جائزہ لے رہی ہے۔ اس کا انداز بے باکانہ تھا اور چہرے کی تازگی اس کے سونے جیسے دل کی آئینہ دار تھی۔ "مجھے تمہارے بارے میں بتا دیا گیا تھا۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"اور میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ سیدھی میرے پاس آ رہی ہو یا آرام بھی کیا ہے؟"

"میں ائیرپورٹ پر اتری تو قدرے تھکی ہوئی تھی۔ اس لیے وہاں سے ایک ہوٹل چلی گئی جہاں تین گھنٹے ریسٹ کر کے تر و تازہ ہو کر حاضر ہوئی ہوں۔" وہ تبسم ریز لہجے میں بولی۔

"سامان کہاں ہے تمہارا؟"

"ساتھ لے آئی ہوں کیونکہ میرا قیام یہیں رہے گا۔"

"گڈ---- کہاں سے آئی ہو؟"

"لندن سے جناب!"

"اس سے پہلے کوئی ملازمت کی؟"

"نہیں جناب! میں حال ہی میں فارغ التحصیل ہوئی ہوں۔ میرے والدین نہیں ہیں۔ لندن میں اپنی ایک دوست کے ساتھ رہتی تھی۔ ارادہ تھا کہ تعلیم حاصل کر کے کوئی اچھی سی ملازمت کروں گی اور پھر کوئی اچھا ساتھی مل گیا تو شادی کر لوں گی۔ للذا میں پانچ سال کا معاہدہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"اور اگر اس دوران کوئی اچھا ساتھی مل گیا تو؟" میں نے شدید لہجے میں سوال کیا۔

"اس سے شادی کے لیے معاہدے کی مدت ختم ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

میں ہنس پڑا۔ "اچھے ساتھیوں کے لیے اتنا طویل انتظار کبھی کبھی نقصان دہ بھی ہوتا ہے۔ بہر حال' اگر کوئی مل گیا تو میری طرف سے تمہیں شادی کی اجازت مل جائے گی۔"

اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور مسکراتی رہی۔ وہ ایک شوخ سی لڑکی تھی اور میں حیران تھا کہ وہ میرے راز محفوظ رکھ سکے گی یا نہیں---- پھر یاد آیا کہ اس کا انتخاب پروفیسر نے کیا ہے تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہو گا۔ "فینی----" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم میرے لیے کافی کار آمد ثابت ہو گی۔ اب جاؤ' اپنے لیے کوئی آرام دہ کمرہ منتخب کرو اور پھر ڈنر کے بعد مجھ سے دوبارہ ملو۔"

وہ ادب سے جھک کر رخصت ہو گئی۔

ڈنر کے بعد وہ دوبارہ آئی تو بہروز میرے پاس تھا۔ میں نے ان دونوں کو متعارف کرایا اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اسے رخصت کر کے بہروز کے ساتھ کوٹھی کے لان میں چہل قدمی کے ارادے سے نکل آیا۔ باغ میں آ کر بہروز نے کہا۔ "چیف! لڑکی تو اچھی خاصی ہے۔"

میں نے اس شریر جملے کا کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ میں خوب سمجھ رہا تھا کہ اس کا اشارہ کس طرف ہے۔ بہروز نے مجھے سنجیدہ دیکھا تو پروفیسر کا تذکرہ نکال لیا ہم دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے اور ٹہلتے رہے۔

دوسری صبح سے فینی نے چارج سنبھال لیا۔ ناشتہ اس نے میرے ساتھ نہیں کیا تھا اور نہ ہی میں نے اسے طلب کیا۔ البتہ ناشتے کے فوراً بعد وہ میرے پاس پہنچ گئی۔ بہروز کسی کام سے اوپر کی منزل میں چلا گیا تھا۔ فینی نے ادب سے مجھے سلام کیا۔ اس وقت تنہائی تھی اس کے باوجود فینی کے انداز میں وہ شوخی اور گستاخی نہ تھی جو میں نے پہلی ملاقات میں محسوس کی تھی اس نے نہایت سنجیدگی سے کہ۔ باس تبدیل کر لیجئے' جناب! ساڑھے دس بجے آپ کے پاس وہ مہمان پہنچ جائیں گے جن سے آج کی میٹنگ طے ہے دوپہر کے کھانے کے بعد اور کوئی پروگرام نہیں ہے اگر یہ مہمان دوپہر کے کھانے پر بھی رکیں تو ان کے لیے کھانے کا بندوبست کر لیا جائے گا ویسے پروگرام اتنا طویل نہیں ہے اور دوپہر تک ان کے رکنے کا امکان نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے اور شام کا کیا پروگرام ہے فینی؟" میں نے سوال کیا۔

"سر اور تو کوئی پروگرام میرے علم میں نہیں۔ بعد میں کوئی بن جائے تو میں کہہ نہیں

سکتی۔"

"اوکے فینی۔" میں نے جواب دیا اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ مہمانوں سے ملنے کے لیے میں خود کو تیار کر لینا چاہتا تھا۔ ٹھیک ساڑھے دس بجے فینی میرے پاس پہنچ گئی۔ اس نے مجھے اطلاع دی کہ وہ لوگ آ چکے ہیں۔ "کتنے افراد ہیں، فینی؟" میں نے پوچھا۔

"پندرہ جناب۔ دو خواتین اور تیرہ مرد۔"

میں نے گردن ہلا دی اور فینی کے ساتھ ہی باہر نکل آیا اور اس نے مجھے اس کمرے میں پہنچا دیا جہاں ایک طویل میز لگی ہوئی تھی اور اس میز پر پندرہ افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ سب کے سب مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ میں پر سکون انداز میں چلتا ہوا اس کرسی تک پہنچ گیا جو میرے لیے مخصوص تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا وہ سب دزدیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے ہیں۔ کرسی پر بیٹھ کر میں نے انھیں اشارہ کیا تو وہ سب اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ فینی مجھ سے پیچھے اپنی کرسی پر جا بیٹھی تھی پھر دونوں خواتین میں سے ایک اٹھ کھڑی ہوئی اور شائستہ لہجے میں بولی۔ "میں میٹنگ کے آغاز کی اجازت چاہتی ہوں پرنس۔"

"شروع کیجیے۔" میں نے بھاری آواز میں کہا۔

"شکریہ پرنس، میں سب سے پہلے اس بات پر اظہار مسرت کرتی ہوں کہ ہمارا باس آج پہلی بار ہمارے سامنے موجود ہے۔ میں اظہار جذبات کو گستاخی نہیں تصور کرتی، ہر شخص کے دل میں اس جگہ سے محبت کا جذبہ ہوتا ہے جہاں سے اسے روزی ملتی ہے ہمیں فخر ہے کہ ہم ایسے اچھے ادارے سے منسلک ہیں جہاں ہماری ضروریات زندگی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ میرا نام صائمہ روشن علی ہے اور میں دلاور انڈسٹریز کی جنرل منیجر ہوں، چھ فرمیں میرے تحت ہیں اور یہ تمام افراد جو اس وقت یہاں موجود ہیں، دلاور انڈسٹریز کے منیجر اور ڈائریکٹرز ہیں۔ میں فرداً فرداً ان کا تعارف کراتی ہوں۔"

میں نے گردن ہلا دی تو صائمہ ایک ایک شخص کا نام لیتی گئی اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے سامنے گردن خم کرتا رہا۔ جب تمام لوگوں سے تعارف ہو گیا تو صائمہ روشن علی نے کچھ اور تعارفی الفاظ کہے اور اس کے بعد مجھے بولنے کا موقع دیا گیا۔ فینی نے جلدی سے کاغذ کی ایک شیٹ میرے سامنے رکھ دی جس پر ان تمام لوگوں کے نام اور ان فرموں کے نام لکھے ہوئے تھے جن کے وہ سربراہ تھے۔ فینی کی یہ کارکردگی مجھے بے حد پسند آئی، ورنہ فرداً فرداً ہر شخص کو یاد کر کے اس سے سوالات کرنا ذرا مشکل کام تھا۔ میں نے پر سکون انداز میں گردن ہلائی اور پھر ان لوگوں سے ان کی فیکٹریوں اور ملوں کے بارے میں

معلومات حاصل کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں ایک طویل عرصے سے یہ کاروبار چلا رہا ہوں اور تمام معاملات سے واقف ہوں اور میرے تمام ملازمین مجھے اپنی کارکردگی کی رپورٹ سنا رہے ہیں۔ میں خود حیران تھا کہ میں ان میں سے کسی کو بھی شک کا موقع نہیں دے رہا تھا بلکہ ان سے ایسے سوالات کر رہا تھا کہ جواب دیتے ہوئے بعض اوقات ان کی زبانیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ میں نے انھیں مسائل کے حل بھی دیئے۔ تقریباً ڈھائی گھنٹے تک یہ میٹنگ جاری رہی۔ اس دوران میرے ملازموں نے ان لوگوں کی خاطر تواضع بھی کی۔ ایک بجے یہ نشست برخاست ہو گئی اور سب کے سب خوش و خرم رخصت ہو گئے۔

فینی سائے کی طرح میرے ساتھ تھی۔ "آپ مطمئن ہیں، جناب؟" اس نے سوال کیا۔

"کس بات سے فینی؟"

"میرا مقصد ہے، اس کانفرنس سے ------؟"

"کیا اس میں کوئی غیر اطمینان بخش بات تھی؟" میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں میں نے یوں ہی پوچھ لیا تھا۔"

"کوئی بات یوں ہی نہیں پوچھی جاتی فینی، آؤ میرے کمرے میں آؤ۔" میں نے کہا اور چند لمحات کے بعد میں اپنی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔ فینی یہاں تک آتے ہوئے کچھ عجیب سے احساسات کا شکار تھی، میں اس کے چہرے سے یہ بات محسوس کر رہا تھا۔ تاہم اس نے میری خوابگاہ میں داخل ہونے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میں آرام سے پاؤں پھیلا کر ایک آرام کرسی پر دراز ہو گیا اور فینی کو بیٹھنے کا اشارہ کر دیا۔ فینی نے تیز روشنی جلائی اور بیٹھ گی۔ تب میں نے کہا۔ "ہاں تو فینی میں تم سے پوچھ رہا تھا کہ غیر مطمئن ہونے کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے؟"

"نہیں جناب۔ لیکن کسی بھی کانفرنس میں بعض اوقات ایسی الجھنیں رہ جاتی ہیں جنھیں فوری طور پر سلجھانا ممکن نہیں ہوتا، میں پوچھنا چاہتی تھی کہ کیا کوئی ایسی الجھن آپ کے ذہن میں بھی باقی رہ گئی ہے؟"

"نہیں ------ بہر طور کوئی خاص بات میرے ذہن میں نہیں ہے، تم اگر اپنے طور پر کچھ محسوس کر رہی ہو تو اس کی نشاندہی کر دو۔"

"جی نہیں۔ ویسے میں نے یہ نوٹس تیار کر لیے ہیں۔" اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذات میرے سامنے بڑھا دیئے۔

"کیسے نوٹس ہیں؟"

"میٹنگ میں جو کارروائی ہوئی ہے اس کے اہم نکات...

میں نے کاغذات اس کے ہاتھ سے لے لیے اور ان پر نگاہ دوڑانے لگا.... پھر میں واقعی حیران رہ گیا۔ فینی نے بعض جگہ شارٹ ہینڈ میں اور بعض جگہ صاف تحریر میں نوٹس لکھے تھے' شارٹ ہینڈ کے نوٹس تو میں نہ سمجھ سکا لیکن جو صاف نوٹس میں نے پڑھے' وہ بڑے شاندار تھے' فینی نے بڑی ذہانت سے ان پر مارکنگ کی تھی اور میں اس کی ذہانت کا دل سے قائل ہو گیا۔ میں کافی دیر تک کاغذات دیکھتا رہا---- پھر میں نے نوٹس فینی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بہت عمدہ فینی۔ میں تمھاری اس کارکردگی سے بے حد خوش اور مطمئن ہوں۔"

"میرا فرض ہے جناب!" فینی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

مجھے ہنسی آنے لگی۔ یہ کس قسم کی ناراضگی کا اظہار تھا اور یہ لڑکیاں بس ذرا سی بات پر منہ پھلا کر بیٹھ جاتی ہیں۔ بہر طور میں نے اپنی پوزیشن برقرار رکھنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے لہجے پر توجہ نہ دیتے ہوئے کہا۔ "یہ جو کچھ تم نے شارٹ ہینڈ میں لکھا ہے اسے میں نہیں سمجھ سکا۔"

"یہ عارضی رپورٹ ہے جناب۔ ابھی میں یہ مکمل رپورٹ تیار کر کے ٹائپ کروں گی--- پھر اس کی فائل تیار کر کے آپ کے سامنے پیش کر دوں گی' تاکہ جب بھی آپ کو ضرورت ہو آپ اس کو دیکھ کر لائحہ عمل مرتب کر سکیں۔"

"ٹھیک ہے' بہت بہت شکریہ۔"

"میں جاؤں' جناب؟" فینی نے سوال کیا اور میں نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر گردن ہلا دی۔ وہ کیا چاہتی تھی مجھ سے؟ یہ حماقت کا اظہار تھا چنانچہ میں نے اسے روکنا مناسب نہیں سمجھا۔ اور فینی کمرے سے چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد میں حالات پر غور کرنے لگا' ٹھیک پونے دو بجے بہروز میرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ "حضور والا' خادم حاضر ہو سکتا ہے؟" اس نے کہا اور میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔

بہت بھوک لگ رہی ہے' میرا خیال ہے کہ کھانے کے وقت میں تبدیلی کر دی گئی ہے۔" وہ کراہ کر بولا۔

"اِیں۔ کیا بج گیا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"جی بس دو بجنے میں چند منٹ باقی ہیں۔"

"تو پھر ملازموں سے کہو کھانا لگا دیں۔" میں نے کہا۔

"بہت بہتر۔ بہروز نے دیوار گیر بٹن دبایا اور چند لمحوں میں ملازم اندر آ گیا۔ بہروز نے اسے کھانا لگانے کے لیے کہا۔

ملازم نے اسے ادب سے جواب دیا۔" کھانا لگ گیا ہے جناب۔ تشریف لے چلیے۔"

کھانے کے بعد میں اور بہروز کافی دیر تک آنے والوں کے بارے میں بات چیت کرتے رہے۔ بہروز بے حد مسرور نظر آ رہا تھا لیکن میں سنجیدہ تھا اور شاید بہروز میری سنجیدگی کی وجہ سمجھ گیا' چنانچہ چند لمحے بعد وہ سنجیدہ ہو گیا۔ "آپ نے ایک بات کہی تھی' مجھ سے چیف۔"

"کون سی بات؟"

"آپ نے کہا تھا کہ آپ اپنے طور پر بھی کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"ہاں بہروز آج رات میں یہاں سے باہر نکلوں گا۔"

"اوہ ضرور چیف------ مگر کیا مجھے تھوڑا سا پروگرام بھی نہیں معلوم ہو سکے گا۔"

"تمہیں معلوم ہو گا لیکن کسی اور کو پتہ نہیں چلنا چاہیے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ پہلے تو پوشیدہ طور پر گل سے ملوں۔ وہ میری بہت اچھی دوست ہے اور ہمیشہ میرا ساتھ دیتی رہی ہے جب کہ پروفیسر شیرازی بے حد محتاط قسم کے آدمی ہیں۔ وہ یہ پسند نہیں کریں گے کہ میں اس طرح گھر سے باہر نکلوں اور کسی طرح دشمنوں کی نظر میں آؤں حالانکہ یہ میرے لیے بے حد ضروری ہے۔"

"لیکن آپ گل سے کس طرح ملاقات کریں گے وہ تو پروفیسر شیرازی کے پاس ہی رہتی ہیں۔"

"اوہ ہاں یہ بات تو میرے ذہن سے اتر ہی گئی تھی۔ ویسے تم نے اچھی بات یاد دلائی' ٹھیک ہے میں گل سے فون پر بات کر لوں گا۔" میں نے کہا۔ "گل کا فون نمبر' طاہر یا اعظم کو معلوم ہو گا۔" یہ کہہ کر میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ بہروز بھی میرے ساتھ ہی باہر آیا تھا۔ باہر فینی نظر آ گئی جو سامنے کی راہداری سے گزر رہی تھی مجھے دیکھ کر وہ رک گئی۔

"فینی پلیز۔" میں نے کہا "طاہر کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں ہے' کیا میں اسے بلاؤں؟"

"ہاں------ اس سے ایک فون نمبر معلوم کرنا ہے۔"

"کس کا جناب؟" فینی نے سوال کیا۔

"پروفیسر شیرازی کا---- مجھے گل سے بات کرنی ہے۔"

اس کے بعد

؟

بازی

کے تیسرے حصے

کا مطالعہ کریں!

KitabPk.Com